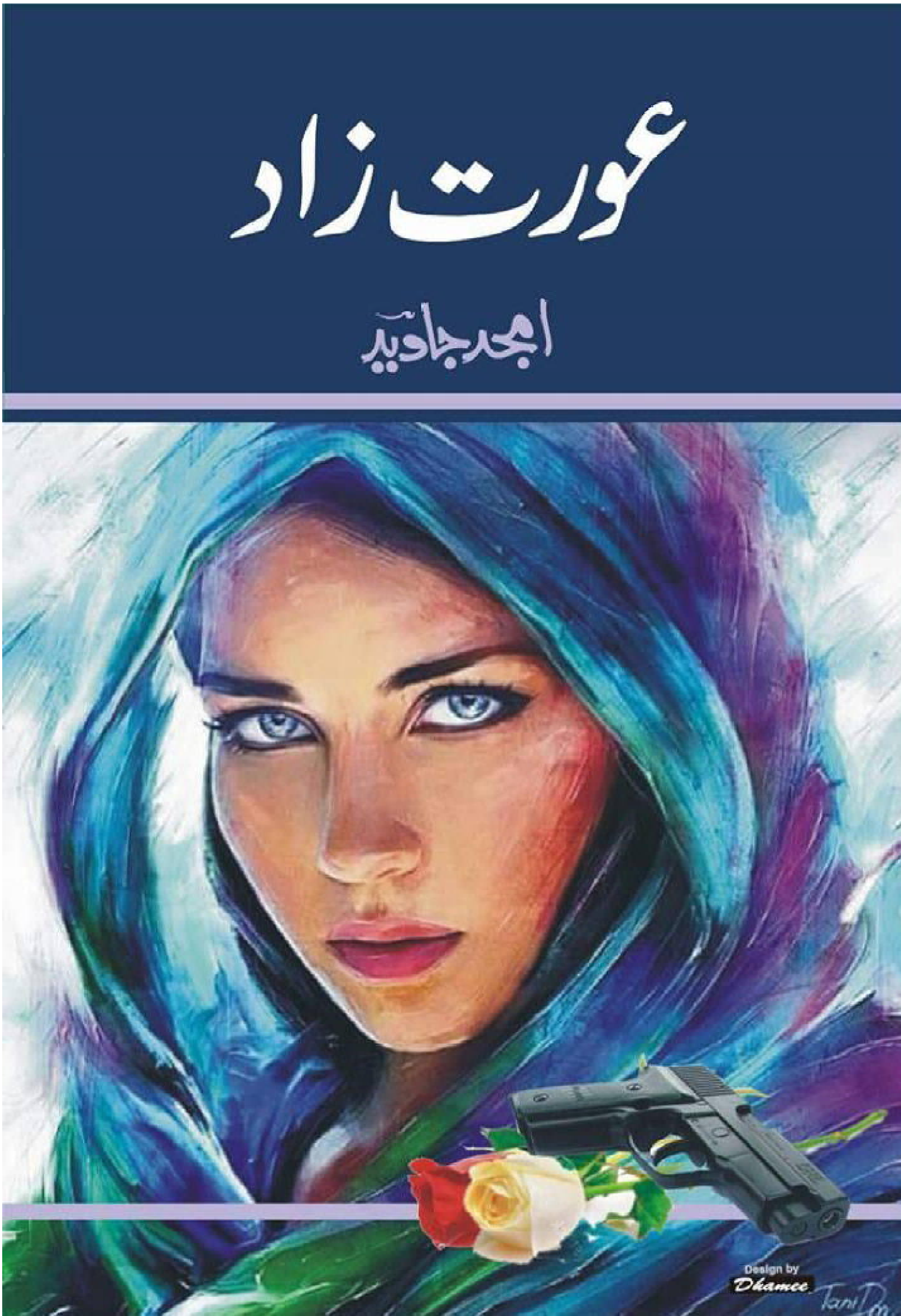

عورت زاد
امجد جاوید
Design by
Dhamee

آسمان پر چاند روشن تھا۔جس کی کرنیں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی لہروں پر مچل رہی تھیں۔دور تک دریا کنارے ملجگا اندھیرا تھا۔گھاس پھوس، سرکنڈے، جھاڑیاں اور درختوں پر پڑتی ہوئی چاندنی نے ماحول کو پراسرار بنا دیا تھا۔ایک جگہ دریا کنارے سے ذرا ہٹ کر تھوڑے سے فاصلے پر موجود سردار مٹھن خان کا ڈیرہ تھا۔جس پر لگی ہوئی سرچ لائیٹس ساری رات روشن رہتیں۔

ڈیرے پر موجود برجیوں میں گارڈ بیٹھے رہتے۔وہ ہیولوں کی طرح دکھائی دینے والے گارڈ اُن سرکنڈوں، درختوں اور جھاڑیوں کی نگرانی کرتے رہتے، جہاں تک روشنی پڑتی تھی۔ویسے بھی اس پورے علاقے میں کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس ڈیرے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔کیونکہ سردار مٹھن خان کا یہ ڈیرہ دہشت کی علامت تھا۔جہاں ہر وقت مجرموں اور اشتہاریوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔دریا کا یہ کنارہ ڈیرے کی پشت پر پڑتا تھا۔ڈیرے کی پشت سے دریا تک پھیلا ہوئی ریتلی زمین بھی اسی ڈیرے کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔وہ اسی حصے کو محفوظ بھی خیال کرتے تھے۔لیکن ان کی نگرانی اسی طرف اتنی ہی تھی، جتنی وہ دوسری طرف رکھتے۔

اس علاقے میں دہشت کی علامت سردار مٹھن خان کا عام عوام پر تو خوف تھا ہی، پولیس اور دوسری فورسز بھی اس پر ہاتھ ڈالنے سے کتراتی تھی۔وہ اس علاقے کا ایم این اے تھا اور پورے علاقے میں اپنا اثر ورسوخ رکھتا تھا۔اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی حفاظت سے غافل تھا۔اس کی مرضی کے بغیر وہاں نہ کوئی آسکتا تھا اور نہ کوئی جا سکتا تھا۔خطرناک مجرموں اور اشتہاریوں کے علاوہ اس کے اپنے بندے بھی وہاں موجود رہتے تھے۔اسے مختلف نسل کے خطرناک کتے پالنے کا بھی شوق تھا۔جو وہاں کی سب سے بڑی سیکورٹی تھے۔وہ انسانوں پر کم اور کتوں پر زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔

رات کے اس وقت چاندنی بھرے ماحول اور ڈیرے سے چھن کر آنے والی اسی ملجگی روشنی میں دریا کنارے لکڑیوں کی آگ روشن تھی۔جس کے اردگرد وہ چاروں لڑکے کچھ دیر پہلے ہی آکر بیٹھے تھے۔ان کے ہاتھوں میں جام تھے۔آگ کے شعلوں سے اٹھنے والی روشنی میں ان کے چہرے واضح دکھائی دے رہے تھے۔وہ دریا کنارے ریت پر بیٹھے ہوئے تھے اور ساتھ میں دریا ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہہ رہا تھا۔ان کے پاس شراب کی بوتلیں اور کھانے کی چیزوں سے بھری پلیٹیں پڑی ہوئیں تھیں۔ابھی وہ پوری طرح موج میں نہیں تھے۔ان پر نشہ طاری نہیں ہوا تھا۔وہ اونچی اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے،کبھی زور زور سے ہنسنے لگتے،کبھی غلیظ گالیاں اور کبھی غصہ میں اول فول بکنے لگتے۔انہی میں سردار مٹھن خان کا بیٹا فرحان خان تھا۔باقی تینوں اس کے دوست تھے، جو ڈیرے پر عیاشی کرنے آئے ہوئے تھے۔لیکن انہیں نہیں پتہ تھا کہ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر موت گھات لگائے بیٹھی ہے۔

ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا، دہشت کی علامت اس ڈیرے اور نشے میں دھت ان لڑکوں سے کافی فاصلے پر وہ اندھیرے میں سرکنڈوں کے درمیان دبکی بیٹھی تھی۔وہ بڑے محتاط انداز سے کچھ فاصلے پر موجود لڑکوں پر نظر جمائے ہوئے تھی۔اس نے ٹائیٹ جین اور ٹی شرٹ پر سلیولیس اپر

نما جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔جس کی جیبوں میں دو پسٹل اور پشت پر گن کے علاوہ کافی کچھ بھرا ہوا تھا۔اندھیرے میں اس کا چہرہ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔لیکن جسم کی ساخت سے لگ رہا تھا کہ وہ دارز قد نوجوان لڑکی ہے۔اس نے اپنے بال پونی میں باندھے ہوئے تھے جو اس کی ٹوپی میں سے جھلک رہے تھے۔وہ چند لمحے وہیں دُبکی ہوئی سامنے دیکھتی رہی پھر دھیمے دھیمے سرکتے ہوئے آگے بڑھتی چلی گئی۔چند میٹر فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک جھاڑی کی اُوٹ میں دُبک کر پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔اس کا انداز ایسے تھا، جیسے بلّی اپنے شکار پر جھپٹنے سے پہلے شست باندھتی ہے۔جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی، وہاں سے بہتے ہوئے دریا کا کنارہ تقریباً سو قدم کے فاصلے پر تھا۔وہ جھاڑی میں چند لمحے دبکی رہی۔اسے ایک خاص وقت کا انتظار تھا۔

وہ خان فرحان کو پہچان چکی تھی۔اس کی چال ڈھال اور ملگجے اندھیرے میں چہرہ دیکھ کر وہ سمجھ چکی تھی۔عیاش باپ کا بگڑا ہوا بیٹا، وہی اس کا اصل ٹارگٹ تھا۔باقی تینوں اس کے وہ دوست تھے، جن کی ضرورت ہر امیر زادے کو ہوتی ہے کہ وہ کھانے پینے، عیاشی اور تحفظ کے عوض اس کی خدمت میں لگے رہیں۔وہ تینوں بھی معمولی گھر کے نہیں تھے۔فہد ایک سرکاری آفیسر کا بیٹا تھا، ریاض اور بابر شہر کے کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ان تینوں کا تعلق کالج سے شروع ہوا تھا۔خان فرحان کو اپنے ارد گرد وفاداروں کی ضرورت تھی۔اور ان تینوں کو ایک مضبوط سہارا، یوں یہ گروپ کالج میں دہشت کی علامت بن گیا۔جس کی شہرت کالج کی چار دیواری سے نکلی اور شہر بھر میں پھیل گئی۔غنڈہ گردی سے شروع ہونے والا کھیل ایک گروہ بن گیا۔جو دن بدن پورے علاقے میں اپنی دھاک بٹھانے کے ساتھ ساتھ ہر آمدنی والی جگہ پر قبضہ جمانے میں لگ گیا۔خان فرحان کو اپنے باپ مٹھن خان کی پوری حمایت ہی نہیں آشیرواد بھی حاصل تھی۔

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا، ڈیرے کی پچھلی طرف کا گیٹ کھلا اور اس میں سے دو آدمی نکلے۔انہوں نے ایک نازک سی لڑکی کو پکڑا ہوا تھا۔وہ لڑکی ان دونوں آدمیوں کے چنگل میں ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی تھی۔اس کے بدن پر بہت مختصر لباس تھا۔ان دو آدمیوں نے وہ لڑکی ان چاروں لڑکوں کے پاس یوں پھینکی جیسے کتوں کے آگے راتب پھینکا جاتا ہے۔وہ آدمی لڑکی کو وہیں چھوڑ کر پلٹ گئے۔سہمی ہوئی لڑکی ان چاروں کو ہونقوں کی طرح دیکھنے لگی تھی جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔وہ چاروں لڑکے اس نوجوان لڑکی کو یوں دیکھ رہے تھے، جیسے جھپٹنے سے پہلے کتے اپنے دانت کچکچاتے ہیں۔

اس کے سامنے کا منظر واضح تھا۔اس منظر کو دیکھنے کے لئے اس نے بڑا جان لیوا انتظار کیا تھا۔اس نے یہ ڈیرہ اچھی طرح دیکھا ہوا تھا۔وہ ایک سال پہلے اسی ڈیرے پر آئی تھی۔اس رات وہاں جو کچھ بھی ہوا، اس واقعہ نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔وہ دوبارہ اسی منظر کو دیکھنے کی تڑپ میں ایک سال سے زیادہ کا وقت گزار چکی تھی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ اس تڑپتی ہوئی لڑکی پر پڑی، اس کا دوران خون تیز ہو گیا تھا۔اسے خود پر قابو پانا مشکل ہونے لگا۔لیکن وہ پھر بھی دانت پر دانت جمائے خود پر جبر کئے بیٹھی رہی۔اسے خود پر قابو پاتے ہوئے پسینہ آ گیا تھا۔حالانکہ اکتوبر میں رات کے دوسرے پہر کھلی جگہ میں کافی خنکی تھی۔مگر اس کی کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔

وہ اس لڑکی کو پہچان گئی تھی۔یہ لڑکی آج ہی شہر سے اغوا ہوئی تھی۔بلا شبہ یہ اسے اپنی عیاشی کے لئے اس ڈیرے پر لے آئے تھے۔انہیں دیکھ کر اسے خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ایک برس پہلے ایسا ہی کچھ اس کے سامنے تھا۔وہ ظالم رات اس کے سامنے لہرا گئی تھی جس نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔یہ اسی سیاہ رات کا دیا ہوا انتقام تھا کہ وہ ان چاروں کو ختم کرنے کے لئے یہاں تک اکیلی آن پہنچی تھی۔یہ دیوانگی تھی یا اس کے اندر کی درندگی، اسے وہ کوئی نام نہیں دے پائی تھی۔لیکن گردش کرتے ہوئے خون سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا جسم پھٹ جائے گا۔

وہ ایک خاص وقت کے انتظار میں تھی۔اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ نشانہ اسی وقت لگایا جاتا ہے، جب شکار نشانے پر ہو۔اسے انتظار کرنا تھا۔وہ خود پر جبر کئے وہاں دبکی ہوئی سامنے دیکھتی رہی۔جہاں کا منظر اس کے اندر کی درندگی کو مزید بڑھاوا دے رہا تھا۔وہ اندر ہی اندر سے کھول رہی تھی۔اس وقت وہی خان فرحان اس کے نشانے پر تھا۔وہ چاہتی تو اسے مار سکتی تھی۔بس ٹرائیگر کو انگلی کا اشارہ درکار تھا۔اسے اپنے

نشانے پر بھر پور اعتماد تھا۔مگر وہ اسے یونہی نہیں مارنا چاہتی تھی۔اس نے ایک برس کانٹوں پر لوٹ کر اسی حسرت میں گزارا تھا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مارے گی۔

اس نے دیکھا، خان فرحان اس لڑکی کے پاس جا کر کھڑا تھا۔اس نے ایک ہاتھ میں شراب کی بوتل پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے میں کانچ کا گلاس تھا۔وہ لڑکی سے کہہ رہا تھا کہ بوتل سے گلاس میں شراب ڈال کر دے۔مگر لڑکی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔تبھی خان فرحان نے ایک زناٹے کا تھپڑ اس لڑکی کے گال پر مارا، لڑکی گھوم کر ریت پر جا گری۔تبھی اس کے تینوں ساتھی قہقہ لگا کر ہنس دیئے۔وہ پھر اس کی طرف بڑھا اور کانپتی ہوئی لڑکی کو اٹھایا۔اس بار اس نے لڑکی کو گلاس نہیں تھمایا بلکہ بوتل سے شراب اس پر انڈیلنے لگا۔بوتل خالی کر چکا تو دوسری اٹھا لی۔

”ارے ٹھہر ٹھہر! اس کے کپڑوں کو کیوں بھگو رہا ہے، اس کا بدن بھگو نا یار۔“ ایک دوست نے انتہائی سوقیانہ لہجے میں ہنستے ہوئے کہا

”ارے صبر کر، کون سا شراب ختم ہو رہی ہے۔“ خان فرحان نے ہتک آمیز انداز میں کہا۔وہ چند لمحے کھڑا رہا، پھر آگے بڑھ کر اس لڑکی کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زور کا جھٹکا دیا۔لڑکی کی قمیص پھٹ گئی۔لڑکی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ چھپانا چاہا تو خان فرحان نے اس لڑکی کے گال پر زور سے تھپڑ مارا اور کھینچ کر پرے پھینک دیا۔وہ لڑکی منتیں کرنے لگی۔گھٹے گھٹے انداز میں واویلا کرتے ہوئے واسطے دے رہی تھی۔لیکن خان فرحان نے اس کی نہیں سنی۔اس نے پھر لڑکی کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور پھٹی ہوئی قمیص کو کھینچا تو پھٹ کر تار تار ہوگئی۔لڑکی کا سینہ عریاں ہوگیا تو اس نے دوبارہ اپنے ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔تبھی ایک قہقہ لگا۔اس کا دوست فہد اٹھا اور لڑکی کی شلوار پر ہاتھ ڈال دیا۔وہ شلوار اتارنا چاہتا تھا۔وہ لڑکی ریت پر جا گری۔وہ بوتل سے شراب اس پر لنڈھانے لگا۔باقی دونوں بھی پیچھے رہنے والے نہیں تھے۔وہ بھی تیزی سے آگے بڑھے اور اس لڑکی کو بھنبھوڑنے لگے۔

یہ وہ وقت تھا، جس کے انتظار میں وہ شست لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔وہ پنجوں کے بل تیزی سے آگے بڑھی۔وہ سرکنڈوں میں یوں تیزی سے بڑھتی چلی جا رہی تھی جیسے کوئی چیتا اپنی نگاہ شکار پر رکھے بڑھتا چلا جائے۔جب وہ چاروں اس سے تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر رہ گئے تو اس نے انتہائی سرعت کے ساتھ دوڑ لگاتے ہوئے قریب جا کر چھلانگ لگائی اور خان فرحان کو جھپٹ لیا۔وہ اسے لیتے ہوئے ریت پر جا گری۔چند لمحے کے لئے خان فرحان کو اس افتاد کا پتہ ہی نہ چلا۔جیسے ہی دونوں ریت پر گرے، اسی دوران اس نے خان فرحان کے سر پر پوری قوت سے پسٹل کا دستہ دے مارا تھا۔وہ بوکھلا گیا اور اس کے منہ سے مغلظات نکلنے لگیں۔اس نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر پسٹل اس کی ٹانگوں کے درمیان رکھا اور ٹرائیگر دبا دیا، ہلکی سی ٹھک کی آواز آئی لیکن خان فرحان کی چیخ فضا میں بلند ہوگئی۔اس نے خان فرحان کی طرف توجہ نہیں دی، بلکہ ہونقوں کی طرح کھڑے تینوں لڑکوں کو دیکھا، پھر بغیر کسی تردد کے ان پر فائر کرنے لگی۔ان تینوں کی کھوپڑیوں میں سوراخ ہو چکے تھے۔وہ لہرا کر ایک بعد ایک کر کے گرتے چلے گئے۔تبھی اس نے اونچی آواز میں تیزی سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

”اے لڑکی کپڑے پہنو، جلدی۔“

ساکت پڑی لڑکی میں جیسے جان آ گئی۔اس نے فوراً اپنی شلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔جس وقت وہ لڑکی سے کہہ رہی تھی، اسی دوران وہ خان فرحان تک جا پہنچی تھی۔اس نے وہاں پڑی شراب کی بوتلیں اٹھائیں اور انہیں خان فرحان پر لے جا کر ایک دوسری میں مار کر توڑ دیں، ساری شراب اس پر گر گئی۔اس نے مزید دو بوتلیں اٹھائیں، وہ بھی ویسے ہی اس پر توڑ دیں۔اسی لمحے ڈیرے کی طرف سے فائر ہونے لگے۔اس نے جلدی سے خان فرحان کو گھسیٹا اور لا کر جلتی ہوئی آگ پر پھینک دیا۔لمحے سے بھی کم وقت میں اُسے آگ لگ گئی۔اس کی ہولناک چیخیں کان پھاڑ رہی تھیں۔

اسی وقت ڈیرے کا بڑا گیٹ کھلا اور اس میں سے کتوں کے ساتھ کئی آدمی باہر نکلے۔وہ بھاگتے ہوئے اسی کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔اس نے ایک نگاہ، چیختے ہوئے خان فرحان کو دیکھا، ایک دم سے نفرت پھر عود کر آئی، وہ اذیت میں تھا، مگر زندہ تھا، وہ یہ رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔

سو اس نے ،فرحان کے سر پر پسٹل رکھ کر فائر کر دیا۔ پھر ایڑیوں پر گھومی لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور پوری قوت سے بھاگی۔ اس کا رُخ دریا کی طرف تھا، جو اس سے بیس قدم کے فاصلے پر تھا۔ کتے اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھے، دریا کنارے وہ ایک لمحے سے بھی کم وقت کے لئے رکی، ہاتھ فضا میں اچھالا اور لڑکی سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی۔ جیسے ہی چھپاک کی تیز آواز کے ساتھ اس نے خود کو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کے سپرد کیا۔ اسی لمحے ایک ہینڈ گرنیڈ فضا میں اچھلتا ہوا ان لوگوں کے درمیان گرا جو اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ ایک خوف ناک دھماکے کے ساتھ کئی کربناک چیخیں ایک ساتھ فضا میں ابھریں۔ اس نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی کہ اس میں کتنے آدمیوں اور کتنے کتوں کی آوازیں تھیں۔

چند لمحوں کے لئے وہ پانی کی تہہ میں گئی تھی، پھر تیزی سے اُبھرتی چلی آئی۔ اس دوران اس نے لڑکی کو اپنے کاندھوں پر سوار کر لیا۔ اس اپنے پیچھے فائرنگ اور تیز باتوں کی آواز سنائی دی رہی تھی۔ وہ آوازیں لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی چلی جا رہی تھیں، کیونکہ وہ انتہائی جانفشانی سے تیرتی چلی جا رہی تھی۔

دریا کا پاٹ کافی چوڑا تھا۔ چاندنی میں وہ دیکھ سکتی تھی کہ دوسرا کنارہ کہاں تک ہے۔ وہ کئی بار دریا کے اتنے پاٹ کو تیر کر عبور کر چکی تھی۔ اسے امید تھی کی دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لئے اسے آدھے گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگ سکتا ہے، یہی وہ وقت تھا، جس میں اگر ڈیرے والے اس کا پیچھا کرتے تو اسے ختم کر سکتے تھے۔ اس کی ساری پلاننگ میں یہی ایک ایسی جگہ تھی، جو اس کی کمزوری بن سکتی تھی۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر خرخراہٹ ہو رہی ہے۔ اسے خطرے کا احساس ہو گیا۔ وہ اسی وقت گھومی تو اس کے قریب ایک خونخوار کتا تیرتا ہوا آ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ خود پر قابو پاتی، وہ کتا اس پر جھپٹا۔ اگر چہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکا لیکن اس کا توازن خراب ہو گیا۔ وہ ڈول گئی تو لڑکی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ایک طرف غوطے کھاتی ہوئی وہ لڑکی تھی اور دوسری طرف کتا۔ کتے نے دوبارہ اس کے کاندھے پر منہ مارا تو گوشت ادھیڑ گیا۔ اس کے منہ سے سسکاری نکلی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس نے پسٹل والا ہاتھ بلند کیا اور فائر کر دیا۔ کتے کے منہ سے کراہ نکلی جو دور ہوتی چلی گئی۔ وہ گھومی تو قریب ہی لڑکی چھپکے مار رہی تھی۔ وہ تیزی سے اس تک پہنچی اور دوبارہ اسے خود پر سوار کرتے ہوئے۔ اسے انتہائی مشکل ہو رہی تھی۔ اس کا شانہ بڑی طرح متاثر ہو چکا تھا۔ دوسری طرف وہ لڑکی مدہوش ہو رہی تھی۔ اس کے اپنے منہ سے کراہیں نکل رہی تھیں۔ اس نے اپنے بدن کی قوت کو ایک جمع کیا اور تیرنے لگی۔ وہ زیادہ دور تک نہیں جا پائی تھی کہ اسے لگا کہ اس میں قوت ختم ہو رہی ہے۔ اسے پوری طرح احساس تھا رہا تھا کہ اس کے شانے کا درد پوری جسم میں پھیل گیا ہے۔ اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ وہ لڑکی ہوش میں تھی یا بے ہوش۔ زندہ بھی ہے یا مر گئی۔ لمحہ بہ لمحہ اس کی قوت جواب دینے لگی۔ اسے لگا کہ وہ لڑکی کی سمیت بہہ جائے گی۔ چاندنی میں اسے دوسرا کنارا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے لگا اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو رہے ہیں۔ ایسے ہی وقت میں اس کے سامنے سے تیز روشنی اُبھری۔ وہ لمحہ بھر رہی اور پھر غائب ہو گئی۔ کیا اس کے دشمن کا کوئی بندہ اس تک پہنچ گیا ہے؟ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اسے لگا کوئی موٹر بوٹ اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ اپنی حواس کھو رہی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ موٹر بوٹ اس کے قریب آ رہی تھی۔ روشنی پھر لپکی۔ اس نے اپنے حواس کا پوری قوت لگا کر بیدار کیا۔ اس کے ساتھ ہی خاموشی کو چیرتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

”گولی۔! ہمت کرو میں آ گیا ہوں۔“

یہ آواز سنتے ہی اس میں زندگی سرسرانے لگی۔ وہ شعیب کی آواز تھی۔ تب اسے لگا کہ وہ کم از کم ڈوب کر نہیں مرے گی۔ موٹر بوٹ جیسے ہی اس کے قریب آئی۔ وہ تقریباً بے ہوش ہو چکی تھی۔ اسے اتنا تو احساس تھا کہ اس پر سے لڑکی کا بوجھ کم ہو گیا ہے، لیکن وہ بوٹ میں کیسے گئی؟ اس کا اسے قطعاً احساس نہیں رہا تھا۔ وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو چکی تھی۔

❁......❁......❁

وہ نجی ہسپتال کے ایک کمرے میں پڑی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بند تھیں۔ تیکھی کمان چتون، چوڑا ماتھا، سیاہ گھنے گیسو، تکیے پر پھیلے

ہوئے تھے۔جن کے درمیان گلابی گول چہرہ دمک رہا تھا تیکھا الف ناک، پتلے پتلے سرخ ہونٹ، بھرے بھرے گال، ہلکے سے خم دار ٹھوڑی، لمبی گردن، بھاری سینے تک کمبل اوڑھا ہوا تھا۔وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی۔اس کے قریب ہی شعیب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔وہ گاہے بگاہے، اسے دیکھ لیتا اور پھر اخبار کے صفحات میں گم ہو جاتا۔پوری رات اسی طرح گذر گئی تھی۔اس وقت صبح ظاہر ہونے کو تھی۔تبھی شعیب کی نگاہ اس پر پڑی، وہ ذرا ذرا سی کسمسا رہی تھی۔وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا گیا۔وہ اس کے حسین چہرے پر نگاہیں گاڑے ہوئے تھا کہ اس کے پپوٹے ہلے، اور پھر چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔پہلے اس نے اجنبی سے انداز میں ماحول کو دیکھا، پھر شعیب کے چہرے کو دیکھتے ہی ہلکے سے مسکرا دی، جیسے وہ سب کچھ سمجھ گئی ہو۔تبھی شعیب نے اس کے کان کے پاس ہلکے سے کہا

”شکر ہے، تمہیں ہوش آ گیا۔“

”ہوش تو آنا تھا، تم جو میرے پاس ہو۔“ وہ مسکراتے ہوئے دھیمے سے بولی

”میڈم نینا صاحبہ، میں وقت پر نہ پہنچتا نا، تو تم بھی اور وہ بے چاری لڑکی بھی، دونوں ہی سوہنی کی طرح دریا برد ہو جاتیں۔“ اس نے انتہائی طنزیہ لہجے میں غصہ بھرے انداز میں کہا تو وہ دھیما سا زیر لب مسکراتے ہوئے بولی

”اوئے نہیں شعیب سوہنے نہیں۔سوہنی تو یار کے لئے مری تھی، اور میرے یار نے مجھے بچایا، اتنا فرق تو ہے نا؟“

”تو ذرا ٹھیک ہو لے، پھر میں تمہیں بتاؤں گا، کسی کی بات کیسے نہیں مانتے ہیں۔مجھے پتہ تھا کہ تم نے یہ بے وقوفی کرنی ہے اور تمہیں بچانے کے لئے مجھے ہی جانا پڑے گا، مجھے دو گاڑیوں اور ایک بوٹ کا بندوبست کرنا پڑا۔“ وہ مصنوعی خفگی میں بولا تو وہ ہلکا سا مسکرائی، پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھا کر شعیب کے سینے پر رکھتے ہوئے بولی

”خدا شاہد ہے شعیب، اک تو ہی میرا دوست ہے اس دنیا میں، ورنہ کون ہے میرا، اور تیرے ہی مان پر یہ سب کرتی ہوں۔تو نہیں ہے تو میں بھی نہیں ہوں۔میں جانتی تھی کہ تم مجھے بچا لو گے۔“

”اچھا چل یہ جذباتی بلیک میلنگ چھوڑ، اور اٹھ سکتی ہے تو اٹھ، کچھ کھا لے، پھر دوا بھی لینی ہے۔“ شعیب نے اس موضوع سے توجہ ہٹا کر کہا

”ابھی کچھ دیر ٹھہر جا، پھر جیسے تم کہو گے، آؤ، ادھر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔“ اس نے بیڈ پر اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔پھر اس کے بال سنوارتے ہوئے بولا

”اب بس جلدی سے ہمت پکڑو۔“

”شعیب۔!میں نے بس چمکتی روشنی دیکھی تھی، پھر کیا ہوا تھا؟“ اس نے اپنے لہجے میں محبت سمیٹتے ہوئے پوچھا

”مجھے تمہارے پلان کا تو پتہ تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ تم جاؤ گی ضرور، میں نے تمہیں ڈرائیور کے ساتھ بھیج تو دیا اور خود سارا بندوبست کر لیا تھا۔میں تو اسی وقت تمہاری طرف بڑھ آیا تھا، جب دوسرے کنارے پر ہینڈ گرنیڈ پھٹا تھا۔میں تم سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔“

”پھر کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا

”پھر، یہ کہ میں تمہیں اور اس لڑکی کو لے کر دوسرے کنارے آ گیا۔وہ بھی بے ہوش تھی۔میں نے تم دونوں کو گاڑی میں ڈالا اور یہاں لے آیا۔خدا ڈاکٹر وسیم کا بھلا کرے میرے ہر آڑے وقت میں کام آتا ہے۔تمہیں تو آپریشن روم میں بھیج دیا اور اس لڑکی کو ہوش دلایا۔“

”اس لڑکی کو ہمارے بارے پتہ تو نہیں چلا؟“ وہ ایک دم سے تشویش زدہ لہجے میں بولی

”نہیں، میں نے اس لڑکی کو بھی پتہ نہیں لگنے دیا کہ وہ کہاں پر ہے، بس اسے شہر میں ایک جگہ لے جا کر چھوڑ دیا، پھر اس کے باپ کو فون کر دیا، جو اسی لڑکی نے بتایا تھا۔“ شعیب نے سکون سے بتایا

”کیا کہا تھا۔“ وہ تجسس سے بولی

’’یہی کہ کوئی بے ہوشی کی حالت میں اس لڑکی کو چھوڑ گیا ہے۔ وہ سڑک پر پڑی ہے۔ بہر حال وہ اُسے گھر لے گئے ہیں۔‘‘ شعیب نے بتایا تو اس نے تیزی سے پوچھا

’’ پولیس اور مٹھن خان کے کارندے ہمیں تلاش کر رہے ہوں گے، کہرام مچا ہو گا مٹھن خان کے گھر؟‘‘

’’مٹھن خان ......‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور بیزاری سے بولا ’’کہرام مچا ہے یا نہیں، پولیس تلاش کر رہی ہے یا نہیں، مجھے اس کا نہیں پتہ۔ تھانے میں موجود اپنے کسی دوست سے پوچھ لے، یا پھر اس سے جو تمہارا کوئی عاشق ہو۔‘‘

’’شعیب بری بات، ایسے تو نہ کہو اگر کوئی مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے تو بھلا اس میں کسی عاشق کا قصور؟ میں ہوں ہی ایسی۔‘‘ وہ پیار سے بولی تو شعیب نے ہنستے ہوئے کہا

’’یار، میں کون سا تمہارا عاشق ہوں، جو میں کسی سے جیلسی محسوس کروں گا۔ اب تمہیں تو پتہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ یہاں پر ہوں، مجھے کیا پتہ؟‘‘

’’اوکے۔ میں سمجھ گئی۔‘‘ وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی، ’’لیکن پھر بھی......‘‘

’’ شکر کر زیادہ گہرا زخم نہیں ہے، تم محض آج کی رات ہو یہاں پر، سورج نکلنے سے پہلے تم یہاں سے شفٹ ہو جاؤ گی، اس لئے سو جاؤ۔‘‘ شعیب نے اسے بتایا

’’چلو ٹھیک ہے جیسے تم کہو۔‘‘ وہ ہولے سے بولی

’’اچھا، اب کچھ کھا پی لو، پھر میں گھر کا چکر لگا آؤں جاؤں پھر نکلتے ہیں۔‘‘ شعیب نے کہا تو وہ مزہ لینے والے لہجے میں نقاہت سے بولی

’’تھوڑا اور قریب ہو کر بیٹھنا، اتنی دور کہاں ہو۔ تیرے پاس ہونے کا احساس تو ہو۔‘‘

’’بس آ گئی ہوش میں، اور شروع کر دی یہ بکواس، ٹھرکی کہیں کی۔ میں کیا تم سے دس فٹ کے فاصلے پر بیٹھا ہوں۔‘‘ اس بار شعیب نے سچ مچ غصے میں کہا اور اٹھ گیا۔ وہ باوجود تکلیف کے ہنس دی پھر بولی

’’ہائے، تیرے یہی نخرے تو مجھے مار دیتے ہیں، جان نکال لیتا ہے تو نا۔ لاؤ مجھے کچھ کھانے کو دو۔‘‘

شعیب اسے جوس دے کر پھل کاٹنے لگا۔ وہ کھا پی چکی تو ذرا سی دیر میں نرس اس کے پاس آ گئی۔ اس نے دوا کے ساتھ انجکشن دیا تو وہ سکون سے پھر لیٹ گئی۔ اس کی نگاہیں شعیب پر جمی ہوئی تھیں۔

’’شعیب۔! آؤ، ادھر میرے پاس لیٹ جاؤ‘‘ اس نے پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

’’نہیں، میں گھر جا رہا ہوں، صبح ہونے سے پہلے آ جاؤں گا۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اسے خدا حافظ کہہ کر باہر چلا گیا۔

نینا کو پوری امید تھی کہ وہ گھر کا چکر لگا کر آ جائے گا۔ ایک وہی تو اس کا مخلص دوست تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس وقت وہ کس نازک وقت سے گذر رہا ہو گا۔ وہ جانتی تھی کہ مٹھن خان کتوں کی طرح اس کی بُو سونگھتا پھر رہا ہو گا، صرف وہی نہیں اس کے سارے گماشتے صرف اسے ہی تلاش کر رہے ہوں۔ اس نے مٹھن خان کا بیٹا اس نے انتہائی بے دردی سے مار دیا تھا۔ یہ ایسے لمحات تھے، جس میں جتنا محتاط ہوا جاتا، اتنا ہی کم تھا۔ نینا کے دماغ میں آگ بھرنے لگی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ابھی تو اس نے مٹھن خان کا بیٹا ہی مارا ہے، دشمنی تو اب شروع ہوئی ہے، جس کا آغاز مٹھن خان نے کیا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ ماضی کے ان راستوں پر جا نکلی، جنہوں نے اُسے ’’گولی‘‘ بنا دیا تھا۔ اور جس کی دہشت پورے علاقے میں پھیل گئی ہوئی تھی۔ وہ ماضی میں کھو گئی۔

۞......۞......۞

جس گھر میں اس نے آنکھ کھولی تھی، اس کی دیواریں کچی تھیں۔ ان کچی دیواروں میں غربت نے جہاں رشتوں اور ناطوں میں بے حسی بھر دی

تھی، وہاں حالات نے سبھی افراد کو ایک دوسرے سے نگاہیں چرانے پر مجبور کر دیا ہوا تھا۔ وہ ایک بہن اور تین بھائیوں کے بعد سب سے آخر میں پیدا ہوئی تھی۔ شاید اس کی قسمت شروع ہی سے ایسی تھی کہ وہ اپنے باپ کا چہرہ بھی نہ دیکھ پائی۔ اس کے پیدا ہونے سے تین ماہ پہلے اس کا باپ اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس وقت تک بڑی بہن اور بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ جس وقت ساری ذمہ داری اس کے بھائی کے کاندھو ں پر پڑی تو گھر کا ماحول زیادہ کشیدہ ہو گیا۔ زمین کا کوئی ٹکڑا اپنا نہیں تھا، جو مستقل آمدنی کا وسیلہ بنتا، لے دے کہ مزدوری تھی یا پھر مزارع بن کر کاشتکاری کرنا تھی۔ دو بھائی اس کام میں لگ گئے، جس سے روزی روٹی پوری ہونے لگی۔

وہ چھوٹی تھی، محلے کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ گاؤں کے واحد پرائمری اسکول میں جانے لگی۔ اس وقت وہ اتنا بوجھ محسوس نہ ہوئی، اس پر کوئی خرچ نہیں تھا، سو کسی نے دھیان ہی نہیں دیا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ سکول میں وہ سب سے زیادہ ذہین طالبہ تھی۔ اس کا سکول ہی میں دل لگتا تھا۔ جب تک سکول کا وقت رہتا، وہ ہنستی کھیلتی، شرارتیں کرتی وقت گذار دیتی۔ لیکن جیسے ہی گھر میں آتی اس کی بھابی اسے اپنے ساتھ کاموں پر لگا لیتی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی انکار نہیں کر سکتی تھی۔ پھر گھر کا ماحول بھی ہر وقت کشیدہ رہتا۔ جس میں اس کی بھابی ہی تھی جو چڑ چڑی رہتی، اسے یہ زعم بھی تھا کہ اس کا شوہر سب کا کفیل ہے۔ اس دوران اس کے بھی دو بچے ہو چکے تھے۔ اسے ان کا بھی خیال تھا۔ اس کی ماں خاموشی سے سب دیکھتی رہتی لیکن کسی سے کوئی گلہ نہیں کرتی تھی۔ اس نے تو جیسے اپنے لب ہی سی لئے ہوں۔ یہی خاموشی اس کے ماں کے اندر کا روگ بن گیا۔ وہ دن بندن کمزور پڑنے لگی۔ لیکن نہ اس نے کہا اور نہ کسی نے دھیان دیا، یوں دن گذرے چلے گئے۔

ان کے گاؤں کے قریب ہی ایک ہائی سکول تھا۔ وہاں پڑھنے جاتی رہی۔ اسی کے اسکول کی ایک ٹیچر کا تبادلہ وہاں ہوا تو وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے لگی۔ یوں اس کا جو بھی چھوٹا موٹا خرچ ہوتا، وہ استانی برداشت کرتی تھی۔ دوسرا وہ ایک ذہین طالبہ تھی۔ وہ اسے ضائع نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ یوں وہ میٹرک بھی کر گئی۔

جس وقت اس نے میٹرک کیا، اس وقت تک وہ ایک بھرپور اور جوان لڑکی کا روپ دھار چکی تھی۔ ہرن کے نافے میں کستوری ہو اور اس کی خوشبو نہ پھیلے، ایسا ہو نہیں سکتا، گاؤں میں ایک حسین لڑکی ہو، اور اس کا چرچا نہ ہو، یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ بظاہر لاابالی دکھائی دینے والی وہ لڑکی پر حسن ٹوٹ کر آیا تھا۔ یہ موٹی موٹی آنکھ، سیاہ بھنورا ایسی، جسے نگاہ بھر کے دیکھتی، اس پر جادو کر دیتی، تیکھا الف تلوار ناک، پتلے پتلے تراشیدہ ہونٹ، اوپری لب کے دائیں جانب ہلکا سا تل، گول چہرہ، بھرے بھرے رخسار، چوڑی پیشانی، اور دراز گیسو، چوڑے شانوں کے ساتھ، اس کا بھرا بھرا بدن، بھاری سینہ، پتلی کمر، لمبے قد کے ساتھ جب چلتی تو راستے بھی ہلکورا لیتے ہوئے محسوس ہوتے۔ کستوری کی مہک ہو یا لڑکی کا حسن جب پھیلتا ہے تو اس کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ جہاں جوانی کی اپنی مہک ہوتی ہے، وہاں کشش بھی سر چڑھ کر بولتی ہے۔ گاؤں کے لڑکے، ڈیروں پر ، رات کی تنہائیوں میں اس کی باتیں کرنے لگے۔ جس کی سرگوشیوں بہت دور تک پھیل گئی تھیں۔

گھر میں طوفان اس وقت اٹھا جب اس نے شہر کے کالج میں داخلہ لینے کی بات کی۔ سبھی حیران تھے کہ اس گھر میں کسی لڑکے نے سکول پاس نہیں کیا، اور یہ لڑکی ہو کر کالج پڑھنے جائے گی اور وہ بھی شہر، ایسا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ ہفتہ دس دن یہی چخ چخ چلتی رہی۔ اس دوران بھابی نے سب سے زیادہ ناک بھوں چڑھائی تھی۔ بھائی الگ چیخے، لیکن ایک ماں تھی جو اب تک خاموش تھی۔ اس نے ہاں اور ناں میں جواب نہیں دیا تھا۔ وہ بھی اسی کشمکش میں رہی تھی کہ اس کی ماں کیا کہتی ہے۔ اگر ماں نے ہاں کر دی تو وہ کسی کا کہنا نہیں مانے گی اور اگر انکار کر دیا تو وہ خاموشی سے گھر بیٹھ جائے گی۔

اس مسئلے کا حل گاؤں کی اسی استانی نے آ کر حل کیا، جو اب تک اس کی مدد کرتی چلی آئی تھی۔ اس نے خرچ اخراجات کی ذمہ داری خود پر لی۔ تب اس کی ماں نے کالج جانے کی اجازت دے دی۔ اصل میں معاشی مسئلہ ہی تھا جس کے سبب وہ خاموش تھی۔ اسے اجازت مل گئی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ برقعے اوڑھا کرے گی۔ اس نے یہ شرط مان لی۔

اس نے کالج میں داخلہ لے لیا، گویا ایک نئی دنیا میں آ گئی۔ وہاں بھانت بھانت کی لڑکیاں تھیں۔ مختلف عمر اور طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ طرح طرح کی لڑکیوں میں اس نے بہت جلد اپنی شناخت بنا لی۔ وہ کالج میں ہر دلعزیز، شرارتی اور ذہین طالبہ کے طور پر مشہور ہو گئی۔ دراصل وہ خود کو کالج کی اس دنیا میں پا کر اپنا سب کچھ بھول جانا چاہتی تھی۔ وہ جب گھر سے نکلتی تو سکھ کا سانس لیتی۔ وہ بھول جاتی کہ گھر کی تنگی، پریشانیاں، طعنے، گھٹن جو سب غربت کی وجہ سے تھا، کچھ دیر سہی سکون میں رہتی۔ اسے یہ قطعاً یقین نہیں تھا کہ وہ یہاں کالج کے دو سال پورے بھی کر پائے گی یا نہیں۔ کیونکہ اسے ایک نئی افتاد کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ اسے کالج میں کوئی مسئلہ نہیں تھا، مگر جب وہ گھر سے نکلتی اور سٹاپ تک جاتی تو کئی بھنورے اس کے ارد گرد منڈلانے لگتے۔ وہ برقعے کی اوٹ سے سب کو دیکھا کرتی لیکن اپنے کسی بھی عمل سے کسی کو بھی یہ محسوس نہ ہونے دیتی کہ اس کی کوئی ذرا سی بھی دلچسپی ہے۔ اس لئے کسی کی ہمت نہ پڑتی کہ اس سے بات کر سکے۔ وہ کالج سے واپس آتی تو یہی سلسلہ لگا رہتا۔ سو وہ بہت محتاط رہی۔

اگرچہ اس کا تعلیمی سلسلہ اس استانی کی وجہ سے چل رہا تھا، لیکن وہ ماں بیٹی خود بھی محنت کرتیں تھیں۔ کسی کے کپڑے کاڑھ دیئے۔ چنگیریں بنا دیں، یا ایسے ہی وہ کام جو عموماً گاؤں کی گھر بیٹھنے والی عورتیں کرتی ہیں۔ اس سے جو ملتا اسی سے وہ اپنا خرچ چلا لیتی تھی۔ دن گذرتے گئے اور دو برس پلک جھپکتے بیت گئے۔ اس نے امتحان دیا اور اعلیٰ درجے کے نمبروں میں پاس ہو گئی۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس نے مزید تعلیم حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس کے بھائی اسے ایسا کرنے نہیں دیں گے لیکن وہ مطمئن تھی کہ وہ ایسا کر کے ہی چھوڑے گی، وہ ضرور پڑھے گی۔

کالج کے داخلے شروع ہوئے تو پھر گھر میں طوفان اٹھ گیا۔ لیکن اس بار اس کا موقف مضبوط تھا۔ اب اس کی وہ استانی نہیں رہی تھی، جو اس کی معاشی مدد کرتی تھی۔ اس کی شادی ہو چکی تھی اور وہاں سے اس کا تبادلہ وہاں ہو گیا تھا، جہاں اس کے سسرال تھے۔ لیکن پھر اب وہ اپنے بھائیوں پر معاشی بوجھ نہیں تھی۔ اس کے کردار پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا، وہ دو برس کالج جاتی رہی تھی لیکن ایسی کوئی سامنے نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے اس کے کردار پر شک کیا جا سکتا تھا۔ اس کی ضد تھی کہ وہ مزید پڑھے گی سو اس نے کالج میں داخلہ لے لیا۔

شہر کا وہی کالج تھا، وہی آنا جانا، وہی دور دور سے تاڑتے ہوئے لڑکے تھے مگر اس میں اعتماد کہیں زیادہ آ گیا تھا۔ وہ پہلے اندر سے ڈری سہمی سی لڑکی تھی۔ لیکن خود پر اعتماد کی وجہ اس کا اپنا بوجھ آپ اٹھانا تھا۔ کالج جاتے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ انہی دنوں شہر میں ایک ایف ایم ریڈیو آ گیا۔ اسے شہر کا تو نہیں پتہ لیکن کالج کی لڑکیوں میں ایک دم سے کریز آ گیا تھا۔ ایف ایم ریڈیو پر چلنے والے تو گیت اور نغمے وہی ہوا کرتے تھے جو ویسے بھی سنے جا سکتے تھے لیکن لڑکیوں میں وہاں ایک پروگرام کے ڈی جے فواد کا بڑا چرچا ہونے لگا تھا۔ ملا جلا کر جو اس کی تعریف بنتی تھی وہ یہی تھی کہ اس کی آواز اتنی موہ لینے والی ہے کہ سیدھی دل میں اُتر جاتی ہے، اس کا لہجہ یوں ہے کہ جذبات اور احساسات کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس کی باتیں ایک نئے جہان کا در کھول دیتی ہیں۔ وہ بھی یہی باتیں سنا کرتی تھی لیکن اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا کہ وہ بھی اس کی آواز، لہجہ اور باتیں سن سکے۔ ایک سیل فون خریدنے کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے اس کا یہ احساس شدت اختیار کر گیا۔ وہ کیوں اتنی مجبور ہے کہ چھوٹی چھوٹی حسرتوں کے لئے تڑپتی رہتی ہے؟ وہ بھی اسی دنیا کی رہنے والی ہے جہاں اتنے پیسے ایک کھانے پر خرچ کر دیتے ہیں۔ وہ کیوں اور وہ ہی کیوں؟ دماغ میں بہت سارے خیال آتے چلے گئے۔ یہی سوچتے ہوئے اسے ایک دم سے اپنی ٹیچر سمیرا کا خیال آیا۔ وہ بیوہ تھی، شہر میں اس کا اپنا گھر تھا۔ اس کی ایک ہی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ گھر میں لڑکیوں کو ٹیوشن دیتی تھی۔ وہ ان کے پاس گئی اور کہا

''میڈم۔! کیا مجھے آپ کے ٹیوشن سینٹر پر جاب مل سکتی ہے؟''

ایسا پہلے کبھی کسی نہیں کہا تھا۔ وہ اس کی بات سن کر چند لمحے خاموش رہیں، پھر پوچھا

’’بیٹا۔! میں کوئی اکیڈمی نہیں چلاتی یا وہ کوئی سکول نہیں ہے، کچھ والدین کے اصرار پر میں ان کی بچیوں کا ٹیوشن دے دیتی ہوں، باقی میں سمجھتی ہوں کہ تمہارا کوئی معاشی مسئلہ ہوگا اسی لئے تم کہہ رہی ہو۔‘‘

’’جی، میری چھوٹی چھوٹی ضرورتیں بھی رہ جاتی ہیں۔ میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں کوئی شے خرید لوں، پھر میرے تعلیمی اخراجات......‘‘ اس نے کہنا چاہا تو ٹیچر نے مسکراتے ہوئے کہا

’’مجھے تمہارے تعلیمی کیریئر کا پتہ، تم ایک ذہین لڑکی ہو، میری مددگار ثابت ہو سکتی ہو۔ خاص طور پر تمہاری انگریزی میں کافی حد تک مضبوط ہونا۔ تم کل سے آجانا، باقی ہم دیکھ لیں گے۔‘‘

اپنے بارے میں یہ باتیں سن کر اسے لگا کہ جیسے وہ ترقی کی بلندیوں پر ہے۔ یہ سب اسی گاؤں والی استانی کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ اسی نے بچپن ہی سے اس کے ذہن میں یہ ڈال دیا تھا کہ اگر ترقی کرنی ہے تو انگریزی زبان پر عبور حاصل کرو۔ وہ اسے خوب انگریزی پڑھاتی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے روزگار کی سہولت میسر آگئی تھی۔ اسے انگریزی کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اسی دن اس نے اپنی ماں سے کہہ دیا کہ وہ شہر میں ٹیوشن دیا کرے گی، اس لئے اب لیٹ آیا کرے گی۔ بھائیوں نے پھر جز بز کی، لیکن بات کمانے کی تھی، سو زیادہ نہیں بولے۔ وہ اگلے دن سے وہاں پڑھانے لگی، زندگی نے ایک نئی کروٹ لے لی۔ اسے مہینے بعد اچھی خاصی رقم ملنے لگی تھی۔ اس نے سیل فون نجانے کب کا خرید لیا ہوا تھا۔ وہ گیت اور نغمے سننے کے علاوہ فواد کی آواز اور باتیں بھی سنا کرتی تھی۔ وہ ایک نشہ تھا، جو اسے لگ چکا تھا۔ جب بھی اس کا پروگرام آتا، وہ سننے بیٹھ جاتی اور پھر دنیا مافیہا سے بے خبر ہو جاتی۔ وہ کپڑے بھی تھوڑے اچھے پہننے لگی تھی۔ ماں کے لئے پھل بھی لے جاتی۔ میڈم کی بیٹی فاخرہ اس کی بہت اچھی سہیلی بن چکی تھی۔ کبھی دیر ہو جاتی تو انہیں کے ہاں رہ جاتی، دھیرے دھیرے وہ اس فیملی کا ہی حصہ بن گئی۔ یوں ایک برس آنکھ جھپکتے ہی گذر گیا۔ اس دوران فواد خان اس کے حواس پر چھا گیا تھا۔ وہ اسی کے خیالوں میں رہنے لگی تھی۔

وہ گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے بہار کے دن تھے۔ ایک دن فواد خان نے ایف ایم ریڈیو پر باتیں ہی کچھ ایسی کیں کہ اس کا من مچل اٹھا کہ وہ فواد سے بات کرے۔ پورا ایک دن اس نے خود پر جبر کیا لیکن پھر وہ خود کو نہ روک سکی اور اس نے کال ملا لی۔ چند ثانیے بعد ہی اس کی کال رسیو ہو گئی۔

’’جی فرمایئے۔ میں فواد خان بات کر رہا ہوں۔‘‘

’’مجھے......آپ ہی......سے بات کرنی ہے۔‘‘ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے بہ مشکل کہا

’’واؤ، آپ کی آواز تو بہت خوبصورت ہے، کہئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔‘‘ اس نے خمار آلود لہجے میں کہا جو سیدھا اس کے دل میں اُتر گیا ۔ پھر اس سے بات نہیں ہو سکی اس نے فون بند کر دیا۔ ابھی اس کی سانسیں ہی درست نہیں ہو پائیں تھیں کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اسکرین پر فواد کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ کال رسیو کر لی۔

’’فون کیوں بند کر دیا آپ نے؟‘‘ وہ خمار آلود پیار بھرا لہجہ جو من کی دنیا کو گدگدا رہا تھا۔

’’بس ایسے ہی۔‘‘ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا وہ سارا اعتماد کہیں غائب ہو گیا تھا۔

’’یہ تو کوئی ایسی بات نہ ہوئی، کہیے آپ کیا کہنا چاہ رہے تھے۔‘‘ اس نے نشیلے لہجے میں کہا تو اس وقت تک اپنا اعتماد بحال کر چکی تھی۔ اس لئے بولی

’’آپ کی آواز بہت اچھی ہے اور آپ باتیں بھی بہت خوبصورت کرتے ہیں۔‘‘

اس پر فواد خان نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا

’’یہ تو مجھے معلوم ہے، کوئی نئی بات ہو تو بتائیں۔‘‘

''جی کوئی نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

یہ تھی ابتدا، اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا۔ کبھی یہ فون کر لیتی اور کبھی وہ۔ شروع شروع میں وہ کچھ جھجکتی تھی، اتنا کھل کر بات نہیں کرتی تھی، لیکن فواد خان کی حوصلہ افزائی سے، کچھ اپنے اوپر اعتماد نے اس کی جھجک ختم کر دی۔ وہ اس کے پروگرام سے لے کر اس کی باتوں پر تنقید کرنے لگی۔ یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔

ہر نئی ایجاد بذات خود اچھی بری نہیں ہوتی بلکہ اس کا استعمال اچھا یا برا ہوتا ہے۔ سیل فون کی ایجاد کے ساتھ ہی ہر سیل فون رکھنے والے نے اسے اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق استعمال کیا۔ انہی دنوں اس پر انکشاف ہوا کہ سیل فون کی بھی اپنی دنیا ہے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی لڑکی ایک نئی کہانی سناتی تھی۔ کوئی کسی کے پیار پاگل ہو رہی تھی اور آہیں بھر بھر کے رات ہونے والی باتوں کے قصے سناتی۔ کوئی کسی لڑکے کو بے وقوف بنا کر اسے کس طرح پاگل کر رہی تھی یہ کہانی سناتی۔ کوئی یہ داستان کہتی کہ سچی محبت بھی کتنی ظالم ہوتی ہے۔ کسی نے رابطے کے لئے اور کسی نے کھیل کے لئے اسے کھلونا سمجھ کر کھیلنا شروع کر دیا۔ ایسی کھٹی میٹھی باتوں کا ایک الگ ہی چسکا تھا۔

کالج میں دوسری لڑکیوں کی طرح اس کا بھی اپنا ہی ایک گروپ تھا، جس میں وہ چھ لڑکیاں تھیں۔ ان میں رابعہ بہت زیادہ چالاک تھی۔ اس نے ایک شغل پکڑا ہوا تھا کہ وہ چند دن کسی لڑکے سے بات کرتی اور پھر اس سے فرمائشیں شروع کر دیتی۔ بات سیل فون کارڈ سے شروع ہوتی، اور مہنگی چیزوں تک جا پہنچتی۔ جب تک وہ یہ فرمائشیں پوری کرتا وہ باتیں کرتی رہتی، جیسے ہی وہ نہ کر پاتا، یہ نگاہیں پھیر لیتی۔ کوئی زیادہ ہی تنگ کرتا تو اپنے بھائیوں سے کہہ کر اس کی پٹائی کروا دیتی۔ اور یہ کہانی وہ بڑے ذوق وشوق سے سناتی۔ ایک عجیب ماحول تھا، جس کی کوئی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ہر کوئی اپنی دنیا میں گم تھی۔ لیکن ایک بات طے تھی کہ ان میں شرارت کا عنصر زیادہ تھا، لڑکوں کو تنگ کرنا، انہیں بے وقوف بنانا اور پھر اگلے دن تبصرے کر کے خوش ہونا، یہ ان کا مشغلہ بن گیا تھا۔ ایسے ہی ایک دن رابعہ نے اس سے کہا

''یار۔! ایک لڑکا بڑے دنوں سے تنگ کر رہا ہے، اسے ٹھیک کرنا ہے؟''

''پہلے تو مجھے یہ بتا کہ تم اسے کب سے تنگ کر رہی ہے؟'' اس نے ہنستے ہوئے کہا

''او یار، وہ مجھ سے بھی کہیں گھاک نکلا ہے، میں نے جب دیکھا کہ یہ میرے مطلب کا نہیں تو میں نے بات کرنا بند کر دی، اب وہ......''

''سم بدل لو، یا پیار سے سمجھا دو۔'' اس نے اپنی رُو میں کہا تو وہ تیزی سے بولی

'' مجھے مت سمجھاؤ تم، میری امی بن کر۔'' رابعہ کے یوں کہنے پر وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ رابعہ نے ایسے ہی نہیں کہا تھا۔ اسے نینا کی اس صلاحیت کا پتہ تھا۔ وہ اس طرح آواز بدل کے بات کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی کہ ایک آواز دوسری سے نہیں ملتی تھی۔ اس کی اس خوبی کے بارے میں سب کو پتہ تھا۔ کالج میں ہونے والے ڈراموں میں وہ کئی کردار کر چکی تھی۔ ہر کردار کے ساتھ اس کی اپنی آواز ہوتی۔ وہ بہت اچھی پیروڈی کر لیتی تھی۔ اس کی گانے والی آواز بہت خوبصورت تھی۔ اسی وجہ سے ایک ٹیچر نے اسے مشورہ دیا تھ کہ وہ ایسی آوازیں نہ نکالا کرے ورنہ اس کے گانے والی آواز خراب ہو جائے گی۔ رابعہ کے کہنے پر اس نے یہ تجربہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس نے رابعہ کا سیل فون لیا اور اس لڑکے کو کال ملا لی۔ اس کے گروپ کی لڑکیاں بھی سامنے تھیں۔ اس نے ایسی ایسی باتیں کیں کہ پھر دوبارہ اس لڑکے کی ہمت نہیں پڑی۔ رابعہ اور اس کی سہیلیوں کو ایک نیا کھیل مل گیا۔

نینا کا فواد خان کے ساتھ رابطہ تھا۔ بات تکلفات سے بھی آگے نکل چکی تھی۔ فواد خان کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اس سے کہیں ملے۔ وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اسے ہر بار طرح دے جاتی تھی۔ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی۔ یہاں تک کہ معاملہ ناراضگی تک آ گیا۔ فواد خان اس سے ناراض ہو گیا۔ اس کے مان جانے کی یہی شرط تھی کہ وہ اس سے تنہائی میں ملے۔

انہیں دنوں ایف ایم ریڈیو والوں نے گانے کا ایک مقابلہ رکھ دیا۔ جس میں لڑکے اور لڑکیوں کی انٹری ہوئی اور الگ الگ دن ان کا مقابلہ

ہونا تھا۔ نینا نے اپنی انٹری کسی دوسرے نام سے کروادی۔ اصل میں وہ یہ چاہتی تھی کہ اس کے گھر والوں کو پتہ نہ چلے۔ اس کا نام اگر ریڈیو پر گونج جاتا تو پورے علاقے میں یہ بات دھوم جاتا تھی۔ دوسرا فواد خان اُسے پہچان نہ لے، وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اسے باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ اسے دیکھ سکتی ہے لیکن وہ اسے خود کو نہیں دکھائے گی۔ اسے پتہ ہی تب چلے جب وہ ریڈیو سے آجائے۔ مقابلے والے دن وہ وہاں جا پہنچی۔ اس نے حجاب لیا ہوا تھا۔ جس میں سے اس کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اسے خود نہیں پتہ تھا کہ وہاں پر موجود لوگوں میں فواد خان کون ہے؟ دونوں میں یہی ایک آواز کا تعلق تھا۔

وہ ریڈیو کی عمارت میں اپنی سہلیوں کے ساتھ سہمی سہمی سی داخل ہوگئی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی اس نے اپنا اعتماد بحال کر لیا۔ چند لڑکیاں تھیں جنہوں نے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔ چونکہ نتیجے کا اعلان بعد میں ہونا تھا، اس لئے وہ اپنا گانا ریکارڈ کراتے ہی وہاں سے آگئی۔

اسی شام جب وہ اپنی ٹیچر سمیرا کے گھر میں تھی۔ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اجنبی نمبر دیکھ کر اس نے فون نہیں اٹھایا۔ کچھ دیر بعد پھر فون بجا تو اس نے کال رسیو کرلی۔ اس کی ہیلو کے جواب میں ایک شائستہ مردانہ آواز ابھری

''مس نینا، میرا نام شعیب ہے۔ میں پہلی بار آپ سے مخاطب ہوں۔ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی بولیں، آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے بھی انتہائی شائستگی سے جواب دیا

''میں پہلے اپنا تعارف کرادوں، میں انجینئرنگ کا طالب علم ہوں۔ میرا یونیورسٹی میں آخری سال ہے۔ میں فواد خان کا دوست ہوں۔ اور ......''

فواد خان کا نام سن کر اسے کچھ اچھا نہیں لگا، اسلئے بات کاٹتے ہوئے بولی

''آپ نے جو کہنا ہے پلیز وہ کہیں۔''

''جی، وہی کہہ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا، پھر بولا ''میں آج ریڈیو ہی تھا، جب آپ نے اپنا گانا ریکارڈ کروایا۔ میں آپ کو پہچان گیا تھا کہ آپ کون ہیں۔ اس لئے......''

''آپ نے کیسے پہچانا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا تو شعیب نے کہا

''آپ کی آواز سے، آپ نے مجھ سے باتیں بھی کیں۔ میں نے آپ کا گانا ریکارڈ کیا تھا۔''

''اوہ، تو وہ آپ تھے۔'' یہ کہتے ہوئے نینا کی آنکھوں کے سامنے ایک وجیہہ، سمارٹ اور گہری آنکھوں والا نوجوان آگیا، جیسے دیکھتے ہی اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ وہ اسے اتنا اچھا لگا تھا کہ سیدھا دل میں اتر گیا تھا۔ شاید لاشعوری طور پر وہ اس کی وجہ سے بھاگ کر وہاں سے آئی تھی۔ وہ جو اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ سیدھا دل میں اترتا جارہا تھا۔

''جی میں وہی تھا، یہاں میرا مقصد اپنے بارے میں کچھ کہنا نہیں، میں آپ کی بھلائی کے لئے کچھ کہنا چاہا تھا، اگر آپ مجھ پر یقین کریں تو......؟'' اس نے پنے تلے لفظوں میں اپنا مدعا کہہ دیا۔

''میری بھلائی؟ میں سمجھی نہیں؟'' اس نی تیزی سے کہا تو وہ سکون سے بولا

''دیکھیں، میں بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ فواد خان کی دوست ہیں۔ میں نے کانفرنس کال میں آپ کو نجانے کتنی بار سنا ہے اور......''

''مطلب وہ میری باتیں کسی دوسرے کو بھی سناتا رہا ہے؟'' اس نے دکھ اور حیرت میں تیزی سے پوچھا تو اس نے بڑے سکون سے جواب دیا

''کسی دوسرے کو نہیں، صرف مجھے، وہ میرا بہت اچھا دوست، لیکن کافی حد تک کمینہ بھی ہے، وہ ایسا کیوں ہے، اس کی اپنی منطق ہے۔''

''تو آپ میری بھلائی کیوں چاہ رہے ہیں،؟'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا

''بات دراصل یہ ہے کہ اگر آپ بھی عام لڑکیوں کی طرح ہوتیں تو شاید میں آپ کی بھلائی کے بارے میں سوچتا بھی نہ لیکن آپ حجاب

میں تھیں، وہاں آکر آپ نے کوئی چھچھوری حرکت نہیں کی، اور سب سے بڑی بات کہ آپ نے خود کو فواد خان سے چھپایا، اسی بات نے مجھے متاثر کیا۔" اس نے تفصیل سے کہا تو اس نے پوچھا

"اچھا، آپ میری کیا بھلائی چاہتے ہیں؟"

"جیسے کہ میں نے کہا فواد خان میرا بہت اچھا دوست ہے لیکن ہے کمینہ، وہ لڑکیوں سے صرف اپنے ایک ہی مقصد کے لئے دوستی لگاتا ہے اور وہ ہے ان کے جسم کا حصول، یہ مطلب نکل گیا تو وہ پہچانتا بھی نہیں۔ جب تک وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا، وہ بہت سارے سبز باغ دکھاتا ہے، لچھے دار باتیں کرتا ہے، اور وہ سب کچھ جو وہ کر سکتا ہے، جس سے لڑکی اس کے لئے پاگل ہو جائے۔ وہ تنہائی میں بلاتا ہے۔ آپ کو بھی یہ آفر کر چکا ہے لیکن آپ نہیں گئیں، اس لئے وہ آپ سے ناراض بھی ہے۔ سو میرا آپ سے صرف یہی کہنا ہے کہ آپ یہ سب چھوڑ کر اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔ آپ ایک اچھی لڑکی ہیں، خدانخواستہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائیں۔"

"آپ نے بالکل درست کہا، میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں، لیکن آپ ایسا کیوں......" اس نے پوچھنا چاہا تو شعیب نے دُکھ اور اُکتائے ہوئے لہجے میں اس کی بات کاٹ کر کہا

"مجھے یہی امید تھی کہ آپ کوئی ایسا ہی شک بھرا فضول سا سوال کریں گی۔ میں نے آپ کو انفارم کر دیا۔ اب آپ جو چاہیں سو کریں۔ مجھے کوئی غرض نہیں۔ خدا حافظ۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ نینا دیر تک اس فون کے اثر میں رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ خلوص ہے یا کوئی سازش ہے؟

اس دن کے بعد شعیب کا فون تو نہیں آیا لیکن وہ اس ٹرانس سے نہ نکل سکی۔ کیونکہ دو دن بعد ہی فواد خان کا فون آ گیا۔ اس نے بتایا کہ نینا کا گایا ہوا گانا پہلے نمبر پر آ گیا ہے۔ اس نے یہ نہیں پوچھا اور نہ کوئی بحث کی کہ تمہیں تو پتہ ہی نہیں تھا کہ میں وہاں گئی بھی تھی یا نہیں، میں نے تو فرضی نام سے انٹری کروائی تھی۔ تاہم فواد خان نے خود ہی بتا دیا کہ اس نے گانا سنا اور اس کی آواز پہچان گیا۔ وہی سوال اس کے ذہن میں گونجتا رہا کہ یہ خلوص تھا یا کہ سازش؟ فواد خان کے لئے اس کا دل ہمک اٹھتا تھا۔ اس سے بات کرنے کو دل چاہتا۔ اس نے چند دن بات نہیں کی تو پرسکون سی ہو گئی تھی۔ اب اس نے پھر بات کی تو دل مچلنے لگا تھا، مگر شعیب کی باتوں سے اٹھنے والا سوال اب اس کی راہ میں حائل تھا، وہ اسے روک لیتا تھا۔ ایک دن اس نے بیٹھ کر فیصلہ کر لیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اس کی تان یہیں پر ٹوٹی کہ شعیب کی بات کو آزمایا جائے۔ اگر فواد ویسا ہی ہوا، جیسا اس نے بتایا ہے تو پھر وہ پوری زندگی کے لئے فواد خان کو چھوڑ دے گی، اور اگر ایسا نہ ہوا تو فواد خان پر اس کا اعتماد بڑھ جائے گا۔ اب فواد خان کو آزمایا کیسے جائے؟ وہ اس پر سوچتی رہی۔ اچانک ایک دن اس کے دماغ میں آ ہی گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

ان دنوں بازار سے نئی سم خرید لینا کوئی اتنا مشکل نہیں تھا۔ انہیں ایکٹو کرنے میں بھی اتنا مسئلہ نہیں تھا۔ اس نے ایک نئی سم لے لی اور آواز بدل کر فواد خان کو فون کر دیا۔ بنائی ہوئی آواز کچھ زیادہ ہی پرکشش ہو گئی تھی۔ وہی ہوا دونوں طرف سے بات آواز کی تعریف سے شروع ہوئی اور تقریباً دس دنوں میں ملاقات تک آن پہنچی۔ اتنا تو وہ پہلے ہی نینا سے کہتا رہتا تھا۔ آزمائش تو اب تھی۔ سو اس نے کھل کر پوچھ لیا

"آپ مجھے تنہائی میں بلا رہے ہیں، ممکن ہے آپ میری تنہائی کا فائدہ اٹھائیں؟"

"میں پکا تو نہیں کہہ سکتا اگر آپ چاہیں تو؟" اس نے شاطرانہ انداز میں کہہ دیا۔ یہیں سے ان کے تعلق نے نیا موڑ لے لیا۔ اس نے کہہ دیا کہ وہ آ رہی ہے۔ لیکن کہاں پر؟ سارا پروگرام طے پا گیا لیکن یہ طے نہیں ہوا۔ دو دن کے بعد وقت کا تعین ہو گیا۔

وہ پورے وقت پر وہاں جا پہنچی جہاں سے فواد نے اسے پک کرنا تھا۔ اگرچہ وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی لیکن اسے خود پر اعتماد تھا۔ دیئے گئے وقت پر وہ بائیک پر آ گیا۔ وہ ایک نئے طرح کے برقعے میں تھی۔ اس نے نینا کو بائیک پر پیچھے بٹھایا اور چل دیا۔ وہ اسے ایک گھر میں لے گیا۔ جہاں سوائے ایک ملازم کے دوسرا کوئی نہیں تھا۔ وہ جا کر بیٹھی تو فواد خان نے اس سے دست درازی شروع کر دی۔ وہ چاہتی بھی یہی تھی کہ وہ

اُس پر کُھل جائے۔زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ فواد خان نے اس سے اپنی خواہش کے بارے میں کہہ دیا۔تب اس نے اپنی اصل آواز چھپاتے ہوئے کہا

”پتہ ہے میں کون ہوں، کیا وعدے کیئے ہیں تم نے مجھ سے؟“ اس پر فواد خان چونک گیا۔کافی دیر تک وہ بول نہ سکا۔پھر اس نے بھی ڈھیٹ بن کر کہا

”دیکھو،تم کوئی ستی ساوتری تو ہو نہیں، جو لڑکی ایک انجان لڑکے سے بات کرتی ہے تو وہ کس لئے؟اس کا بھی تو یہی مقصد ہوتا ہے نا،میں نے بھی تم پر اسی لئے محنت کی۔تم قابو نہیں آئی تو کوئی بات نہیں تیرے جیسی کئی اور ہیں جو لائین میں لگی ہوئی ہیں۔“

”یہ جو تم لوگ لڑکیوں کو محبت کے جھوٹے جال میں پھنساتے ہو،کیا یہ......“ اس نے کہنا چاہا تو وہ ڈھٹائی سے بولا

”تو وہ نہ پھنسیں، میں کسی کو فون نہیں کرتا،خود کرتی ہیں،تم نے بھی تو خود فون کیا تھا، یاد ہے؟“

”یہ انتہائی......“ اس نے غصے میں گالی دینا چاہی تو فواد نے اسے انگلی دکھاتے ہوئے کہا

”اے سُن۔!جو میں چاہتا ہوں،اس پر راضی ہو تو رُکو، ورنہ میرا وقت خراب نہ کرو،نکلو یہاں سے،فوراً“

”وہ تو میں جا ہی رہی ہوں،لیکن تم بہت پچھتاؤ گے۔میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو فواد خان ہنستے ہوئے بولا

”ایسا بہت کہتی ہیں، جاؤ،نکلو یہاں سے کسی دوسری کو آنے دو،سارا موڈ خراب کر دیا۔“ اس نے کہا اور بے نیازی سے صوفے پر جا بیٹھا۔پھر اپنا فون نکال کر کسی لڑکی سے بات کرنے لگا۔جیسے وہ اسے جتانا چاہتا ہو کہ اسے کوئی پروا نہیں ہے۔نینا کو غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن وہ پی گئی۔اسے شعیب کی بات سچ ماننا ہی پڑی۔سو وہ خاموشی سے نکلی اور واپس کالج آ گئی۔یہ اس کی زندگی کا نا قابل فراموش واقعہ تھا۔جسے وہ چاہتی بھی تو بھلا نہیں سکتی تھی۔

اس سارے واقعے میں نینا کو فائدہ یہ حاصل تھا کہ اس کی اصل شناخت کے بارے میں فواد خان کو بھی معلوم نہیں ہوا۔وہ جس فرضی نام سے اس کے ساتھ ملی تھی،فواد کو وہی معلوم تھا۔وہ کبھی بھی نینا سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس سے ملی ہے اور وہ اس کے ساتھ کس حد تک جا چکا ہے۔اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ نینا اس سے مل چکی ہے۔یہ سوچ اسے ایک نئی راہ دکھانے لگی تھی۔اس نے فواد خان کو سبق سکھانے کا سوچا،لیکن پھر رُک گئی۔لیکن اس کے اندر بیٹھی ہوئی ضدی لڑکی مسلسل اسے اُکسا رہی تھی کہ فواد خان کے ساتھ ایک بار ایسا ہونا چاہئے کہ پتہ چل جائے کہ لڑکیاں یوں فالتو چیزیں نہیں ہوتیں کہ انہیں استعمال کیا اور پھینک دیا۔اگر وہ انتقام لینے پر آ ئیں تو بہت کچھ کر سکتی ہیں۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کرے کیا؟

ایک دن اچانک اس کے ذہن میں خیال آ گیا۔اس نے وہ سم ایک جانب ڈال دی ہوئی تھی، جس سے وہ فواد خان سے باتیں کرتی تھی۔اس نے چند دن بعد ہی اسے کال کی اور انتہائی جذباتی ہو جانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا

”میں خود کشی کر رہی ہوں۔“

”شوق سے کرو،لیکن مجھے کیوں فون کیا، کیا خود کشی کرنے کا آسان طریقہ پوچھنا ہے۔“ اس نے ہلکا سا قہقہ لگا کر انتہائی طنزیہ انداز میں کہا

”نہیں، میں نے اس لئے کیا ہے کہ میں نے ایک طویل خط لکھ دیا ہے کہ جس میں لکھا ہے کہ میں نے خود کشی کیوں کی۔میری خود کشی کی وجہ تم ہو۔“ اس نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا

”میں کیوں؟“ اس نے تیزی سے پوچھا

”تم نے میری محبت کا مذاق اڑایا، میں نے اپنی ملاقات کا وہ سارا واقعہ لکھ دیا ہے۔میں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ہماری باتیں ہوتی تھیں فون پر اور تم لڑکیوں کو کس طرح پھانستے ہو۔سب لکھ دیا۔میں آج رات خود کشی کر لوں گی۔صبح وہ خط منظر عام پر آ جائے گا۔ہمیشہ کے لئے خدا حافظ۔“

اس نے کہا اور فون سے سم نکال کر محفوظ کر دی۔ایک طرح سے اس نے اس فرضی نام کو مار دیا تھا۔وہی سم واپس لگالی، جو وہ معمول کے مطابق چلا رہی تھی۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کے فون پر شعیب کی کال آ گئی۔اس نے انتہائی معصوم بن کر بات کی۔شعیب نے تھوڑی ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جھجکتے ہوئے نرم لہجے میں کہا

”مجھے تم سے ایک بہت ضروری کام ہے، اگر تم کر سکو، میں تمہارا بہت احسان مند ہوں گا۔“

”بولو، میں اگر کر سکی تو۔“ اس نے کہا

”بات دراصل یہ، تم جانتی ہو، فواد خان ایک کمینہ قسم کا بندہ ہے۔ایک لڑکی جو تمہارے کالج میں پڑھتی ہے۔اس کا نام.....“ یہ کہتے ہوئے اس نے وہ ساری روداد سنا دی، جس کے بارے میں وہ خود واقف تھی۔تفصیل سنانے کے بعد بولا ”تم چاہو تو دونوں کو بچا سکتی ہو، پلیز انہیں بچا لو، یہ تمہارا مجھ پر.....“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن فواد خان ایک غلط آدمی ہے، تم اس کی مدد کیوں کر رہے ہو، اسے سزا تو ملنی چاہئے۔اس نے غلط کام کیا ہے۔“ اس نے دلیل دیتے ہوئے کہا تو شعیب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

”چاہئے وہ کمینہ ہے لیکن ہے تو دوست۔ایک بار تو اسے بچانا ہے نا، پھر دیکھتے ہیں۔“

”اوکے، میں کوشش کرتی ہوں۔میں جانتی ہوں وہ کون ہے۔“ اس نے ایک دم سے شعیب کا مان رکھتے ہوئے کہا

”کل تک کا وقت نہیں ہے، تم جیسے بھی ہو آج ہی نکلو، اسے کسی طرح مناؤ پلیز۔“ اس نے منّت بھرے لہجے میں کہا

”ٹھیک ہے میں ابھی جاتی ہوں، اس سے بات کرتی ہوں، اسے منانے کی پوری کوشش کروں گی۔“ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

دو گھنٹے گذر گئے۔اس نے ایک خط نما تحریر لکھ لی۔تبھی اس نے شعیب کو فون کیا۔وہ اسی کے انتظار میں تھا۔اس نے کہا

”یہ میرے سامنے بیٹھی ہے۔میں اسی کے گھر میں ہوں اور اسے منایا ہے۔منایا کیا، اسے سمجھایا ہے۔وہ کافی حد تک مان گئی ہے۔اس کا خط میرے پاس ہے۔لو اس سے بات کرو، تم بھی اسے سمجھاؤ۔“ یہ کہہ کر ایک نے چند لمحے خاموشی اختیار کی، پھر اسی فرضی آواز میں روتے ہوئے بولی، ”جی بولیں۔“

”دیکھیں، اس نے جو بھی کیا، غلط کیا میں مانتا ہوں۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تم خود بھی بدنام ہو، اپنے والدین کو بھی رسوا کرو اور اس نے تو پھنس ہی جانا ہے۔زندگی اس طرح نہیں گنواتے، میں.....“

”آپ جو بھی کہیں، وہ سب ٹھیک ہے، لیکن اسے سزا تو ملنی چاہئے نا؟“ اس نے روتی ہوئی آواز میں کہا تو وہ فوراً بولا

”بالکل۔!ملنی چاہئے، لیکن اتنی بھیانک صورت میں نہیں۔ہم کچھ دوسرا سوچ سکتے ہیں۔“

”تو پھر، اس کی آواز ریڈیو پر نہیں گونجنی چاہئے۔میں اس کی آواز نہ سنوں۔وہ کسی دوسری لڑکی کو اپنے جال میں نہ پھنسائے۔“

”ٹھیک ہے، اب وہ کبھی ریڈیو پر نہیں بولے گا۔“ شعیب نے ایک دم سے اس کی بات مان لی

”یہ مت سمجھنا کہ آپ نے کہہ دیا اور میں نے مان لی، جس دن میں نے اس کی آواز سنی، اسے وہیں جا کر گولی مار دوں گی۔جو اپنی زندگی ختم کر سکتی ہے، وہ اسے بھی مار سکتی ہے۔وہ کسی لڑکی کو خراب کرنے کے لئے زندہ نہیں رہے گا، یہ میری وارننگ ہے۔“

”اب اس کی آواز کم از کم آپ کو کبھی سنائی نہیں دے گی نہ ریڈیو پر اور نہ سیل فون پر، یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔“ اس نے کہا تو وہ بولی

”ٹھیک ہے، میں یہ خط نینا کو دے رہی ہوں، وہی اسے جلا دے گی۔خدا حافظ۔“ یہ کہہ کر وہ چند ثانیے رُکی اور پھر اپنی اصل آواز میں بولی، ”میں نے خط لے لیا ہے شعیب، اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، وہ ایسا ویسا کچھ نہیں کرے گی۔میں اب گھر جا رہی ہوں۔چاہو تو راستے میں مجھ

سے خط لے سکتے ہو۔اس نے یہ مجھے دے دیا ہے۔“

”نہیں، تم اسے ضائع کر دو۔ ابھی تم گھر پہنچو پھر بات کرتے ہیں۔“ اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ وہ بہت دیر تک ہنستی رہی۔ وہ خود پر حیران ہوتی رہی تھی کہ شعیب بھی اس کی آواز نہیں پہچان پایا تھا۔ وہ بہت مسرور ہوئی کہ اس نے ایک بہت اچھا کام کر دیا، جو اس کی صلاحیت کی وجہ سے ممکن ہو گیا۔ اس دن اسے پتہ چلا یہ صلاحیت اس میں ہے۔

اس دن کے بعد فود خان کی آواز ریڈیو پر سنائی نہ دی۔ دن گذرتے گئے۔ لڑکیوں میں وہ نام ایک قصہ پارینہ بن گیا۔ اب وہی لوگ زیر بحث آنے لگے جو سنائی دیتے تھے۔ وہ اپنے کام میں لگ گئی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ میڈم سمیرا کے گھر چلی جاتی، جہاں پڑھنے والی لڑکیاں آئی ہوئی ہوتیں۔ وہ انہیں پڑھاتی، شام ہونے سے قبل وہ سٹاپ پر آجاتی اور وہیں سے اپنے گھر چلی جاتی۔ دن اسی طرح گذرتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ بی اے کے فائنل امتحان کا وقت آ گیا۔ امتحان اس نے میڈم سمیرا کے گھر رہ کر دیئے۔

ان دنوں اس کی میڈم کی بیٹی سائرہ سے بہت زیادہ دوستی ہو گئی۔ ایک ہی چھت تلے رہنا، اور ہر وقت کا ساتھ ہونے کہ وجہ تو تھی ہی، دوسرا سائرہ کی کوئی بہن نہیں تھی۔ اس لئے نینا میں اس کا پیار کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ بھی اپنی ماں کی طرح لیکچرار بنے لیکن یونیورسٹی کی۔ اسے یونیورسٹی میں پڑھنے اور پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ وہ اکثر خواب دیکھا کرتی تھی اور یہ خواب پورا ہونے میں کچھ ہی ماہ باقی تھی، امتحانوں کے بعد رزلٹ آنے تک ہی تو انتظار کرنا تھا۔ میڈم سمیرا نے نینا سے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ پڑھنے چلی جائے، سارا خرچ وہ برداشت کرے گی۔ سائرہ اس پر نہ صرف راضی تھی بلکہ بہت خوش کہ اس کا ساتھ مل جائے گا۔ اسے وہاں اکیلا نہیں رہنا پڑے گا۔ لیکن نینا نے مزید بوجھ بننا گوارا نہیں کیا۔ اس لئے انکار کر دیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ پرائیوٹ طور پر ایم اے کا امتحان پاس کر لے گی۔ وہاں رہنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک تو اسے وقتی طور پر اتنی رقم مل جاتی تھی کہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکے، دوسرا، سائرہ کو انگریزی ناول اور کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا، وہ نہ صرف وہاں پڑھتی رہی بلکہ سائرہ کے ساتھ اس کی باتیں بھی چلتی رہتی۔ تیسرا یہ دن بہت اچھے گذرے تھے، جنہیں وہ یاد کر سکتی تھی۔

امتحان ختم ہو گئے اور وہ واپس اپنے گاؤں آ گئی۔ وہ کالج کے دنوں کو بڑا یاد کیا کرتی تھی۔ گھر میں وہی افراتفری رہتی تھی کہ برتن دھو لو، جھاڑو دے دو۔ اسے اپنے گاؤں گئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ انہی کے گاؤں کے پاس ایک پرائیویٹ سکول کھل گیا۔ انہوں نے بطور ٹیچر اسے آفر کی۔ نینا نے یہ سوچا کہ گھر میں فارغ بیٹھنے سے اچھا ہے کہ وہ سکول میں پڑھا لیا کرے اور اس سے آمدنی ہو جائے۔ اس نے سکول جوائین کر لیا اور وہ سکول جانے لگی۔ سکول چونکہ نیا تھا، اس لئے وہاں تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی، اس لئے وہ چند ٹیچرز پڑھاتی کم اور گپیں زیادہ لگاتی تھیں۔ جس طرح علاقے میں سکول بننے کی شہرت ہوئی، اسی طرح وہاں پر موجود ٹیچرز کا حوالہ بھی زبان زد عام ہو گیا۔ ہر کسی کو معلوم تھا کہ وہاں کون پڑھا رہا ہے۔ کون سی ٹیچر کیسی ہے۔

نینا کے حسن کا شہرہ تو پہلے ہی تھا۔ اس پر جن نوجوانوں کے من میں اس کے ”عشق“ کی دبی ہوئی چنگاری تھی، وہ پھر سے دھواں دینے لگی۔ نینا گھر کے قریب ہی ایک سٹاپ سے ایک وین میں سوار ہوتی اور دوسرے گاؤں سکول چلی جاتی تھی۔ لڑکوں کا یہ تماشا وہ اس وقت سے دیکھتی آئی تھی، جب سے وہ شہر کالج پڑھنے جایا کرتی تھی۔ اس دوران اس کا رابطہ شعیب سے رہا۔ وہ کبھی کبھار فون کر لیا کرتا تھا۔ دھیرے دھیرے بات بڑھتی گئی۔ ان کا رابطہ فون پر تو رہا، لیکن وہ کبھی ملے نہیں۔ نینا کے ذہن میں شعیب وہی تھا جو ایف ایم ریڈیو میں ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ وہی تصویر اس کے حافظے پر نقش تھی۔ ان کے درمیان تعلق کچھ اتنا گہرا ہو گیا کہ اس نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اس نے یہ بات قطعاً نہیں بتائی کہ وہ فرضی طور پر فواد خان کو کیا جھٹکا دے چکی ہے۔ انہی دنوں شعیب نے اپنے بارے میں اسے تفصیل سے بتایا۔ وہ شہر کے ایک امیر ترین بزنس مین کا بیٹا تھا۔ وہ ایک بڑے بھائی اور دو بہنوں کے بعد تھا۔ بڑا بھائی اپنے باپ کے ساتھ بزنس میں تھا، بہنیں امریکہ بیاہ دی گئیں تھیں، وہ انجینئر بننے کے بعد مزید تعلیم کے لئے امریکہ چلا جائے گا۔ شعیب نے اسے آفر دی کہ وہ یہ سب چھوڑ دے، اور سی ایس ایس کی تیاری کرے

۔اس پر جتنا بھی خرچ آئے گا وہ اسے مالی طور پر سپورٹ کرے گا۔لیکن نینا کو اپنے بارے میں زیادہ بہتر پتہ تھا۔اس لئے وہ خاموش رہی۔اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔مگر اس کا اصرار رہا کہ جو وہ کہہ رہا ہے وہ کرے۔ایک دن جب وہ شہر گئی تو شعیب سے ملی۔یہ اس کی دوسری ملاقات تھی ۔وہ حجاب میں رہی۔شعیب نے تب بھی اُسے نہیں دیکھا تھا۔لیکن اس کے لئے بہت ساری چیزیں، کپڑے،اور کتابیں لے کر آیا تھا۔یہ ساری وہ کتابیں تھیں جو سی ایس ایس میں اسے مدد دے سکتی تھیں۔اس نے وہ ساری چیزیں ایک دوست کی حیثیت سے قبول کرلیں۔یوں دن گذرتے گئے۔ان کے درمیان ایک انجانا سا تعلق رہا پھر ایک دن شعیب بھی باہر چلا گیا۔وہ ایسا گیا کہ پھر اس کی خبر نہ ملی۔پہلے پہل ایک دو بار فون آیا،اس کے بعد وہ جیسے گم ہی ہوگیا۔پھر یوں غائب ہوگیا،جیسے وہ اس سے کبھی ملا ہی نہیں تھا۔

نینا اسی سکول میں پڑھاتی رہی۔ان دنوں اس کا بی اے کا رزلٹ آنے والا تھا۔وہ یونیورسٹی جانے کے سہانے خواب دیکھ رہی تھی کہ انہی دنوں ساتھ ہی کے گاؤں کا چوہدری پرویز اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگا۔جس وقت وہ سکول جاتی،وہ اس کے سٹاپ پر اپنی بائیک لئے کھڑا ہوتا۔وہ اس وقت تک کھڑا رہتا،جب تک وہ وین میں نہ بیٹھ جاتی۔پھر وہ وہاں دکھائی دیتا، جہاں اس نے وین سے اترنا ہوتا تھا۔ ایک ادائے خاص سے اس کی طرف دیکھتا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں نجانے کتنے پیغام دے کر وہاں سے غائب ہوجاتا۔پہلے پہل نینا نے اسے اتنا محسوس نہیں کیا۔اس نے یہی سمجھا کہ وہ بھی چند دن اسی طرح کوشش کرنے کے بعد خود ہی دفعان ہوجائے گا لیکن اس کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔وہ جان چھوڑنے والا نہیں تھا۔اس کی خاموشی نے اسے مزید شہہ دی۔وہ اسے فون کرنے لگا۔نینا نے اسے بڑے پیار سے فون پر سمجھایا کہ وہ باز آجائے۔اس کا کچھ نہیں جانا،کسی بھی لڑکی کی عزت ایک پانی کے بلبلے کی مانند ہوتی ہے۔ذراسی ٹھیس لگتی ہے تو پھر لڑکی کہیں کی نہیں رہتی۔مگر وہ باز نہیں آیا۔وہ اس کے لئے دن بدن مسئلہ بنتا چلا جا رہا تھا۔پھر ایک دن اس نے سوچ لیا کہ وہ اس کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دے۔کب تک وہ راہوں میں کھڑا رہے گا؟ دراصل چوہدری پرویز کوئی اتنا بڑا جا گیردار نہیں تھا اور نہ بڑا زمیندار تھا۔یہ بھی نہیں تھا کہ ان کا شمار چھوٹے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ایسے کئی خاندان تھے لیکن لوگ اُن سے اس لئے خوف زدہ رہتے تھے کہ وہ بدقماش اور بدمعاش تھے۔جرائم پیشہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان سے کنی کتراتے تھے۔ان کا تعلق کیسے لوگوں سے تھا،یہ ایک کھلا راز تھا،اسی بل بوتے پر وہ سیاست کے میدان میں بھی تھے۔یہ صرف اسی وجہ سے تھا کہ ان کے جرم چھپ جائیں اور جو کچھ کرتے پھریں انہیں کوئی نہ پوچھے۔

زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ وہی ہوگیا جس سے وہ خود خوف زدہ تھی۔وہ چند لڑکیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ سٹاپ پر کھڑی تھی۔وین آنے والی تھی۔وہ سڑک کی دوسری جانب کھڑا تھا۔اچانک وہ بائیک پر بیٹھا اور اس کے پاس آ کر روکی اور بڑے دھڑلے سے بولا

’’آؤ بیٹھو،تمہیں سکول چھوڑ دوں۔‘‘

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔تقریباً سبھی لوگوں نے اس کی نہ صرف یہ حرکت دیکھی بلکہ اس کی یہ آفر بھی سنی۔وہ خاموش رہی تو اس نے دوبارہ کہا تب نینا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

’’جاؤ چلے جاؤ اور دوبارہ میری راہ میں نہ آنا،ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔‘‘

یہ سن کر وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر خوشگوار لہجے میں بولا

’’اوئے خیر۔!حضور بولے تو،میرے ساتھ بیٹھو،راستے میں سمجھاتا ہوں۔‘‘

’’چلے جاؤ یہاں سے،میرے منہ مت لگو،ہر بندے کی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔‘‘اس نے غصے میں کہا لیکن اس کی آواز دبی ہوئی تھی ۔

’’شکر کر تو مجھے پسند آگئی ہے۔تیری تو قسمت کھل جائے گی۔ایک بار اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر دیکھ،رانی بنا کر رکھوں گا۔‘‘اس نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو نینا کا غصہ قابو سے باہر ہونے لگا۔اس لئے دانت پیستے ہوئے بولی

”چلا جائیتے ،ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔“

”اے۔!زبان سنبھال کے بات کر، ورنہ ادھر ہی چیر کر رکھ دوں گا،اپنی اوقات دیکھ پہلے۔“اس نے غصے میں بھنّا کر کہا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی۔وہ آگے بڑھی اوراس نے پوری قوت سے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور چوہدری پرویز کی گال پر دے مارا۔ چٹاخ کی آواز نے وہاں پر موجود ہر شخص کو ان کی جانب متوجہ کر دیا۔اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کر گزرے گی۔اس نے انتہائی حیرت سے نینا کو دیکھا۔تب تک وہاں ایک شور مچ گیا۔وہ غصے میں آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑنا چاہتی تھی کہ چوہدری پرویز کو جیسے ہوش آ گیا۔وہ وقت سنبھال گیا اس لئے مزید کچھ کہے بنا اس نے اپنی بائیک کو گیئر لگایا اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔کئی سارے لوگ تو ویسے ہی اِدھر اُدھر ہو گئے ۔ وہ اس پھڈّے میں پڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔کہیں یہ نہ ہو کہ انہیں گواہی ہی دینا پڑ جائے۔کئی تماشا دیکھنے کو وہیں کھڑے رہے۔اس نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی اور اپنے سکول چلی گئی۔

شام ہونے کو آ گئی۔چوہدری پرویز کی طرف سے کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔یہ خاموشی بہت خوفناک تھی۔ چوہدری پرویز کے حامیوں کو دکھ ہوا یا نہیں یہ الگ بات تھی مگر ان کے دشمنوں کو یہ بات مل گئی اورانہوں نے پورے علاقے میں یہ بات پھیلا دی۔سیل فون ایک ایسی ایجاد تھی جس نے یہ خبر دُور دُور تک پھیلا دی۔اسکے بھائی بھی یہ بات سن چکے تھے۔انہوں نے گھر میں کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموش رہے۔گھر کی فضا یوں ہو گئی جیسے اس میں خوف گھل گیا ہو۔وہ ساری رات نہ سو سکی۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہا کہ اب کچھ ہوا کہ اب کچھ ہوا۔

صبح وہ سکول جانے کے لئے تیار ہو گئی۔اس کی ماں نے دبے لفظوں میں کہا ابھی کہ مت جاؤ، کہیں کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے۔اس نے یہی جواب دیا کہ ماں اگر میں آج ڈر گئی تو پوری زندگی ڈرتی رہوں گی۔اس نے ماں کی بات نہ مانی اور گھر سے چل پڑی

وہ سٹاپ پر آ کر رکی اور وین کا انتظار کرنے لگی۔کچھ دیر بعد وین آ گئی۔وہ روزانہ کی طرح اپنے دھیان وین میں سوار ہو گئی۔ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ وین چل پڑی۔مگر وہ دیکھ اور سمجھ چکی تھی کہ دھوکہ ہو گیا۔اس وین میں چوہدری پرویز کے ساتھ چند غنڈے بیٹھے ہوئے تھے۔ان کے علاوہ کوئی ایسا مسافر نہیں تھا جو روزانہ آنے جانے والا ہو۔وہ بیٹھی نہیں بلکہ پلٹ کر دروازے کی جانب لپکی۔اس نے دروازہ کھولنا چاہا تو وہاں بیٹھے لوگوں میں افراتفری مچ گئی۔پکڑو پکڑو کی آوازیں آنے لگیں۔تبھی اس نے ڈرائیور سے کہا

”ویگن روک دو، ورنہ میں چلتی ویگن سے چھلانگ مار دوں گی۔“

”چل چل تو بھاگ، یہ تو اب ڈیرے پر ہی جا کر رُکے گی، وہیں تیری اکڑ نکالتے ہیں یہ سب۔“چوہدری نے ایک ہی وقت میں دونوں سے کہا مگر نینا نے اس کی بات نہیں سنی اس نے چیخ کر ڈرائیور سے کہا کہ روک دو اور دروازے کی جانب بڑھی۔اسی وقت دو غنڈوں نے اٹھ کر اسے قابو میں کرنا چاہا تب تک وہ وین کا دروازہ کھول چکی تھی۔ڈرائیور سمجھ دار بندہ تھا۔وہ جانتا تھا کہ اسی رفتار میں اگر اس لڑکی نے چھلانگ لگا دی تو قتل اس کے ذمے پڑ سکتا ہے۔اس نے ایک دم سے بریک لگا دیئے۔وہ اپنے پاؤں پر جمی نہ رہ سکی۔دروازہ کھلا ہوا تھا، رفتار کم تھی اس نے چھلانگ لگا دی۔وہ پکی سڑک کے کنارے کچی جگہ پر گری اور وہاں سے لڑھکتی ہوئی جھاڑیوں میں جا پڑی۔اس کے سر اور بازو میں سخت چوٹیں آئیں تھیں۔وہ گرنے کے چند لمحے بعد بے ہوش ہو گئی تھی۔

اسے جب ہوش آیا تو وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی ایک کار میں تھی۔کچھ دیر تک اسے سمجھ میں نہیں آیا، پھر اسے ہوش نہ آیا۔سڑک پر سے گزرنے والی کار کو لوگوں نے روکا تھا۔اور اس میں ہسپتال کی جانب چل پڑے تھے۔وہ ہسپتال جا پہنچے۔تو کار والا انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا۔جب نینا کے حواس بحال ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کا چہرہ دیکھا۔تب اس نے آنکھیں موند لیں۔وہ چار پانچ گھنٹے تک ہسپتال میں رہی۔مختلف چیک اپ کے بعد اسے ہسپتال سے جانے کی اجازت مل گئی۔وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ گاؤں جانے کے لئے ہسپتال سے نکلی ہی تھی کہ پولیس کے چند لوگوں نے انہیں گھیر لیا۔ان کے ساتھ ایک لیڈی کانسٹیبل بھی تھی۔وہ انہیں تھانے لے جانا چاہتے تھے۔

’’ہمارا قصور کیا ہے بھائی؟‘‘ اس کے ایک بھائی نے پوچھا تو پولیس والے نے کہا

’’یہ تو تھانے جانے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔آرام سے چلو تو ٹھیک ورنہ......‘‘

وہ انکے ساتھ تھانے چلے گئے۔وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈرائیور کی طرف سے درخواست دی گئی ہے کہ یہ لڑکی نے اس کے سر پر ضرب لگائی اور اس کا پرس چھین کر بھاگی تھی۔جس کی وجہ سے وہ وین سے گری۔اس پر ڈکیتی اور راہزنی کا الزام تھا۔وہ حیران رہ گئی۔

’’ظلم تو ہمارے ساتھ ہوا ہے، ہم اپنی بدنامی کے خوف سے تھانے نہیں آئے الٹا انہوں نے ہم پر یہ الزام لگا دیا؟‘‘ اس کے بھائی نے واویلا کیا تو منشی نے اسے ڈانٹ دیا

’’اوئے چپ کر اوئے، ظلم ہوا، بہن کو ڈکیتی پر لگایا ہوا ہے اور تھانے میں مظلوم بنتا ہے۔‘‘

’’یہ کیا کہہ رہے ہو منشی جی، ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں، ہم سچ......‘‘ اس نے چھوٹے بھائی نے کہا تو منشی نے انتہائی حقارت سے کہا

’’اوئے بھونک نہ مار، دفعہ ہو جا، یہ رونا صاحب کے آگے رونا، جاؤ ادھر جا کر بیٹھ جاؤ۔‘‘

وہ دونوں کسی ملزم کی طرح ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے، نینا ایک دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔چند منٹ بعد اس کے بڑے بھائی نے کہا

’’میں کچھ کرتا ہوں، کسی بندے کی منت کرتا ہوں جا کر، میں جلدی آجاؤں گا، تم لوگ فکر مت کرنا۔‘‘

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور تھانے سے باہر چلا گیا۔ہر آنے جانے والا انہیں دیکھ رہا تھا۔کسی کی نگاہ میں کیا تھا اور کوئی کیسے دیکھ رہا تھا۔دوسرا برداشت نہ کر سکا۔وہ بھی کچھ دیر نینا کے پاس بیٹھا اور پھر اٹھ گیا۔وہ اکیلی وہاں بیٹھی رہ گئی۔اسے یہی سوچ کر غصہ آرہا تھا کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ اپنے کو بچایا ہے، وہ کام کیا جو پولیس کو کرنا چاہئے تھا، لیکن انہیں ہی مجرم بنا کر تھانے میں رکھا ہوا ہے۔کیا ایسا صرف اسی لئے ہے کہ وہ غریب ہیں اور ایک دولت مند کی بات اس نے نہیں مانی۔کیا انصاف کا معیار صرف دولت ہے؟ کیا غریب یہاں جھوٹا ہے؟ وہ چاہئے مظلوم بھی ہو؟ کیا طاقتور کی حکومت ہے؟ کیا وہ سب لوگ بکواس کہتے ہیں کہ یہ ایک جمہوری ملک ہے اور یہاں سب کے حقوق برابر ہیں؟ کیا عام آدمی کو جینے کا کوئی حق نہیں؟ وہ یہی سوچتی چلی جا رہی تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔وہ لڑکی جس نے کبھی تھانہ نہیں دیکھا تھا، وہاں جانے کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا، وہ ایک ملزم کی حیثیت سے وہاں زمین پر بیٹھی ہوئی ہے۔صبح سے سہ پہر کا وقت ہو گیا تھا۔اس کا بھائی نہیں لوٹا تھا۔وہ نجانے کن خیالوں میں گم تھی کہ ایک لیڈی کانسٹیبل اس کے پاس آگئی۔اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔

’’لو یہ پی لو۔‘‘

اس نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا، اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔وہ چند لمحے ہونقوں کی طرح دیکھتی رہی پھر گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں پانی پی گئی۔

’’کوئی نہیں آیا تیرے پیچھے؟‘‘

’’کون آئے گا، دو بھائی تھے، وہ بھی بے چارے باہر چلے گئے ہیں۔‘‘ اس نے دکھ سے کہا

’’میں یہ نہیں پوچھتی کہ تم نے کوئی جرم کیا ہے یا نہیں، لیکن ایک بات پر مجھے حیرت ہو رہی ہے وہ پوچھنا چاہتی ہوں۔‘‘ لیڈی کانسٹیبل نے پوچھا

’’پوچھو۔‘‘ اس نے فرش پر نگاہیں گاڑے کہا تو لیڈی کانسٹیبل نے پوچھا

’’تیرے جیسی لڑکیاں یہاں آئیں تو چاہئے جھوٹ چاہئے سچ میں، روتی ضرور ہیں مگر تمہاری آنکھ سے ایک بھی آنسو نہیں نکلا، یہ کیا بات ہوئی بھلا؟‘‘

’’تم کیوں پوچھ رہی ہو؟‘‘ اس نے ایک دم لیڈی کانسٹیبل کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا

’’پتہ نہیں کیوں روئی، میں نہیں جانتی۔‘‘ وہ بولی

’’لیکن میں سمجھتی ہوں۔ مجھے بیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے اس محکمے میں، تم مجھے کچھ الگ سی لگی ہے۔ میں نے تم سا کوئی دوسرا دیکھا نہیں کہ اس پر وار ہوا اور وہ نہ روئے، ایسا بس وہی کرتا ہے جو درندہ ہو۔‘‘

’’میں سمجھی نہیں؟‘‘ نینا نے تیزی سے سر اٹھا کر کہا تو لیڈی کانسٹیبل بولی

’’کبھی کسی درندے کو روتے ہوئے دیکھا ہے، نہیں نا، کیونکہ درندے کی درندگی اسی وقت تک رہتی ہے، جب تک اس کا آنسو نہیں بہتا۔‘‘

’’جب مجھے رونے کی جگہ غصہ آ رہا ہے تو میں کیا کروں۔‘‘ اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

’’میں سمجھتی ہوں، اور میرا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا، اور سنو۔! میری بیٹی کی عمر بھی تمہارے جتنی ہے۔ مجھے تم میں اپنی بیٹی دکھائی دے رہی ہے۔ ایک بات یاد رکھنا، تلوار اور بندوق دونوں ہی ہتھیار ہیں۔ لیکن تلوار بندوق کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یاد رکھنا۔ میں کرتی ہوں تیرے لئے کچھ۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور باہر کی جانب چل دی۔

تقریباً دو گھنٹے ابھی پورے نہیں ہوئے ہوں گے۔ ایک درمیانے قد کا ادھیڑ عمر شخص تھانے میں آیا تو ایک دم سے ہلچل مچ گئی۔ تھانے کا وہ منشی جو کسی کی بات نہیں سن رہا تھا اور فرعون بنا بیٹھا تھا یوں لپک کر اٹھا جیسے کوئی عزرائیل آ گیا ہو۔ جیسے ہی وہ تپاک سے ملا تو اسی ادھیڑ عمر بندے نے سکون سے پوچھا

’’کہاں ہے تمہارا صاحب؟‘‘

’’شاہ جی وہ تو گشت پر ہیں۔ آتے ہی ہوں گے۔ آپ بیٹھیں، مجھے بتائیں کیا خدمت ہے۔‘‘ منشی نے اپنے لہجے میں مٹھاس بھرتے ہوئے پوچھا

’’وہ ایس ایچ او ابھی آئے گا یا نہیں؟‘‘ شاہ جی نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ اس دوران اس کی نگاہ نینا پر پڑی۔ وہ اسے چند لمحے تک دیکھتا رہا پھر نگاہیں منشی پر ٹکا دیں۔

’’جی، وہ آج شاید ہی......‘‘ وہ منمناتے ہوئے کہنے لگا تو شاہ جی نے کہا

’’ اس لڑکی پر ظلم کرنے کے لئے تم لوگوں نے کتنے پیسے لئے ہیں۔‘‘ اس اچانک سوال پر منشی ایک دم سے گھبرا گیا۔ پھر تیزی سے بولا

’’آپ بیٹھیں، میں آپ کو بتاتا ہوں۔‘‘

’’مجھے بیٹھنا نہیں ہے میری بات کا جواب دو۔‘‘

’’وہ جی، صاحب کو......‘‘

’’ بکواس بند کرو، اور اس بے غیرت کو بتا دینا کہ لڑائی مردوں سے لڑتے ہیں، عورتوں سے نہیں، اس لڑکی کو جانے دو، اور اس کی طرف کوئی نگاہ بھی نہ کرے، میں دیکھتا ہوں اُسے۔‘‘ شاہ جی نے غصے میں کہا تو منشی نے ایک لمحہ سوچے بغیر نینا کو جانے کا اشارہ کیا۔ نینا اٹھ کر تھانے کے باہر چلی گئی۔ اسے یہ ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ شاہ جی کا شکریہ ادا کر سکے۔ اس کے دماغ تو میں تو یہی چلنے لگا تھا کہ انصاف نہیں، بندوق کے سامنے تلوار نہ ٹھہر سکی۔

تھانے کے باہر دیوار کے ساتھ اس کا بھائی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی کا انتظار کر رہا تھا جو ابھی تک لوٹ کر واپس نہیں آیا تھا۔ اسے یوں دیکھ کر وہ جلدی سے اُٹھا۔ اس کے قریب آ کر بولا

’’کیا ہوا، چھوڑ دیا انہوں نے؟‘‘

’’ہاں، آؤ چلیں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ یوں چل دی جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکی ہو۔

اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔اسے اس نظام پر ہی نہیں اپنے آپ پر بھی غصہ آرہا تھا۔وہ کیوں اس قدر اپنے آپ کو سنبھالنے والی بن گئی؟ کیوں اس نے پڑھا لکھا اور تعلیم حاصل کی؟اس کی کی اوقات ہے؟ کیا قدر ہے اس معاشرے میں، وہ معاشرہ جو خود کو اسلامی کہتا ہے لیکن جہاں عورت کا تقدس تو کیا اس کی عزت تک نہیں کی جاتی؟ یہ کس کا قصور ہے؟اس کا اپنا ہے۔وہ کیوں اس معاشرے میں پیدا ہو گئی۔ اگر عورت کی عزت نہیں کرنی تو اسے بچپن میں ہی زندہ درگور کر دیا جانا چاہئے تھا؟ کیا عورت کو اپنی عزت سمجھنے والے، غیرت میں آ کر قتل کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ عورت کی عزت بھی کی جاتی ہے؟ کیا یہ معاشرہ صرف طاقتوروں کا ہے؟ کیا یہ جنگل ہے اور یہاں کا قانون بھی جنگلوں جیسا ہے کہ جو طاقت ور ہے وہ جو مرضی کر سکتا ہے؟ سوالوں کا ایک سلسلہ تھا جو اسے پاگل کئے دے رہا تھا،اس کے دماغ میں یہ سوال نجانے کہاں سے آرہے تھے،اس کا جواب اسے کیا خاک ملتا؟

وہ اپنے گھر پہنچ گئی تھی۔وہ جانتی تھی کہ اس کی بھابی کیا کہے گی۔اس کا رویہ کیسا ہوگا؟ سو اس نے ٹھان لی کہ وہ جو کہے گی، وہ خاموشی کے ساتھ سن لے گی۔اس نے اپنی ماں کو ساری بات من وعن بتا دی۔

”پتر۔!ہم غریب لوگ ہیں، ہم کسی سے مقابلہ نہیں کر سکتے، ہمارا جینا اسی طرح سے ہے، یونہی جینا ہوگا۔“اس کی ماں نے روتے ہوئے اسے حوصلہ دیا۔وہ ماں کے آنسوؤں کو دیکھ کر بھی نہیں روئی۔اس کے دماغ میں یہ چلنے لگا کہ نصاب کی ان کتابوں کو آگ لگا دی جائے جس میں انصاف، بھائی چارہ اور رواداری کا سبق دیا جاتا ہے۔وہاں تو یہ پڑھانا چاہئے کہ یہ معاشرہ جس میں ہم رہ رہے ہیں یہ ایک جنگل ہے، یہاں انسان کی قدر نہیں، یہاں طاقت کی حکومت ہے۔اس میں کس طرح رہنا ہے، یہ طریقہ سکھایا جائے، کہ طاقتور کے آگے کس طرح جھکے رہنا ہے اور کمزور پر کس طرح ظلم کرنا ہے۔ان طاقت ور لوگوں نے ایسے اصل اور ضابطے بنالئے ہیں، جو اچھے انداز میں غریبوں کو پھنسانے اور انہیں ذلیل کرنے کا ہتھکنڈہ ہیں۔ان میں ایک پنچائت بھی ہے۔ممکن ہے کبھی پنچائت میں فیصلہ ہوتا ہوگا۔لیکن جب فیصلہ کرنے والا ہی ڈنڈی مار جانے والا ہو، ملزم ہی کا ساتھی ہو تو اس سے انصاف کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔وہاں بے انصافی ہی ہوگی۔

چوہدری پرویز یہیں تک محدود رہتا تو شاید بات آگے نہ بڑھتی۔ نینا نے تو سکول جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔مگر وہ اسے فون پر دھمکیاں دینے لگا۔ اس نے علاقے ہی ایک معتبر بندے کے پاس اس ڈرائیور کو بھیجا تا کہ پنچائت بلا کر اس لڑکی نینا سے اپنی رقم لے سکے۔علاقے کے اس معتبر بندے کی طرف سے پیغام آنے لگے کہ فلاں دن پنچائت ہے۔اس لئے پنچائت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی بیان کریں، ورنہ باقاعدہ ایف آئی آر درج کرا دی جائے گی۔اس کا بھائی پیغام لے کر آنے والے بندے کی منّت سماجت کرنے لگا کہ وہ علاقے کی اس معتبر بندے کو ہمارے بارے میں بتائے۔ہم پر جھوٹا الزام ہے۔وہ کسی نہ کسی طرح اس پنچائت سے بچنا چاہتے تھے۔ایک بار تو وہ سن کر چلا گیا لیکن اگلے دن وہ پھر پیغام لے کر آ گیا کہ اگر پنچائت میں نہیں آنا تو اس کی رقم چپ چاپ واپس کر دی جائے۔ یہ معاملہ حل نہیں ہو رہا تھا۔نینا کو اُس پر بے تحاشا غصہ بھی آرہا تھا۔مگر وہ مجبور تھی۔کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔تبھی اس نے اسی لیڈی کانسٹیبل سے مدد لینے کا سوچا،اس نے فون کر کے اسے ساری روداد بتائی تو اس نے چند مشورے دیئے۔تیسرے دن پھر وہی بندہ پیغام لے کر آ گیا کہ کل شام کو پنچائت ہے، اگر نہ آئے تو اٹھا کر لے جائیں گے۔اس پر نینا نے آ کر غصے میں کہا۔

”اوئے، چپ کر کے یہاں سے چلا جا،اور جا کر اپنے اس پنچائتی سے کہہ، اگر دوبارہ اس دروازے پر آیا تو پھر وہی ذمے دار ہوگا۔جا دفعہ ہو جا، دوبارہ مت آنا۔“

اس دن وہ بندہ ان کے گھر سے چلا گیا مگر اس کے بعد کوئی ان کے دروازے پر نہیں آیا۔اصل میں اسی لیڈی کانسٹیبل نے، اس ادھیڑ عمر بندے کو بتا دیا، پھر ان کی جرات نہ ہوئی کہ دوبارہ ان کی طرف کوئی منہ کرتا۔سو دن سکون سے گذرنے لگے۔

انہیں دنوں نینا کو احساس ہوا کہ طاقت کس حد تک ضروری ہے۔یہ جو نام نہاد معاشرے کے اصول وضوابط ہیں، یہ بھی طاقت وروں کے لئے

ہیں۔وہ انہی اصولوں کی وجہ ہی سے کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں۔وہ باغی ہوگئی۔شرافت، ہمدردی، حق، فرض، قانون اس کے لئے بے معنی لفظ بن گئے۔اس کی سوچ بدل گئی۔شاید وہ کچھ دنوں بعد معمول پر آ جاتی، اگر چوہدری پرویز اس کا پیچھا چھوڑ جاتا۔اس نے نینا کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔وہ فون کرنے سے، اسے دھمکیاں اور گالیاں دینے سے اب بھی باز نہیں آتا تھا۔وہ اپنا فون بند رکھنے لگی تھی

یہ واقعہ ان کی گھریلو زندگی پر بھی اثر انداز ہوا۔اس کا بڑا بھائی تو اس کے خلاف پہلے ہی تھا، بھابی نے جو شور مچایا تو ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ چند دنوں میں ہی وہ اپنے بال بچوں کو لے کر الگ ہو گیا۔اس کا اثر اس کی ماں پر بھی پڑا، وہ وقت بے وقت رونے لگتی۔ایک ذریعہ معاش تو تھا ہی وہ ختم ہو گیا، دوسرا ان کا کون سا لمبا چوڑا خاندان تھا، بیٹا الگ ہوا تو ماں صدمے سے نڈھال ہوگئی۔

اس کی ماں یہ صدمہ برداشت نہیں کر پائی تھی کہ ایک دن اس کا منجھلا بیٹا اپنے کام پر جا رہا تھا۔وو راستے ہی میں تھا کہ ایک موٹر سائیکل والا اس میں آ لگا۔موٹر سائیکل پر تین لوگ سوار تھے۔انہوں نے بغیر کوئی بات کئے اسے مارنا شروع کر دیا۔اسے اتنا مارا کہ وہ وہیں سڑک پر بے ہوش ہو گیا۔وہاں پر موجود لوگوں نے بتایا کہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا، پھر بھی انہوں نے یوں مارا جیسے اُسے جان بوجھ کر مار رہے ہو۔اسے لوگ اٹھا کر ہسپتال لے کر گئے۔وہاں جا کر پتہ چلا کہ اس کے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔اور جو چوٹیں آئی ہیں، وہ اسے دو تین ماہ سے پہلے نہیں اٹھنے دیں گیں۔وہ بے چارہ گھر آن پڑا۔چند دن بعد ہی پتہ چل گیا کہ وہ لوگ چوہدری پرویز کے تھے۔اس نے جان بوجھ کر انہیں بھیجا تھا۔

ان کے گھر پر خوف کی فضا نے ڈیرا جما لیا۔بھائی چارپائی سے لگ گیا۔ اس کے دوا اور علاج کے لئے گھر کی چیزیں بکنے لگیں۔بڑا بھائی الگ ہو گیا تھا۔اس نے کوئی مدد نہ کی۔چھوٹا بھائی جو پڑھ رہا تھا، اس نے پڑھائی چھوڑ دی اور مزدوری کرنے لگا۔ایک مزدور کی آمدنی کیا ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے بھائی کا علاج کرواتا یا گھر کی روٹی پوری کرتا، وہ جو لاتا اپنی ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔نینا نے ایک بار دبے لفظوں میں کہا بھی کہ وہ دوبارہ سکول میں ملازمت کر لیتی ہے لیکن اسکی ماں نے سختی سے منع کر دیا۔حالات دن بدن سخت ہوتے چلے جا رہے تھے۔اس نے ایک دن اپنے پرانے سکول میں رابطہ کیا تا کہ پھر سے جا سکے، اس کا خیال یہ تھا کہ وہ اپنی ماں کو منا لے گی۔سکول سے جو جواب ملا، اس نے نہ صرف اسے چکرا دیا، بلکہ خود اسے اپنی ہی نگاہوں میں گرا کر رکھ دیا۔انہیں نے کہا تھا کہ ایسی لڑکی جو تھانوں میں پھر آئی ہو، جس پر ڈکیتی کا الزام ہو اور بدمعاشوں سے سر پھٹول کرتی پھر رہی ہو، ہم اسے سکول میں کیسے جگہ دے سکتے ہیں، وہ سوچ بھی نہیں۔اس کی ہمت جواب دے گئی، اس کا کیا قصور؟ یہ بات اس کی سمجھ نہیں آئی۔

ایک دن وہ اپنی ماں والے کمرے میں کھری بان کی چارپائی پر لیٹی سوچ رہی تھی کہ کیا ہے یہ زندگی؟ میں اتنی مجبور کیوں ہوں؟ یہ چوہدری پرویز جیسا شخص مجھے تنگ کر رہا ہے اور میں اس کا کچھ بھی نہیں کر سکتی۔یہی سوچتے ہوئے اچانک اسے لیڈی کانسٹیبل کی بات یاد آ گئی۔ ”ایک بات یاد رکھنا، تلوار اور بندوق دونوں ہی ہتھیار ہیں۔لیکن تلوار بندوق کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔یاد رکھنا۔“ یہ سوچتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔وہ چند لمحے سوچتی رہی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔اس نے ساری مجبوریوں کو ایک طرف رکھ دیا اور اس زمانے سے لڑنے کو تیار ہوگئی۔

وہ اٹھی اس نے اپنا وہ بہترین سوٹ نکالا، جو ان دنوں اُس کے پاس تھا۔ جسے اس نے استری کیا، خوب نہائی، فریش ہو کر اس نے خود کو سنوارا اور اپنا فون اور پرانی سمیں لے کر بیٹھ گئی۔اس نے وہ سارے میسج دیکھے جو ہوتے رہے تھے۔ان میں سے اس نے ایک ایسے لڑکے کو منتخب کیا جو چوہدری پرویز کا دوست تھا۔اس نے ایک پرانی سم اس میں ڈالی اور آواز بدل کر اسے فون کر دیا۔وہ کبھی اُسے ”پٹانے“ کے چکر میں تھا اور اِس بار وہ ایک نئی لڑکی بن کر اس سے باتیں کرنے لگی۔

صرف تین ہفتوں میں اس نے علی اکبر کو یہ باور کرا دیا کہ اس کا تعلق لاہور کے ایک کاروباری خاندان سے ہے۔اس نے یونہی نمبر ڈائل کیا تو قسمت سے مل گیا۔اس نے اپنی امارات کے بارے میں ایسا کچھ بتایا کہ وہ چکرا کر رہ گیا۔ایک بات نے تو اسے خود حیران کر کے رکھ دیا۔ انگریزی میں بات کرنا، یا ایک فقرے میں ایک آدھ لفظ جڑ دینا، ایسے ہی تھا، جیسے خود کو امیر، اور عقل مند ہونے کی تصدیق کروا دے۔وہ جانتی

تھی کہ علی اکبر انگریزی نہیں جانتا لیکن وہ بے حد مرعوب ہوا تھا۔ وہ اسے احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ وہ کوئی کم پڑھا لکھا لڑکا ہے۔ یہ سارا زبان کا کھیل تھا۔ نینا نے فقط علی اکبر پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس دوران اس نے کئی دوسرے لڑکوں سے بھی دوستی کر لی۔ اس نے اپنے طور پر ایک معیار اور حد بنالی ہوئی تھی کہ کسے کہاں تک رکھنا ہے۔ تقریباً تین مہینوں میں اس نے چوہدری پرویز کے بارے میں جان لیا کہ اس کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں۔ کون اس کا دشمن ہے اور کون اس کا دوست۔ اسے احساس دلائے بغیر اس نے تمام تر معمولات کے بارے میں جان لیا۔ یہاں تک کہ اس نے پوری طرح تصدیق بھی کر لی۔

جن لڑکوں کو اس نے دوست بنایا تھا، ان میں ایک ملک زاہد تھا، جن کے ساتھ چوہدری پرویز کی خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح چوہدری پرویز کو مزا چکھا سکے۔ نینا نے اس پر سب سے زیادہ توجہ دی اور باقیوں کو فی الحال نظر انداز کر دیا۔ یہ تین مہینے اُس نے پوری توجہ سے یہ کھیل کھیلا، ایک بالکل نئی لڑکی بن کر اس نے پوری طرح ملک زاہد کو شیشے میں اتار لیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا، جب اس نے اس کھیل کو منطقی انجام تک لے کر جانا تھا۔ ملک زاہد اس سے ملاقات کا مطالبہ کرتا تھا اور وہ اُسے طرح دے جاتی تھی۔ آخر ایک دن اس نے ملک زاہد کو ملنے کا عندیہ دے دیا۔ ایک ریستوران میں ملاقات کا اہتمام ہوا، اور طے کئے وقت پر وہاں پہنچ گئی۔ وہ اسے ایک ایسی لڑکی کے روپ میں ملی کہ جو ہیں تو بہت امیر لیکن انہیں باہر نہیں نکلنے دیتے۔ وہ چوری آئی ہے اور جلد واپس پلٹ جائے گی۔ اس نے اپنا نقاب نہیں اٹھایا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر پلٹ گئی۔

اس کے خیال میں یہ ضروری تھا۔ ملک زاہد نے اس سے شادی کرنے کا وعدہ کیا اور نجانے کیا کیا، جس اسے کوئی غرض نہیں تھی۔ چند دن بعد ہی اس نے ملک زاہد کو یہ بتایا کہ کوئی چوہدری پرویز اسے تنگ کرتا ہے؟ وہ کہہ رہا ہے ملک زاہد سے ملنا بند کر دو، کیا تم نے اُسے بتایا ہے؟ کیا وہ تمہارا دوست ہے؟ اُسے کیسے پتہ چلا؟ نینا نے کچھ اس انداز سے بتایا کہ ملک زاہد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے انتہائی غصے میں بس اتنا ہی کہا

’’اسے کہنا اگر وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے تو میرے سامنے آئے، میں اسے بتاؤں گا، میں تمہیں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔‘‘

’’لیکن میرے سوالوں کے جواب تو دو اس نے میرے کسی کو بتا دیا، میرے والدین کو پتہ چل گیا تب میں تو خودکشی کر لوں گی۔‘‘ اس نے روتے ہوئے کہا

’’تم نہیں، کوئی اور کرے گا۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے پہلی بار خود فون بند کیا تھا۔ نینا کو احساس ہو گیا کہ اب کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔ اس لئے وہ پوری طرح علی اکبر کے ساتھ رابطے میں تھی۔ اسے پتہ چلا کہ وہ کل دن کے وقت عدالت میں ایک پیشی پر جانے والے ہیں۔ پوری طرح تسلی کرنے کے بعد اس نے یہ بات ملک زاہد کو بتا دی۔ نینا نے اسے پوری کہانی بنا کر بتایا۔

’’آج اس کا فون آیا تھا اور پھر سے فضول باتیں کر رہا تھا، میں نے آپ کا پیغام اسے دے دیا۔‘‘

’’پھر کیا بولا وہ؟‘‘ اس نے پوچھا

’’یہی کہ میں کل پیشی پر جا رہا ہوں، اگر اس میں ہمت ہے تو مجھ سے اتنا ہی آ کر پوچھ لے، میں خاموش ہو گئی۔‘‘

’’اچھا، ایسے کہا اس نے؟‘‘ وہ غصے میں بے قابو ہونے لگا تو وہ تیزی سے بولی

’’اب آپ اس کے منہ نہ لگنے چلے جائیں، ایسے ہی فضول آدمی ہے، اس کا کیا بھروسہ۔‘‘

’’یہ تو کل ہی پتہ چلے گا‘‘ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ وہ یہ سوچنے لگی کہ اگلے دن کیا ہوگا۔

اگلے دن شہر سے باہر جانے والی سڑک پر تصادم ہو گیا۔ واقعہ کچھ یوں بتایا گیا تھا کہ چوہدری پرویز اور اس کے ساتھی کار پر شہر جا رہے تھے۔ راستے میں ملک زاہد نے ناکہ لگایا ہوا تھا۔ انہوں نے بغیر کوئی بات کئے، ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ میں علی اکبر مارا گیا۔ چوہدری

پرویز شدید زخمی ہو گیا۔اسے زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔اس کے بچنے کی بالکل بھی امید نہیں رہی تھی ۔ نینا اس وقت کا انتظار کر رہی تھی کہ کب اسے ہوش آتا ہے اور وہ کب اس کو بتائے گی کہ میں نے تم سے انتقام لے لیا ہے۔مگر اس کی حسرت دل میں رہی، وہ ہوش ہی میں نہیں آ رہا تھا۔ملک زاہد پکڑا گیا اور اسے جیل ہو گئی۔اس سے بات ہونا بھی بند ہو گئی ۔لوگوں کو یہی پتہ چلا کہ دونوں کے درمیان خاندانی لڑائی تھی۔

دوسرے ہفتے اسے ملک زاہد کی کال ملی۔وہ جیل میں سے کسی کے سیل فون سے کال کر رہا تھا۔

''دیکھ لیا تم نے، میں نے صرف تمہاری خاطر اسے ایسی حالت میں کر دیا ہے، کہ اب وہ دوبارہ تجھے فون کرنے کے لائق نہیں رہے گا۔'' اس نے فتح مندی کے احساس سے کہا

''میں نے ایسا کب چاہا تھا۔اب تم بھی......'' یہ کہتے ہوئے اس نے رونے کی اداکاری کی

''گھبراؤ نہیں، میں بس کچھ دنوں میں باہر آ جاؤں گا، بس تم میرا انتظار کرنا۔'' اس نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تو وہ پیار بھرے لہجے میں بولی

''اب تمہارا ہی تو انتظار ہے۔''

''دیکھ، میں اب پتہ نہیں کب فون کر پاؤں گا، تم بس اپنا خیال رکھنا۔'' اس نے پیار میں بھیگے ہوئے لہجے میں کہا

''بس تمہارا ہی خیال ہو گا، بس تم جلد لوٹ آنا۔'' وہ بولی

اس طرح کی چند دوسری باتوں کے بعد فون بند ہو گیا۔اس نے وہ سم نکالی اور اسے توڑ دیا۔ایک باب ختم ہو گیا۔

نینا نے بدلہ تو لے لیا تھا لیکن معیشت کا عفریت منہ کھولے انہیں نگلنے کو تیار تھا۔گھر میں معاشی بدحالی نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔اسکا چھوٹا بھائی انتہائی صبر سے صبح کام پر نکل جاتا، اگر کہیں مزدوری مل جاتی تو کر لیتا، نہ ملتی تو واپس گھر آ کر چارپائی پر گر جاتا۔اس کی ماں کی حالت بھی دن بدن خراب رہنے لگی تھی۔اسے یہ اچھی طرح پتہ تھا کہ اگر اس نے اپنی ماں کا علاج بروقت نہ کرایا تو وہ اسے بھی کھو دے گی۔اسے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ پورے علاقے میں اس کی ذات کے بارے میں کوئی اچھا تصور نہیں ہے۔سکول والوں کی رائے سن کر اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ کہیں نوکری کا سوچے۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

ایک دن اسی لیڈی کانسٹیبل کا فون آ گیا۔اس نے حال احوال پوچھنے کے بعد کہا

''تمہارے پاس نوکری کرنے کا ایک بہترین چانس ہے اگر تم کرنا چاہو؟''

''کہاں پر؟'' یہ پوچھنے کے بعد وہ اگلے ہی لمحے تیزی سے بولی،'' لیکن جہاں بھی ہو، میں نوکری ضرور کروں گی، ہمارے گھر کی حالت......'' اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکی

''نوکری پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہے، لڑکیوں کو بھرتی کیا جا رہا ہے، اگر تم نوکری کرنا چاہو تو کل صبح اپنے کاغذات لے کر تھانے آ جانا، مجھے امید ہے کہ تمہیں نوکری ضرور مل جائے گی۔'' لیڈی کانسٹیبل نے کہا تو وہ حتمی لہجے میں بولی

''میں پہنچ جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' لیڈی کانسٹیبل نے کہا اور کچھ دیر بعد فون بند کر دیا۔

اگلے دن اپنے گھر میں کسی کو بتائے بغیر وہ صبح کے وقت ہی پولیس لائین تھانے پہنچ گئی۔دوڑ وغیرہ لگانے کے بعد ان کا تحریری امتحان لیا گیا۔ ان کے قد ماپے گئے اور انہیں جانے کا کہہ دیا۔سو وہ گھر آ گئی۔

ان دنوں فون کھلا رکھنا اس کی مجبوری تھی، وہ جو ٹسٹ دے کر آئی تھی، اس کے بارے اسے دوسرے کسی ذریعے سے پتہ نہیں مل سکتا تھا۔

دو ہفتے بعد اسی لیڈی کانسٹیبل کا فون آ گیا۔اس نے بتایا کہ لسٹ لگ گئی ہے اور اس میں تمہارا نام سب سے اوپر ہے۔تمہیں نوکری مل گئی ہے

کل صبح آ کر نوکری جوائن کرو۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ ڈھلتے سورج کی روشنی انگریزوں کے زمانے کے بنے ہوئے اس پیلے کوارٹر پر پڑ رہی تھی، جس کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ اردگرد کا ماحول سنسان تھا۔ حالانکہ کوارٹروں کی ایک لمبی قطار تھی، ان میں پولیس والے ہی رہتے تھے۔ اس نے باہر لکھا ہوا پڑھا، ''بارک نمبر تین''

''یہ تمہارا کوارٹر ہے اور تم اسی میں رہو گی۔''

''میں یہاں، میرا مطلب......'' اس نے تیزی سے گھبراتے ہوئے پوچھا تو اسے وہاں لانے والا سمجھ گیا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔ اس لئے تحمل سے سمجھاتے ہوئے بولا

'' تم اندر جاؤ، وہاں تم سے سینئر ہیں، وہ تمہیں خود ہی ایڈجسٹ کر لیں گیں۔''

اس پر نینا نے گہری سانس لیا اور کوارٹر کے اندر قدم رکھ دیا۔ سامنے ہی برآمدے میں ایک فربہ مائل خاتون چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں نینا پر جم کر رہ گئیں۔ پھر چند لمحوں کے بعد اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان پھیل گئی۔ وہ اس کے قریب گئی تو وہ لیٹے لیٹے ہی بولی۔

''نئی بھرتی ہو؟'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا نام بتایا تو وہ بولی، ''جاؤ اندر، آپی فوزیہ ہے، اے ایس آئی ہے، یہاں ہم سب میں سینئر، وہ سب سمجھا دے گی۔''

وہ اندر کمرے میں گئی تو کمرے کے ایک کونے میں ایک پتلی سی مگر مضبوط خاتون اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب تک وہ اس کے قریب گئی نہیں چلی اور ہاتھ نہیں ملا لیا وہ اسے سر سے پیر تک دیکھ کر اس کا جائزہ لیتی رہی۔

''خوش آمدید، ڈیپارٹمنٹ میں اور یہاں ہماری ساتھی بننے پر بھی۔'' آپی فوزیہ نے کہا

''جی بہت شکریہ۔'' وہ منمنائی۔ دراصل اسے الجھن ہو رہی تھی۔ ہیڈ کانسٹیبل فوزیہ مسلسل اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ جیسے ایکسرے کر رہی ہو۔

''اچھا جاؤ، یہ ساتھ والا کمرہ ہے، وہاں چارپائی پڑی ہے، شاید بستر بھی ہو گا۔ تم جا کر وہیں آرام کرو، باقی باتیں رات کھانے پر ہوں گیں۔'' ہیڈ کانسٹیبل فوزیہ نے کہا تو وہ جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

اس کمرے میں تین چار چارپائیاں پڑی تھیں، ایک پرانا میز اور دو کرسیاں، یہی اس کمرے کی کل کائنات تھی۔ ایک کونے میں ٹرنک اور بیگ دھرے ہوئے تھے۔ وہیں اس نے اپنا بیگ بھی رکھ دیا۔ اور ایک چارپائی پر لیٹ گئی۔ جس پر بستر نہیں تھا۔

انہیں لمحات میں اسے اپنی ماں کا چہرہ یاد آ گیا، خاص طور پر وہ ڈبڈبائی آنکھیں، جن میں نجانے کتنی باتیں پوشیدہ تھیں۔ وہ ان ساری باتوں کو سمجھتی تھی۔ ماں نے ایک لفظ نہیں کہا لیکن وہ ہر بات سمجھ گئی کہ ماں آخر کہنا کیا چاہتی ہے۔ اسے پتہ تھا کہ آنے والے دنوں میں اسے فقط مان کا ہی احساس ہو گا۔ اس نے اپنا جی کڑا کر لیا۔ وہ بہت کچھ سوچنا چاہتی تھی لیکن اس کی آنکھ لگ گئی۔

رات کے کھانے پر اس کوارٹر میں رہنے والی سبھی خواتین تھیں۔ اسے یہ دیکھ کر بہت خوشی محسوس ہوئی کہ وہاں دو مزید لڑکیاں آ گئی تھیں، جو اس کی ہم عمر اور اس کے ساتھ ہی بھرتی ہوئیں تھیں۔ کھانے کے بعد گپ شپ میں آپی فوزیہ نے بہت ساری باتیں کیں، اسے سب بھول گئیں سوائے ایک بات کے کہ، یہ دنیا جنگل ہے اور یہاں نجانے کیسے کیسے درندوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہاں ہر وقت آنکھیں کھول کر رکھنا پڑتی ہیں۔ جب تک تم اپنا خیال نہیں رکھو گی، تب تک کوئی دوسرا تمہارا خیال نہیں رکھے گا۔ وہ رات تعارف اور باتوں میں گزر گئی۔ اس رات سے اس کی ملازمت کا آغاز ہو گیا۔

وہ چند کپڑے لے کر آئی تھی۔ اگلی بار جب گھر سے وہ بستر اٹھانے لگی تو اسے اپنی کتابوں اور ناول کا خیال آیا، جو اس کی چارپائی کے نیچے اور

الماریوں میں بھرے پڑے تھے۔وہ یہ سب پڑھ چکی تھی۔اس نے اپنے چند پسندیدہ ناول اٹھانے چاہے تو ایک دم سے اسے خیال آیا کہ اس کا مذاق اُڑایا جائے گا۔انگریزی ناول پڑھنے والی ایک معمولی کانسٹیبل؟ اس نے ان میں سے کوئی نہ اٹھایا۔اس نے اپنی ماں سے کہہ دیا کہ اب کوئی ردی والا آئے تو اسے یہ سارے بیچ دے۔وہ شہر آ گئی۔

ملازمت کے شروع دنوں میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔یہ حال اس کی دوسری نئی بھرتی ہونے والی لڑکیوں کا تھا۔وہ ڈیوٹی کرتی، جو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ کسی ملزم عورت کو عدالت لے جاتی اور واپس تھانے یا جیل لے جاتی۔یا پھر کسی تھانے میں کسی ملزمہ کے پاس بیٹھنا پڑتا۔اس کے علاوہ وہ یا تو سوتی رہتی تھی، یا دوسری لڑکیوں کے ساتھ گپیں لگاتی رہتی۔

وہ ایک عام سی لڑکی کی مانند نوکری کرتی رہی، جیسے دوسری لڑکیاں کر رہی تھیں۔انہیں کہا گیا کہ ابھی ان کی ٹریننگ ہونی ہے۔اس وقت ان سے پہلے والا بیچ چل رہا جیسے ہی وہ پاس آؤٹ انہیں ٹریننگ کے لئے جانا ہوگا۔اس دوران وہ اپنی محسن لیڈی کانسٹیبل سی ملتی رہی۔وہ اسے نوکری کرنے کے گُر اور طریقے بتاتی رہی۔اس نے اس بندے کے بارے میں بھی بتا دیا کہ وہ کون تھا۔ایسے لوگوں سے کس طرح بنا کر رکھنی چاہئے، وہ کیسے کیسے مقام پر کس طرح کام آتے ہیں۔یوں چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا۔

اُس دن وہ تھانے میں تھی۔جب اس کی ٹیچر سمیرا کا فون آیا۔اس سے نینا کا رابطہ رہتا تھا۔وہ اکثر ان کے ہاں چلی جاتی، جب سائرہ آئی ہوتی۔لیکن وہ اس کے پاس زیادہ نہ بیٹھا کرتی تھی۔اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا تھا۔ٹیچر سمیرا نے اسے فوراً اپنے ہاں بلایا تھا۔وہ آپی فوزیہ کو بتا کر ان کے گھر چلی گئی۔سائرہ آئی ہوئی تھی۔وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی تو میڈم نے سائرہ کو چائے بنانے بھیج دیا پھر اس سے بولی

’’یہ جو بات میں تمہیں بتانے لگی ہوں، اس کا سائرہ سے ذکر نہیں کرنا، وہ خوامخواہ پریشان ہوگی۔‘‘

’’ایسی کیا بات ہے؟‘‘ نینا نے تجسس اور حیرت سے پوچھا، کیونکہ ان دو ماں بیٹی کے درمیان کچھ بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔

’’بات یہ ہے کہ میں ایک اکیلی بیوہ عورت ہوں۔بیٹی پرایا دھن ہے، اس کا ماسٹرز مکمل ہو جائے تو میں اس کی شادی کر دوں گی۔اور میرے پاس بچے گا، میرا یہی گھر، جہاں میں اپنی زندگی کے باقی دن گزارنا چاہتی ہوں۔لیکن......‘‘

’’لیکن کیا؟‘‘ اس نے پوچھا

’’تقریباً دو مہینے ہو گئے ہیں، چند لوگ فون کر کے اور دو بار عورتیں بھیج کر مجھے اس بات پر راضی کرنا چاہتے ہیں کہ میں یہ گھر انہیں فروخت کر دوں۔اور جو قیمت بتاتے ہیں وہ انتہائی معمولی سی ہے۔ظاہر ہے میں نے انکار ہی کرنا ہے۔میں کہاں جاؤں؟ میں کیوں فروخت کروں؟‘‘ میڈم نے کافی حد تک غصے میں کہا

’’تو پھر، وہ کیوں؟‘‘ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تو میڈم بولیں

’’دراصل جو لوگ یہاں پلازہ بنانا چاہ رہے ہیں، انہوں نے کچھ غلط قسم کے لوگوں کا تعاون لیا ہوا ہے اور مجھے ہر وقت دھمکاتے رہتے ہیں۔مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں۔میرا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں بنے گا۔‘‘

’’دیکھیں میڈم۔! یہ بہت ظالم دنیا ہے۔آپ شاید ان کا مقابلہ نہ کر پائیں، میرے خیال میں آپ کو یہاں سے شفٹ ہو جانا چاہئے، وہ لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔‘‘ اس نے اپنی دانست میں درست کہا تھا۔کیونکہ وہ جانتی تھی کہ شہر میں ایک ہی لینڈ مافیا ہے اور وہ لوگ بہت ظالم تھے

’’لیکن جو قیمت دے رہے ہیں، میں تو اس سے گھر نہیں خرید سکتی۔میں یہاں سکون سے ہوں، کیوں ڈسٹرب کرتے ہیں یہ لوگ؟‘‘ میڈم نے غصے میں کہا۔وہ خاموش ہو گئی پھر چند لمحے سوچنے کے بعد پوچھا

’’تو کیا کریں؟‘‘

’’میں یہی چاہ رہی ہوں کہ پولیس کی مدد لی جائے، ممکن ہے وہ پولیس ہی کے ڈر سے یہ خیال چھوڑ دیں۔‘‘ میڈم نے ایک اُمید پر کہا تو وہ بولی

''میں اس علاقے کے انسپکٹر سے آپ کو ملوادوں گی، کوشش کروں گی کہ ڈی ایس پی صاحب سے ملوادوں۔ باقی دیکھیں کیا ہوتا ہے۔''

وہ اسی شام واپس پولیس لائین چلی گئی۔ رات گئے تک سوچتی رہی کہ اس مسئلے کا حل کیا ہو سکتا ہے۔ وہ ہر حال میں اپنی میڈم کا ساتھ دینا چاہتی تھی۔ میڈم اس کی محسن تھی اور وہ احسان فراموش نہیں تھی۔ اسے یہ اچھی طرح خبر تھی کہ وہ لینڈ مافیا خطرناک لوگوں کا ہے، لیکن وہ پولیس کے بغیر نہیں چل سکتے تھے۔ اسے بہت حد تک یقین تھا کہ یہ معاملہ حل ہو جائے گا۔ سو اس نے دو دن میں ہی میڈم سمیرا کی ملاقات ڈی ایس پی سے کروادی۔

میڈم نے پوری تفصیل کے ساتھ ڈی ایس پی کو ساری بات سمجھائی۔ پھر اس سے مدد کی درخواست کی۔ ڈی ایس پی نے وعدہ کیا کہ کوئی انہیں کچھ نہیں کہے گا، سکون سے رہیں۔ وہ مطمئن ہو کر آ گئی۔ نینا کو خوشی ہوئی کہ وہ اپنی محسن کے کام آئی۔ پہلی بار اسے پولیس کی نوکری کرنا اچھا لگا تھا۔ وہ رات خوب جی بھر کے سوئی تھی۔

اگلے دن کی سہ پہر تھی۔ وہ عدالت سے ڈیوٹی کر کے آئی تھی۔ ابھی اس نے یونیفارم بھی نہیں اتارا تھا کہ اسے میڈم سمیرا کی کال آئی، اس نے کال رسیو کی تو میڈم سمیرا ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

'' خدا کے لئے کچھ کرو، وہ لوگ سائرہ کو اُٹھا کر لے گئے ہیں۔ میری بیٹی، وہ ظالم......''

یہ سنتے ہی نینا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ یہ کیا ہو گیا۔ میڈم کی چیخیں اس کے کان میں پڑ رہی تھیں اور اس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ معصوم سی سائرہ، جس نے دنیا داری تو کیا برتنی تھی، اس کی خُو بو سے بھی واقف نہیں تھی۔ فاختہ کی طرح چھوٹے دل والی سائرہ تو یہ خوفناک حالات برداشت ہی نہیں کر پائے گی۔ وہ تو مر جائے گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ بولی

''جی جی میڈم، میں کچھ کرتی ہوں۔''

'' جلدی کرو۔ اللہ کیلئے جلدی کرو۔'' وہ چیخ رہی تھی، دھاڑیں مار رہی تھی۔ اس نے تیزی سے سیل فون بند کیا اور اسی طرح پلٹ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ آپی فوزیہ تھانے میں تھی۔ وہ انتہائی تیزی سے اس کے پاس پہنچی اور اسے ایک ہی سانس میں سب بتا دیا۔ وہ بھی حیرت زدہ رہ گئی۔

'' یہ کیا ہوا؟''

'' پتہ نہیں آپی، وہ میری بہنوں کی طرح ہے، خدا کے لئے اسے بچالیں۔'' اس نے منّت کرنے والے انداز میں کہا تو آپی فوزیہ اٹھتے ہوئے بولی

'' آؤ! چلتے ہیں۔''

وہ سیدھی ڈی ایس پی کے پاس گئی۔ وہ اس وقت گھر پر تھا۔ اس نے جاتے ہی کہا

''سر جی۔! کیا اس میڈم کا یہی قصور تھا کہ وہ آپ کے پاس آ گئی تھی۔ اس نے پولیس سے مدد چاہی تھی؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی معصوم بیٹی کو اٹھا لیا گیا؟'' اس پر ڈی ایس پی خاموش رہا، پھر غصے میں کانپتے ہوئے بولا

''ایک منٹ ٹھہرو۔'' یہ کہہ کر اس نے سیل فون نکالا اور انسپکٹر سے ساری بات کہہ کر بولا ''ایک تو یہ پتہ کرو کہ دفتر میں ان کا مخبر کون ہے؟ دوسرا فوراً وہ لڑکی بازیاب کرو، کوئی سمجھوتہ نہیں، جانتے ہو وہ یہاں کے کالج کی لیکچرار ہے، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے سیل فون بند کر دیا۔ پھر انہیں انسپکٹر رفاقت سے ملنے کو کہا۔ وہ فوراً تھانے آئی تو پولیس پارٹی تیار تھی۔ وہ ان کے ساتھ میڈم سمیرا کے گھر چلے گئے۔ کچھ دیر تفصیل سننے کے بعد انسپکٹر رفاقت وہاں سے نکلا تب تک اس کے پاس کافی نفری آ گئی تھی۔ وہ لوگ دو جگہ سے بندے پکڑ کر تھانے چھوڑ آئے تھے۔

اس وقت سورج ڈوب رہا تھا، جب انہیں معلوم ہوا کہ لڑکی کہاں ہو سکتی ہے۔ جیسے ہی انسپکٹر رفاقت کو پتہ چلا، اس نے ڈی ایس پی کو فون کیا۔ پھر وہ سیدھا سردار مٹھن خان کے ڈیرے پر جا پہنچا۔ نینا اس کے ساتھ ہی تھی۔ گیٹ پر انہیں روک لیا گیا۔

''سردار سائیں کی اجازت کے بغیر تم لوگ اندر نہیں جا سکتے ہو؟'' گیٹ پر موجود ایک لحیم شحیم بندے نے کہا تو وہ بولا

''جاؤ پھر کہو سردار کو، بتاؤ انسپکٹر رفاقت آیا ہے۔''

اس نے انٹر کام کا رسیور اٹھایا اور اندر کسی کو بتایا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سن کر بولا ''جاؤ، لیکن ہتھیار ادھر رکھ کر جاؤ۔''

انسپکٹر رفاقت نے سنا اور ڈی ایس پی کو کال کر دی۔ اسے ساری صورت حال بتائی تو ہدایات لے کر گیٹ پر کھڑے بندے سے بولا ''سردار سے کہہ دینا میں واپس جا رہا ہوں لیکن جلدی آؤں گا۔'' یہ کہتے ہی وہ مڑ گیا اور تھوڑی فاصلے پر جا کر مختلف لوگوں کو فون کرنے لگا۔

نینا یہ سب دیکھتے ہوئے تڑپ رہی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ایسا کیا کرے کہ اُڑ کر ڈیرے کے اندر چلی جائے اور سائرہ کو نکال کر لے آئے۔ وہ مضطرب سی انسپکٹر رفاقت کے پاس گئی اور بڑی لجالت سے پوچھا

'' سر جی، یہ کیا ہے، ہم ایسے ہی......''

''یہ وہ بڑے لوگ ہیں جو ہم پر حکومت کرتے ہیں، ہم عوام بے غیرت ہیں جو ایسے حرام زادوں کو اپنے اوپر مسلط کرتے ہیں۔ یہ عوام کے گھروں سے ان کی بیٹیاں اٹھا لیں اور ہم ان کے ڈیرے کے اندر نہیں جا سکتے۔ لعنت ہے اس سسٹم پر۔'' اس نے بے ساختہ کہا تو وہ تڑپ کر بولی

''سر کیا ہم ناکام ہو جائیں گے۔''

''نہیں، میں ان بہن......کو ناہی کے بل سے نکالتا ہوں۔ شہر میں ان کے گماشتے تھانے پہنچ چکے ہیں اور وہاں ان کی چھترول ہو رہی ہے۔ وہ بک رہے ہیں، کتنی دیر چھپیں گے یہ؟'' اس نے غصے میں بے ساختہ مغلظات بکتے ہوئے کہا۔

وہ تھانے کے ساتھ رابطے میں تھا، اسے پل پل کی خبر مل رہی تھی ۔ دس سے زیادہ لوگ تھانے میں لا کر لٹا لئے تھے اور ان کے ورثاء انہیں بچانے کی کوشش میں تھے۔ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ اندر سے چار پانچ بندے تیزی سے باہر آئے۔ ان میں سے ایک بڑی عمر کا تھا، اس نے آتے ہی ایک سانس میں کہتا چلا گیا

''اُو سر جی، ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا کہ آپ ہیں۔ انسپکٹر رفاقت آئے تو اس کے لئے ڈیرے کا دروازہ نہ کھلے یہ ناممکن ہے سر آئیں۔''

''لڑکی کہاں ہے؟'' اس نے کوئی تاثر لئے بغیر پوچھا تو وہی ادھیڑ عمر آدمی بولا

''اندر ہے، آؤ نا۔''

''دیکھ لو......؟'' انسپکٹر رفاقت نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا تو وہ بولا

''ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

اس نے کہا ہی تھا کہ انسپکٹر رفاقت نے وائرلیس پر پیغام دے دیا کہ وہ سردار مٹھن خان کے ڈیرے کے اندر جا رہا ہے۔ اس نے ادھیڑ عمر آدمی کو باور کرا دیا کہ وہ ڈیوٹی پر ہے اور اس کا محکمہ جانتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے لوگوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔

اندر کا منظر وحشت ناک تھا۔ بڑا سا رامحن جہاں ختم ہوتا تھا، وہیں سے دالان شروع ہوتا تھا۔ اس کے بعد کہیں کمرے تھے۔ اس دالان کے پاس ایک لڑکی فرش پر ڈھیر تھی۔ نینا کی نگاہ جیسے ہی اس پر پڑی، وہ پہچان گئی یہ تو سائرہ ہے۔ اس کی حالت اس قدر خستہ تھی کہ پہلی نگاہ میں پہچانی ہی نہیں جا رہی تھی۔ وہ تیر کی مانند اس تک پہنچی۔ اس نے جا کر سائرہ کا چہرہ اٹھایا۔ وہ ہونقوں کی مانند اسے دیکھ رہی تھی، جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کا چہرہ ناخنوں سے چھدا ہوا تھا۔ گردن پر سرخ دھبے تھے، جیسے کسی کتے نے اپنی خباثت دکھائی ہو۔ اس کے کپڑے گریبان سے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ اپنا جسم ڈھانپنے کی کوشش میں سمٹی ہوئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کچھ بھی سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔

''تم ٹھیک ہو سائرہ بولو پلیز۔'' نینا نے لرزتے ہوئی آواز میں پوچھا تو سائرہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر پاگلوں کی طرح بولی

''نہیں، ان کتوں نے مجھے چیر پھاڑ کر کھا لیا ہے۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ میں گندی ہو گئی ہوں، تم پرے ہٹ جاؤ۔'' اس

نے ہذیانی انداز میں کہا۔

ایسے میں اسی کے پیچھے دالان میں ایک نوجوان ظاہر ہوا، اس کے ساتھ تین لڑکے مزید بھی تھے۔ وہ نوجوان زیادہ تروتازہ اور امیر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے انتہائی سختی سے کہا

’’تم اپنی ماں کو سمجھاتی نا کہ تھانے جانے سے کچھ نہیں ہوتا، اب جاؤ یہاں سے، شکر کرو میں نے تمہیں مارا نہیں، ورنہ میں زندہ نہیں رکھتا کسی کو ۔‘‘

نینا نے سنا تو اس کے دماغ میں ایک الاؤ اٹھ گیا۔ غصے سے ماؤف ہوتے دماغ میں وہ بے ساختہ بولی

’’تم کون ہو بے غیرت؟‘‘

’’زبان سنبھال اُو دو ٹکے کی پولیس والی۔‘‘ اس نوجوان کی بجائے اس کے قریب کھڑے ایک شخص نے کہا جو شکل سے ہی نوکر دکھائی دے رہا تھا۔

’’تم تو دو ٹکے کے بھی نہیں ہو کتے۔‘‘ نینا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

’’واہ۔! سلامت خان واہ، پہلی بار کسی پولیس والی کی جرات دیکھی ہے کہ وہ خان فرحان کے سامنے بولے۔‘‘ اس نوجوان نے تالی بجاتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا اور دو قدم آگے بڑھ آیا۔ پھر اپنے گن مین سے گن لے کر بولا ’’شکر کرو، میں نے اسے مارا نہیں تھا، ایویں بس اپنا بستر گرم کیا تھا، اور چھوڑ دیا کہ پولیس والوں کو اس کی ضرورت ہے، لیکن اب نہیں۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے چشم زدن میں گن سیدھی کی اور فرش پر پڑی مدہوش سائرہ پر فائر کر دیا۔ بلاشبہ وہ گولی اسے لگ جاتی تھی، لیکن نینا اپنی جگہ سے یوں اچھلی تھی کہ اُڑتی ہوئی اس کے ہاتھ پر جا پڑی، جس سے نشانہ خطا گیا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ مدہوش سائرہ کا ردعمل یوں تھا کہ جیسے اسے کوئی خبر ہی نہ ہو کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ ہوش و حواس سے بے گانہ پڑی ہوئی تھی۔ خان فرحان کی گن گر چکی تھی۔ اسی لمحے انسپکٹر رفاقت نے اونچی آواز میں کہا

’’بہت ہو چکا، بند کرو یہ ڈرامہ چھوٹے خان۔‘‘

’’ہوں، میں بند کروں یہ ڈرامہ، ارے ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اب دیکھو۔‘‘

’’میں اب بھی سمجھا رہا ہوں چھوٹے خان۔‘‘ انسپکٹر رفاقت نے کہا تو خان فرحان سے سلامت خان نے کہا

’’خان جی آپ اندر چلیں، میں دیکھتا ہوں۔‘‘

’’نہیں، یوں نہیں،‘‘ اس نے غصے میں یوں کہا جیسے خود پر قابو نہ ہو۔ تبھی سلامت خان نے ان تینوں نوجوانوں کی طرف دیکھ کر کہا

’’آپ ہی لے جائیں خان جی کو اندر۔‘‘

ان تینوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر ایک نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا

’’یہ تو خان کا فیصلہ ہے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔‘‘

’’دیکھ، یہ پولیس والی بھی کیا کم خوبصورت ہے، اس کے ابھی کپڑے اُتار اور اِدھر ہی اُتار، اسے دیکھتے ہیں، جتنی یہ خوبصورت ہے اس کا جسم بھی اتنا ہی خوبصورت ہوگا۔‘‘ اس نے مڑ کر اپنے دوستوں سے پوچھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیئے، تبھی ایک نے کہا

’’ہاں خان، ہے تو خوبصورت، یہ اس سے زیادہ رسیلی لگ رہی ہے۔ کیوں نا آج یہی سہی۔‘‘

’’ہاں، ذرا نہلا دھلا کر چکھ لیں گے۔‘‘ اس نے کہا تو اس کے حواری دوستوں نے زوردار قہقہہ لگا دیا۔ اس پر انسپکٹر رفاقت آگے بڑھا اور اس نے سائرہ کو اٹھانے کا اشارہ کیا۔ تبھی خان فرحان نے اونچی آواز میں کہا، ’’نہیں انسپکٹر، ان دونوں میں سے ایک کو چھوڑ کر جانا ہوگا تمہیں، اب یہ میری ضد ہے۔‘‘

”خان جی چلیں نا اندر میں بتاتا ہوں نا آپ کو۔“ سلامت خان نے التجا سے کہا تو وہ بولا

”اور یہ میرا حکم ہے کہ اس پولیس والی کے کپڑے اُتارو، ابھی اسی وقت، ورنہ تم میں سے کوئی نہیں رہے گا، جلدی۔“

اس کے حکم پر چند گن مین نینا کی جانب آگے بڑھے۔ پولیس والے اسے بچانے کے لئے لپکے تو وہاں پر موجود سیکورٹی والوں نے اپنی گنیں ان پر تان لیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے گھبرا گئی۔ پولیس والے اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر انسپکٹر رفاقت نے آگے بڑھتے ہوئے مصالحانہ انداز میں کہا

”دیکھ۔! چھوٹے خان، میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں، میں اس لڑکی کو بازیاب کرنے آیا ہوں، اندر جاؤ، اور مجھے میرا کام کرنے دو۔“

”تم مجھے نہیں جانتے ہو، اور نہ میری ضد سے واقف ہو، جاؤ، اور اس پولیس والی کو چھوڑ جاؤ“ اس نے حقارت سے کہا پھر گھور کر رُخ کرکے ہوئے سیکورٹی والوں کو دیکھا، وہ آگے بڑھ کر نینا کو پکڑنے لگے، نینا بے بس ہو چکی تھی۔ سلامت خان آگے بڑھا اور اس کے پاس گیا۔ اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالا، اور اس کا گریبان چاک کر دیا۔ اسی لمحے اس کے پیچھے کھڑے ایک گن مین نے اسے گردن سے پکڑ کر دھکا دیا۔ وہ فرش پر جا پڑی۔ اس کے سر کی ٹوپی وہیں کہیں گر گئی۔

”اس کی قمیض پھاڑو سلامت خان۔“ خان فرحان کا حکم گونجا۔ اس نے آگے بڑھ کر نینا کی قمیض پکڑ کر پھاڑ دی۔ نینا کا اوپری سفید اُجلا بدن، گہری نیلی وردی کی دھجیوں میں سے جھانک رہا تھا۔ ”اب اس کی شلوار بھی۔“ اس کا حکم پھر گونجا ہی تھا کہ ایک ٹھنڈی سی آواز گونجی

”کیا کرتے ہو بیٹے، ایسے خواہ مخواہ ضد نہیں کرتے، یہ انسپکٹر اپنا کام کر رہا ہے، اسے کرنے دو۔“

اس ٹھنڈی آواز کے ساتھ ہی ایک ادھیڑ عمر شخص نمودار ہوا۔ وہ سردار مٹھن خان تھا، جو اسی وقت وہاں آ گیا تھا۔ درمیانے قد کا، سرخ سپید چہرہ، اس کے چہرے پر خاص بات اس کی اوپر کو اٹھی ہوئیں نوک دار خشخشی مونچھیں تھیں۔ سفید کرتا اور شلوار پہنے ہوئے تھا۔ اس کے کاندھے پر لُنگی نما چادر تھی۔ اس کے یوں کہنے پر سیکورٹی والے ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا ہوا چند قدم آگے آیا اور انسپکٹر رفاقت سے مخاطب ہو کر بولا، ”لے جاؤ، اس بے چاری لڑکی کو لے جاؤ۔ ادھر رستے میں بے ہوش پڑی تھی۔ میرے آدمی اسے اٹھا کر لے آئے ہیں۔ ورنہ یہ بے چاری وہیں مر جاتی۔“

”سردار جی۔! آپ کے بیٹے نے بہت......“

”وہی سنو، جو میں کہہ رہا ہوں۔ یہی بات تم نے ایف آئی آر میں بھی لکھنی ہے نا، میں اسی لئے تمہیں بتا رہا ہوں۔ اب ایسا کر جلدی سے چلا جا، اس بے چاری لڑکی کو کسی ہسپتال میں داخل کروا۔ تم بھی تلاش کرو، ہم بھی وہ مجرم ڈھونڈتے ہیں، جنہوں نے اس بے چاری پر ظلم کیا، میں نے ڈی ایس پی سے بات کر لی ہے۔“ اس نے یہ کہا، چند لمحے انسپکٹر رفاقت کے چہرے پر دیکھا پھر مڑ کر واپس چلا گیا۔ خان فرحان اپنے دوستوں کے ساتھ، اس کی باتوں کے دوران ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔ انسپکٹر رفاقت نے کوئی بات نہیں کی۔ نینا نے خود کو سمیٹا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے دماغ میں جو بے بسی کا دکھ تھا، وہ سلگنے لگا۔ وہ سائرہ کے پاس گئی اور اسے اٹھا کر ڈیرے سے چل دی۔ آگ کا شعلہ اس کے دماغ میں بھڑک اٹھا تھا۔ اس نے اپنا آپ اپنے آنچل میں چھپا لیا تھا۔

انسپکٹر رفاقت غصے سے زیادہ دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ ڈی ایس پی وہیں موجود تھا۔ اسے دیکھ کر وہ دکھ بھرے لہجے میں بولا

”سر۔! میں ایف آئی آر نہیں، اپنا استعفیٰ لکھوں گا، مجھے یہ نوکری نہیں کرنی۔“

”نہیں، تم ابھی اپنا غصہ ان پر نکال لو جو اس میڈم کو تنگ کرتے رہے ہیں، انہیں لے آئے ہیں۔ پہلے تم ایف آئی آر درج کراؤ پھر جاؤ اور اس بچی کو ہسپتال داخل کرا آؤ۔“ ڈی ایس پی نے کافی حد تک نرم لہجے میں کہا

”نہیں سر، میں......“

''جو کہہ رہا ہوں نا وہ کرو، بعد میں تم جو کہو گے وہی گا، تھوڑی سی عقل برتو۔ان کے جسم پر نشان چھوڑو، میں بیٹھا ہوں ادھر۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔ نینا کو معلوم تھا کہ ایف آئی آر کے بعد وہ سائرہ کا میڈیکل کروانا چاہتے ہیں۔ وہ بھی ساتھ جانے کو تیار تھی۔ ایف آئی آر درج ہو گئی۔ اتنے میں میڈم سمیرا آ گئی۔ اس کی حالت پاگلوں کی طرح تھی۔ اس کی ایسی حالت کیوں نہ ہوتی، جس کی ایک اکلوتی بیٹی کو بھیڑیوں نے چیر پھاڑ کر رکھ دیا ہو۔

کیسی یہ زمین ہے اور کیسا اس کا قانون ہے، ایک بے غیرت شخص نے بڑے آرام سے ان پولیس والوں کو سمجھا دیا تھا کہ ایف آئی آر کیسے درج کرنی ہے۔ قانون کی دھجیاں یوں اڑائی جاتی ہیں؟ اس میں ایک استاد کی یوں توہین ہی نہیں اس پر ظلم بھی کیا جائے گا، نینا سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ میڈم سمیرا آئی اور کچھ کہے بنا اپنی بیٹی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے یوں تکنے لگی، جیسے وہ پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ وہ اس کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگی یوں جیسے اس کے زخموں کو اپنے بدن پر محسوس کر رہی ہو۔ پھر اس نے بڑی نرمی سے سائرہ کو اٹھاتے ہوئے بولی

''آؤ چلیں، اب ہم یہاں نہیں رہیں گے۔'' یہ لفظ کسی تیر کی طرح نینا کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ وہ بے ساختہ آگے بڑھی تو میڈم سمیرا نے ہاتھ کے اشارے سے وہیں روکتے ہوئے کہا،'' وہیں رُک جاؤ، آگے مت بڑھنا، میں نے سوچا تھا، پولیس تحفظ دیتی ہے، جب پولیس ہی ناکارہ ہے تو کسی کا کیا دوش۔ ہم پہ ظلم ہوا کوئی بات نہیں، تم بھی کبھی اپنی صورت نہ دکھانا'' میڈم کا لہجہ اس کا جگر چھلنی کر گیا۔ وہ ساکت ہو گئی تھی۔ ڈی ایس پی نے جب اسے جاتے ہوئے دیکھا تو کہا

''میڈم، ایف آئی آر درج کرنی ہے اور......''

''جو حفاظت نہ کر سکے، وہ انصاف کیا دلا سکتا ہے۔ یہ زمین اب انسانوں کے لئے نہیں رہی۔'' یہ کہہ کر وہ سائرہ کو لے چل دی۔ باوجود شدید خواہش کے وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکی۔ سبھی بے دست و پا، وہیں کھڑے رہ گئے۔

ڈی ایس پی چلا گیا تو انسپکٹر رفاقت اپنا غصہ وہاں پکڑے ہوئے ملزموں پر اتارنے لگا۔ جبکہ نینا وہاں سے نکلی اور پولیس لائین میں اپنی بارک جا پہنچی۔ اس نے کپڑے بدلے تو وہاں موجود ہر لڑکی کو پتہ چل گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔ آپی فوزیہ نے زبردستی اسے کھلانا پلانا چاہا مگر اس کا جی نہیں چاہا۔ وہ ایک کونے میں جا بیٹھی۔ وہ رونا چاہتی تھی، مگر رو نہیں پا رہی تھی۔ آنسو اس کی پلکوں پر خشک ہو چکے تھے۔ اسے بار بار خان فرحان کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ کس قدر غرور اور رعونت کے ساتھ اس نے سائرہ پر گولی چلائی تھی۔ اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی اٹھے اور اس بے غیرت سانپ کا سر اپنے ہاتھوں سے کچل دے۔ لیکن وہ بے بس تھی۔

ساری رات بیت گئی۔ وہ اسی طرح چارپائی کے ساتھ لگی فرش پر بیٹھی خود سے سوال کرتی رہی۔ کیا ظلم کے لئے کمزور ہی ہوتے ہیں؟ ہاں کمزوروں پر ہی ظلم ہوتا ہے۔ ان کا جرم یہ ہے کہ وہ طاقت ور کیوں نہیں؟ یہ مظلوم ہی ہے جو ظالم کو جنم دیتا ہے۔ ظالم کے ظلم ہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر بے غیرت، کمینہ اور ننگِ انسانیت ہے۔ وقت کا احساس ہی نہ ہوا۔ ابھی ملجگا اندھیرا تھا۔ اس کا فون بج اٹھا۔ انسپکٹر رفاقت کی کال تھی۔ اس نے فوری طور پر اسے تھانے بلایا تھا۔

جس وقت وہ تھانے پہنچی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے دو چارپائیاں پر سفید چادر سے ڈھکے دو جسم پڑے تھے۔ انسپکٹر رفاقت نے اشارے سے کہا کہ اس لاش کا منہ دیکھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کپڑا ہٹایا تو وہ تاب نہ لا سکی۔ جلے ہوئے چہرے، مسخ ہو چکے تھے۔ اگر وہ ان کے ساتھ نہ رہی ہوتی تو شاید وہ انہیں پہچان بھی نہ پاتی۔ وہ میڈم سمیرا کی لاش تھی۔ وہ میٹھی نیند سو چکی تھی۔ وہ میڈم کا چہرہ دیکھتے ہوئے جم کر رہ گئی۔ اس کے کانوں میں میڈم کے کہے یہ لفظ گونج گئے کہ'' آؤ چلیں، اب ہم یہاں نہیں رہیں گے۔'' اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ سائرہ کی لاش دیکھے۔ اس کے قریب کھڑی ایک اہلکار نے سائرہ کے چہرے سے بھی کپڑا ہٹا دیا۔ وہ معصوم بھی اس دنیا کے ظلم کا شکار ہو کر یہاں سے جا چکی تھی۔ نینا سے دیکھا نہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیر چھا گیا۔ اس کا سر گھوما اور وہ وہیں گر گئی۔ وہ ہونقوں کی طرح یہ سب دیکھتی رہی

جیسے بندہ سامنے دیکھ رہا ہوتا ہے، لیکن اس کی عقل سمجھ ماؤف ہو جاتی ہے۔ وہیں اسے پتہ چلا کہ ان دونوں ماں بیٹی کو کچھ لوگوں نے قتل کیا ہے؟ یہ ساری کاروائی وہاں موجود ایک چوکیدار نے دیکھی تھی۔ وہ لوگ تھے جو ایک کار میں سے نکلے تھے۔ وہ گھر کی چار دیواری پھلانگ کر اندر کود گئے ۔ چند منٹ بعد ہی ایک دم اندر سے فائرنگ کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ چوکیدار اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے واویلا کیا، لوگوں کو بلانے کے لئے بھاگا، اس کے واویلے پر لوگ اپنے گھروں سے نکل بھی آئے لیکن اس وقت تک وہ حملہ آور باہر آ چکے تھے۔ وہ اطمینان سے کار میں بیٹھے اور وہاں سے چل پڑے۔ وہ گلی سے نکلے نہیں تھے کہ گھر کو آگ لگ گئی۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے ان دونوں کو باہر نکالا، لیکن یہ کوشش انہیں بچا نہ سکی۔ اس وقت تک وہ دونوں ماں بیٹی اس جہاں سے جا چکی تھیں۔ اس قدر بھیانک موت؟ کیا قصور تھا ان کا۔ یہی قصور تھا کہ وہ اس جنگل میں رہ رہی تھیں۔ جہاں نہ کوئی قانون ہے اور نہ قانون کے رکھوالے؟ بے غیرتی انسانی آبادی میں دندناتی پھر رہی ہے؟

میڈم سمیرا اور سائرہ کو دفنا دینے کے دو دن بعد تک وہ پوری طرح ہوش میں نہیں آئی۔ انسپکٹر رفاقت اس کی حالت سمجھ رہا تھا۔ اس لئے اس نے نینا کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنے گھر گاؤں آ گئی۔ جہاں اس کے پاس سوائے سوچوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ اسے سب سے زیادہ غصہ مٹھن خان کے بیٹے فرحان پر آ رہا تھا۔ کس قدر رعونت سے وہ اس کے کپڑے اتار دینے کی بات کر رہا تھا۔ عام حالات میں ایک پولیس والا کسی بندے کو بات نہیں کرنے دیتا، گالیاں بک دے، تھپڑ مار دے، غریب آدمی سہہ جاتا ہے۔ لیکن مٹھن خان جیسے لوگوں کے سامنے یہی پولیس والے بھیگی بلی کی مانند خاموش رہتے ہوئے ان کی تابعداری کرتے ہیں۔

یہ اس معاشرے کی منافقت ہے یا کہ حکمران طبقوں کی بے غیرتی کہ عوام کو انسان نہیں سمجھتے اور خواص کے بے دام غلام ہوتے ہیں۔ وہ جتنا سوچتی، اتنا ہی اس کا دماغ خراب ہوتا، دوسری طرف سائرہ کا معصوم چہرہ جب بھی اسے یاد آتا تو ڈیرے پر ہونے والا ظلم اسے جھنجوڑ کے رکھ دیتا۔ وہ ایک دم سے انتقام لینے کا سوچتی۔ اس کا جی چاہتا کہ وہ ان سب کو شوٹ کر دے، انہیں بھی اسی طرح اذیت دے کر مارے، جیسے انہوں نے سائرہ اور میڈم سمیرا کو قتل کیا تھا۔ لیکن وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ ایک غریب مجبور لڑکی، جسے اپنی روٹی پوری کرنے کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ نوکری کرے تو اسے یونہی جینا تھا، سر جھکا کر ہر طرح کی بے عزتی کا سامنا کرنا تھا، انسپکٹر رفاقت میں تھوڑی غیرت تھی، اس نے استعفٰی دے دیا تھا۔ وہ ایک معمولی کانسٹیبل، جس کی کوئی شنوائی ہی نہیں تھی۔ وہ اپنی بے عزتی پر کروائے یا پھر ہر قسم کی اذیت ختم کرنے کے لئے سوائے خودکشی کے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ مر جائے گی تو کوئی جھنجھٹ نہیں رہے۔ ہر نیا دن اس کے اندر یہی سوچ مضبوط کرتا چلا گیا۔ وہ بہت اذیت ناک دن تھا۔ اس کے اندر کی وہ لڑکی غیرت سے مر رہی تھی۔ یہ سوچ روز بروز اس قدر پختہ ہو چلی جا رہی تھی کہ اسے خود لگتا تھا کہ بس کسی ایک دن اس نے خودکشی کر لینی ہے۔

وہ دوپہر کا وقت تھا۔ اس نے نہا کر نیا جوڑا پہنا اور اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ ماں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا

”بیٹی، یہ تم تیار ہو کر کہاں جا رہی ہو؟“

”ماں، اب تو دل کرتا ہے، بہت دُور کہیں چلی جاؤں، جہاں سے پھر کبھی واپس نہ آؤں۔“

ماں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر منہ دوسری طرف کر کے بولی

”جب بیٹوں کا بوجھ بیٹیاں اٹھالیں، تو انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، انہیں مر ہی جانا چاہئے۔“

ماں کی بات اور اس کے حسرت بھرے لہجے پر وہ چونک گئی۔ اسے ایک دم سے خیال آیا کہ اس بوڑھی ماں، بیمار بھائی کا کون ہے؟ یہ تو مجبور ہیں۔ چھوٹا بھائی جو مزدوری کر رہا ہے، وہ تو خود کو سنبھال لے گا، وہ ان کی مجبوری کا بوجھ برداشت نہیں کر پائے گا۔ وہ بھی اگر انہیں چھوڑ گیا تو؟ وہ اس سے آگے سوچ نہ سکی۔ وہ گڑبڑا گئی۔ تبھی اس نے بات بناتے ہوئے کہا

”میرا تبادلہ بھی تو ہو سکتا ہے، چوبیس گھنٹے کی نوکری کہیں بھی کرنا پڑ سکتی ہے، مجھے گولی بھی لگ سکتی ہے، ہمارا واسطہ مجرموں سے ہوتا ہے۔“

’’بیٹا!موت موت کا فرق ہوتا ہے،موت برحق ہے،اسے ناحق نہ بناؤ،اس خدا کے پاس جاؤ،تو سرخرو ہو کر، وہ بڑا بے نیاز ہے۔‘‘ماں نے دھیمے لہجے میں ایسی حوصلہ افزا بات کی کہ وہ باقی سارا دن یہی سوچتی رہی۔

اسی شام اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ واپس پولیس لائین چلی جائے گی۔

بارک نمبر تین میں موجود لڑکیاں اس سے یوں ملیں جیسے وہ اسی کی منتظر ہوں۔آپی فوزیہ نے جہاں اسے بہت حوصلہ دیا۔وہاں نئے راستے بھی دکھائے۔اس نے بہت ساری معلومات بھی دیں۔اُس رات نینا کو بہت دیر بعد نیند آئی تھی۔وہ بستر سے اٹھی اور اپنے کوارٹر کے باہر آکر بیٹھ گئی۔چاندنی رات میں آنگن میں دھری چارپائی پر وہ بہت دیر تک سوچتی رہی۔کوئی بھی سرا ہاتھ نہیں آیا سوائے خیال کے۔وہ بے بس ہے، مجبور ہے اور کمزور ہے۔اس نے ایک سرد آہ بھری اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔

۞......۞......۞

اس دن وہ عدالت میں تھی۔ایک ملزم عورت کے بیان کروانے کے لئے اس کی ساتھ میں ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔ وہ ایک بینچ پر ملزم عورت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے ساتھ ایک کانسٹیبل بھی کھڑا تھا۔لوگ آ جا رہے تھے۔اچانک اسے زوردار قہقہ سنائی دیا۔اس نے لاشعوری طور پر ادھر دیکھا۔ملک زاہد عدالت سے باہر آ رہا تھا۔اس کے ساتھ کئی پولیس والے تھے۔وہ قہقہ وہی لگا رہا تھا۔وہ لوگ کسی خوشی کی خبر پر خوش تھے۔اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ خوشی کیا ہو سکتی ہے۔اچانک ہی اسے اپنی گزری ہوئی زندگی وہ لمحات سارے کے سارے یاد آ گئے۔وہ آنکھیں بھر کر اسے دیکھتی رہی۔ایک لمحے کے لئے اس کے اندر یہ خواہش اٹھی کہ وہ اس کے پاس جا پہنچے، اسے بتائے کہ میرے ساتھ کیا ظلم ہو چکا ہے۔لیکن اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک گئی۔وہ تو اسے بھلا چکی ہے۔ملک زاہد نے تو اسے یاد کیا ہوگا،شاید کال بھی کی ہوں گی۔اب وہ قصہ پارینہ ہے۔وہ جا کر بھی بتائے کہ میں کون ہوں تو وہ یقین نہ کرے۔اس کے ساتھ کھڑا کانسٹیبل آگے بڑھ گیا تھا۔کچھ دیر بعد ملک زاہد کو پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا گیا،وہ موجود لوگ بھی ادھر اُدھر ہو گئے۔اس کا ساتھی کانسٹیبل بھی واپس آ گیا۔اس نے یونہی تجسس میں پوچھا کہ کون تھا اور کیا بات تھی تو اس کے ساتھی کانسٹیبل نے جواب دیا۔

’’یہ ملک زاہد ہے،اس نے اپنے ایک دشمن کو مارنے کی کوشش کی تھی۔وہ مرا نہیں زخمی ہو گیا تھا لیکن کل وہ مر گیا ہے۔یہ لوگ اسی کی خوشی منا رہے تھے۔‘‘

’’کیا نام تھا زخمی کا؟‘‘

’’چوہدری پرویز،بڑا نامی بندہ تھا۔‘‘اس نے تو یونہی سرسری سے انداز میں کہا تھا لیکن اس کے اندر سے خوشی کی لہر پھوٹی،جس نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اس کے ساتھ ہی ایک حسرت سی اس کے دل میں اٹھی تھی۔وہ دل مسوس کر بیٹھ گئی۔وہ اپنی خوشی بھی کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔پھر اس نے ملزمہ کے بیان کروائے،عدالت سے تھانے آئی اور پھر بارک چلی گئی۔اس کے ذہن سے ملک زاہد نہیں نکلا۔وہ شام بھی یونہی سوچوں میں گزرتی چلی جا رہی تھی کہ اچانک وہ ایک خیال سے ٹھٹک گئی ۔پھر وہ سوچتی چلی گئی۔

ایک وقت تھا،جب اس نے ملک زاہد کو استعمال کر کے اپنا مقصد پورا کر لیا تھا۔مرنے والا اور مارنے والا دونوں ہی کوئی انسانیت کی خدمت نہیں کر رہے تھے کہ افسوس کیا جاتا۔اسے پھر اسی لیڈی کانسٹیبل کی بات یاد آ گئی کہ ’’ایک بات یاد رکھنا،تلوار اور بندوق دونوں ہی ہتھیار ہیں۔لیکن تلوار بندوق کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔یاد رکھنا۔‘‘ وہ اس بات کو سمجھ گئی تھی۔

اس معاشرے میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔اچھے بھی اور برے بھی۔بہت سارے اچھوں میں بظاہر اچھے،بڑے بڑے کریہہ وجود سڑاند مارتے پھرتے ہیں۔اسی طرح بہت سارے بروں میں کہیں کہیں اچھے لوگ بھی پڑے ہیں۔اسی طرح کوئی صرف چھری جیسا ہے،کوئی خالی بڑھکیں مار کر بدمعاشی قائم رکھے ہوئے ہیں،کئی بہن بدمعاش ہیں جو عورتوں کو آگے کر کے ان کے پیچھے بدمعاشی کرتے ہیں،کئی تلوار جیسے ہیں،

کوئی خنجر ہے اور کوئی گن جیسے۔ مقابلہ ایک جیسے کا ہی ہوتا ہے اور جو بھاری ہوتا ہے، وہ جیت جاتا ہے وہ طاقت ور ہوتا ہے، یہ طاقت جیسی بھی ہو ، چوہدری پرویز اپنے انجام کو پہنچ سکتا ہے تو کوئی دوسرا کیوں نہیں؟ یہ خیال پھیلتا چلا گیا۔ رات گئے تک اس نے سوچ لیا کہ اسے لوگوں کو ایک دوسرے کے سامنے لا کر لڑوانا نہیں، چند لوگوں کو اپنا دوست بنانا ہے، جو کہیں بھی اس کے کام آسکیں، پھر دیکھا جائے گا۔ اب یہ کھیل صرف زبان کا تھا، جس کی بنیاد میں یاداشت اور ذہانت ہی کا کام تھا۔ وہ یہ سب سوچ کر مسکرا دی۔ نجانے کتنے دنوں بعد وہ مسکرائی تھی۔

۞......۞......۞

وہ ایک الجھی ہوئی شام تھی۔ وہ سارا دن عدالت میں ڈیوٹی کر کے تھانے پہنچی۔ وہ تھکی ہاری ہوئی ایک طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔ ساتھی کانسٹیبل نے چائے کا کہا تھا، وہ اسی انتظار میں تھی۔ ساتھ والے کمرے میں انسپکٹر کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ چند دن پہلے ہی نیا آیا تھا۔ اس کے بارے میں گمان یہی کیا جا رہا تھا کہ اسے سردار مٹھن خان نے ذاتی دلچسپی لے کر یہاں لگوایا ہے۔ ظاہر ہے اس انسپکٹر نے اسی کی جی حضوری کرنا تھی۔ مگر اب تک کوئی ایسا کیس یا معاملہ سامنے نہیں آیا تھا، جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ سردار مٹھن خان کا بندہ ہے۔ یہی سوچ رہی تھی کہ اس کے سامنے چائے آگئی، اور اس کے ساتھ ہی ایک انتہائی کرب ناک خبر بھی سننے کو ملی۔

''یہ جو بندہ صاحب کے پاس بیٹھا ہے، پتہ ہے کون ہے؟'' اس کے کولیگ کانسٹیبل نے بتایا

''کون ہے؟'' اس نے کپ اٹھاتے لاپرواہی سے پوچھا

''یہ شہر کا مشہور جوئے باز ہے۔ سب سے زیادہ بھتہ یہیں سے آتا ہے۔'' پھر اس کے بعد جو اس نے بتایا وہ نینا کے لئے روح فرسا تھا۔ میڈم سمیرا کا گھر، جو کبھی علم کی آماجگاہ تھا، وہ شہر کے سب سے بڑے جواری نے خرید کر اس میں کرکٹ جوئے کی ابتدا کر دی تھی۔ خریدا کس سے، کس نے بیچا؟ کچھ پتہ نہیں؟ تھانے میں نئے آنے والے انسپکٹر کو بھاری رقم پہنچا دی گئی تھی۔ انسانیت ہار گئی اور ظلم جیت گیا تھا۔ نینا کو لگا کہ اُس دن وہ خود ہار گئی ہے۔ اسے وہ چائے زہر لگنے لگی۔ وہ وہاں بیٹھ نہ سکی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور بارک نمبر تین میں آگئی۔

۞......۞......۞

وہ مایوسی کی انتہاؤں پر تھی۔ خودکشی کا خیال مزید پختہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے میڈم سمیرا اور سائرہ کا انتقام اور اپنی بے عزتی کا بدلہ تو کیا لینا تھا، اس کے دشمن زیادہ طاقت ور ہو کر اس کے سامنے آگئے تھے۔ وہ سوچ کی جس راہ پر بھی چلتی، اسے کچھ بھی ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا، جس سے وہ اپنے دشمنوں کو نیچا دکھا سکتی۔ یہ سوچتے ہوئے آدھی رات سے زیادہ وقت کروٹیں بدلتے ہوئے گذر گیا تھا۔ پھر نجانے کب وہ گہری نیند سو گئی تھی۔ اچانک اسے لگا جیسے وہ شکنجے میں آگئی ہے۔ وہ چیخ مار کر اٹھ گئی۔ وہ ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ ایک دم سے روشنی ہوگئی۔ آپی فوزیہ نے بلب روشن کر دیا تھا۔ نینا خواب میں ڈر گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' آپی فوزیہ نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے گھبراہٹ سے پوچھا۔ وہ چند لمحے ہونقوں کی طرح سب کو دیکھتی رہی۔ تب تک اسے خود ہی احساس ہو گیا کہ وہ خواب میں ڈر گئی ہے۔ اور جو کچھ خواب میں اس نے دیکھا تھا، وہ انہیں بتا نہیں سکتی تھی۔ اس لئے وہ آپی فوزیہ کی طرف ممنونیت سے دیکھتے ہوئے بولی

''کچھ نہیں۔'' یہ کہہ کر دوبارہ آنکھیں بند کر کے لیٹ تو گئی مگر اندر سے لرز رہی تھی۔ اسے یوں لیٹا ہوا دیکھ کر آپی فوزیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی ، پھر وہ بھی پلٹ کر سو گئیں۔ وہ خواب کا ایک ایک لمحہ یاد کرنے لگی۔

اس کے خواب میں سائرہ تھی۔ اس نے سفید براق لباس پہنا ہوا تھا، لیکن اس پر خون کے چھینٹے تھے۔ اس کے چہرے پر لہو بہہ رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ نینا بھاگ کر اس کے پاس گئی تو اس نے اسے دور ہی سے روکتے ہوئے تڑپ کر بولی۔

''مت آنا میرے پاس، تم بھی گندی ہو جاؤ گی۔ نہ میرے قریب نہ آنا۔''

''تم تو مظلوم تھی۔تمہیں تو جنت میں جانا تھا، یہاں کیا کر رہی ہو؟''اس نے پیار سے پوچھا

''جنت گندے لوگوں کے لئے نہیں ہے، وہاں پاک صاف لوگ جاتے ہیں، میں نہیں جا رہی ہوں، میں گندی ہوں نا۔'' وہ حسرت آمیز لہجے میں بولی

''نہیں تم پاک ہو،تم جاؤ جنت میں۔''نینا نے سمجھایا

''نہیں، میں گندی ہوں۔'' وہ بولی

''میں تمہیں صاف کر دیتی ہوں۔''اس نے کہا

''جب تک مجھے گندہ کرنے والے اس دنیا میں موجود ہیں، میں پاک نہیں ہو سکتی۔میں جنت میں نہیں جا سکتی۔کیا تم ان کا گند دنیا سے صاف کر سکو گی؟'' سائرہ نے پوچھا تو ایک لمحہ کے وہ سوچ میں پڑ گئی پھر پوری ہمت سے کہا

''ہاں ان کے گند سے دنیا صاف کردوں گی۔''

''تو پھر میں جنت میں ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ مڑی اور سامنے پھیلے ہوئے دھویں میں غائب ہوگئی۔وہ اس کے پیچھے لپکی تھی لیکن اسی لمحے ایک اژدہا اس کے سامنے آ گیا۔جس کی لپلپاتی ہوئی زبان، اس کے بدن کو چھوئی۔اسے لگا جیسے اس کے بدن پر دہکتے ہوئے کوئلے رکھ دیئے ہوں۔وہ اژدہا اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔تبھی اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس رات اسے نیند نہیں آئی تھی۔وہ خواب کے زیر اثر رہی۔وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اسے ایسا خواب کیوں دکھائی دیا ہے۔وہ پوری طرح سمجھ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہے۔اس نے اتنا اردو، انگریزی ناول پڑھا تھا، اس لٹریچر نے اسے شعوری پختگی تو دی ہوئی تھی لیکن وہ صرف فکشن کی حد تک مزہ لینے کے لئے۔اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا عملی زندگی میں بھی کرنا پڑ جائے گا، یا اسے ضرورت پڑ سکتی ہے۔اب اس کے سر پر پڑی تھی، کوئی راستہ نہیں تھا۔اسی کے شعور نے اسے جو راستہ سمجھایا۔اس نے سمجھ لیا تھا لیکن بے بس تھی۔اس کے پاس زندگی گزارنے کا مقصد نہیں تھا۔یہ خواب اسے زندگی گزارنے کا مقصد تو دے گیا۔مگر یہ کیسے ہوگا؟ کس طرح ہوگا، اس بارے وہ نہیں جانتی تھی۔یہ طے تھا کہ اب اسے اس دنیا سے گند صاف کرنا تھا۔

اس صبح وہ وقت پر تیار ہو کر تھانے چلی گئی۔وہاں اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ وہاں سے چلی جائے۔نئے انسپکٹر کی موجودگی کا احساس ایسے ہی تھا کہ وہ بھی اس کا دشمن ہے۔دشمن کا دوست تو دشمن ہی ہوتا ہے نا۔نئے انسپکٹر کی آواز اور قہقہے اسے تیر کی مانند لگ رہے تھے۔وہ حد درجہ مضطرب تھی۔وہ تھانے کی عمارت سے نکل کر چار دیواری کے ساتھ آ کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔ابھی اسے وہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہی لیڈی کانسٹیبل اسے سادہ لباس میں آتے ہوئے دکھائی دی۔اس نے چلتے ہوئے اسے دیکھا، پھر مڑ کر اس کی جانب آ گئی۔نینا کا دل چاہا کہ وہ اس کے سامنے رو دے، اپنی شکست کا اعتراف کر لے، اسے کہہ دے کہ وہ اب یہاں نہیں رہ سکتی۔وہ لیڈی کانسٹیبل اس کے قریب آ گئی، وہ نینا کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی

''پریشان ہو؟''

''ہاں۔!بہت زیادہ پریشان ہوں۔''نینا نے بھیگے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ چونک گئی۔

''نہ نینا بیٹی نہ، ایک آنسو بھی نہیں ضائع کرنا، اگر تمہارا ایک آنسو بھی ضائع ہوگیا تو تمہارے اندر کی ساری قوت ختم ہو کر رہ جائے گی۔''

''کیا کروں میں پھر؟''اس نے تیزی سے کہا

''میں نے ایک کاغذ پر صاحب سے سائن کروانے ہیں، تم یہیں ٹھہرنا، میں واپس آتی ہوں، پھر سکون سے بات کرتے ہیں۔''وہ لیڈی کانسٹیبل انتہائی سکون سے بولی

یہ کہہ کر وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر کی جانب بڑھ گئی اور وہیں دوبارہ بینچ پر بیٹھ گئی۔ وہ لیڈی کانسٹیبل چند منٹ بعد ہی واپس آ گئی۔ اس نے دور ہی سے اشارے کے ساتھ کہا

''آؤ، میرے ساتھ۔''

وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دی۔ تھانے کے باہر ایک چھوٹی سفید رنگ کی کار کھڑی تھی۔ وہ اس میں جا کر بیٹھ گئی۔ نینا بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی ۔ڈرائیور کار لے کر چل پڑا۔ کچھ دیر بعد وہ بالکل نئے علاقے میں ایک نئے تعمیر شدہ گھر میں جا پہنچے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد اس نے اپنی بہو سے ملواتے ہوئے کہا

''یہ میرے ڈاکٹر بیٹے کی بہو ہے۔'' وہ مل کر پلٹ گئی تو لیڈی کانسٹیبل نے کہا،''میں کل پولیس کی ملازمت سے ریٹائر ہو چکی ہوں۔ اچھا ہوا تم آج مل گئی ہو۔ میں نے اس ملازمت میں کیا کھویا، کیا پایا، یہ سب ایک طرف، گھر اولاد کی تربیت ایک طرف، مگر میں کچھ باتیں بتا دوں، اسے غور سے سننا۔''

''جی میں سن رہی ہوں۔'' نینا نے کہا تو وہ لیڈی کانسٹیبل کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی

'' اس وقت اگر کوئی تمہیں پسٹل تھما دے اور تمہارے سامنے کھڑے تمہارے دشمن کو مارنے کا اختیار بھی مل جائے تو کیا تم دشمن کو مار سکو گی؟''

''شاید ہاں یا شاید نہیں۔'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا تو لیڈی کانسٹیبل بولی

''تمہارا جواب نفی میں ہے۔ سنو۔! کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پہلے مضبوط ہونا پڑتا ہے۔ پسٹل چلاتے وقت جس کا ہاتھ کانپ جائے، وہ کبھی اپنا نشانہ پختہ نہیں کر سکتا۔ بہترین نشانہ لگانے کے لئے مضبوط ہاتھ کی ضرورت ہے۔ تمہیں مضبوط ہونا ہے۔ پسٹل پکڑنے والے ہاتھ کو طاقت ور ہونا چاہئے، اور پختہ نشانہ لگانے کے لئے مہارت، اور یہ بنا ریاضت کے نہیں ملتی۔''

''یہی تو بات ہے، میں مجبور اور بے بس ہوں۔'' اس نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا

''یہ صرف تمہاری سوچ ہے۔ سب سے پہلے اپنی سوچ کو پختہ کرو۔ فیصلہ کرو، تم نے اپنے دشمن سے انتقام لینا ہے۔ یہی پہلا قدم ہے۔ اور اگر تم نے آنسو بہا دیا، اور ایک آنسو کے ساتھ تمہاری ذات بھی ضائع ہو جائے گی۔ جب تک تمہاری آنکھ میں سے آنسو نہیں نکلتا، تمہارے اندر کی درندگی قائم رہے گی۔ جس نے انتقام کو زندہ رکھنا ہے۔''

''یہ سب کیسے ممکن ہوگا؟'' اس نے اپنی سوچ کی لگام میں تھامتے ہوئے کہا

''جب فیصلہ کر لو گی تو سب ممکن ہو جائے گا۔ اور ہاں، میں شاید ہی آج کے بعد تمہیں نہ ملوں، کیونکہ میں یہاں سے اپنے دوسرے بیٹے کے پاس جا رہی ہوں۔ میں تمہیں ایک نمبر دیتی ہوں، وہاں سے ایک خاتون بات کرے گی۔ میں آج انہیں تمہارے بارے میں بتا دوں گی۔ اگر تم فیصلہ کر لو تو انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا، پھر انہیں سے رابطہ رکھنا، یہ تجسس نہیں کرنا کہ وہ کون ہے؟ جب تک وہ خود نہ کہیں، پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔'' لیڈی کانسٹیبل نے حتمی انداز میں کہا۔ اتنے میں اس کی بہو چائے لے کر آ گئی تو باتوں کا رخ ہی بدل گیا۔ بلاشبہ اس نے جان بوجھ کر اپنی بہو کے سامنے بات نہیں کی تھی۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور اسے واپس تھانے چھوڑ کر گیا تو اس کے اندر کی بے بسی کہیں گم ہو چکی تھی۔ وہاں ایک نئی نینا کا وجود میں آ گیا تھا۔

اسی رات اس نے ریاضت سے گذرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور فیصلہ بھی اس پختگی کے ساتھ کیا کہ ابھی اور اسی وقت سے۔ اس وقت ابھی اندھیرا ہی تھا۔ مگر اس نے پروا نہیں تھی۔ خود سے کی ہوئی کمٹمنٹ کو پورا کرنا تھا، اِس لئے اُس نے ٹریک سوٹ پہنا اپنے کوارٹر سے نکلی اور بارک نمبر تین کے سامنے وسیع وعریض میدان میں پہنچ گئی، جہاں پریڈ ہوتی تھی۔

وہ جس وقت واپس کوارٹر آئی تو ہلکی خنکی والے دنوں میں بھی اس کا ٹریک سوٹ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ اس کے رخسار سرخ تھے۔ آنکھوں میں

ایک نئی چمک تھی۔اس کا لہجہ بھی بدل گیا۔اس نے اپنے اندر سے مظلوم عورت نکال باہر پھینکی تھی۔

چند دن بعد ہی وہ پولیس کی لازمی ٹریننگ کے لئے اپنی دوسری بھرتی ہونے والی کانسٹیبل لڑکیوں کے ساتھ پولیس کے ٹریننگ سنٹر آ گئی۔ جہاں اس نے ٹریننگ کرنا تھی۔پہلے ہی دن کے لیکچر نے اسے سکھا دیا کہ اس نے جو سوچا تھا، وہ درست تھا۔اسے ہر طرح سے مضبوط ہونا تھا۔ یہی مضبوطی اسے دشمن کو زیر کرنے کے لئے ایک بڑا ہتھیار تھی۔

چند ہفتوں بعد ہی اس کے انسٹرکٹر حیران رہ گئے۔دوسری لڑکیاں تو ڈرل مشکل سے کرتی تھیں اور نینا صبح منہ اندھیرے میدان میں ہوتی، نومبر کی ٹھنڈ میں بھی اس کا ٹریک سوٹ پسینے میں بھیگا ہوا ہوتا۔شام کو وہ جم چلی جاتی۔وہاں لوگ حیران تھے کہ یہ ایک کھسکی ہوئی جنونی ہے، جسے کسی سے کوئی غرض نہیں سوائے اپنے بارے سوچنے کے۔نینا نے یہ راز افشا ہی نہیں کیا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی ہے۔سبھی نے اس کا شوق سمجھا۔اس کے انسٹرکٹر اسے گائیڈ کرنے لگے اسے بہترین مشورے ملے۔کئی رہنمائی کرنے والے مل گئے۔وہ اپنے آپ کو مضبوط کرنے کی دھن میں سب کچھ بھلا چکی تھی۔اسے یاد تھا تو صرف یہ کہ اس نے سائرہ اور میڈم سمیرا کا انتقام لینا ہے۔اور جس نے اسے منہ بھر کے ننگا کر دینے کی بات کی تھی، اسے بتانا کہ جب کمزور اپنے انتقام کی ٹھان لیتا ہے تو کس قدر خطرناک ہو جاتا ہے۔

اس کی دوسری توجہ سیل فون دوستوں پر تھی۔وہ ان سے رابطے میں رہتی تھی۔وہ لوگ کون تھے، کیسے تھے،اس بارے کبھی اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔یہ ایک راز تھا، جسے وہ خود سے بھی چھپا کر رکھتی تھی۔

ایک برس یوں گزر گیا۔ان کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ہو گئی۔اس نے کئی انعام جیتے۔سب سے اہم نشانہ بازی کا انعام تھا۔شوٹنگ کلب میں نشانہ بازی سے اس کا نشانہ اتنا پختہ ہو گیا تھا۔وہ کوئی بھی شے اچھال کر اس کا نشانہ لگانے میں ماہر ہو چکی تھی۔دو بدو فائٹنگ میں کوئی لڑکی اس کے سامنے نہیں آتی تھی۔جس حد تک جوڈو کراٹے کی تربیت سینٹر میں دی جاتی تھی وہ اس میں تاک ہو گئی۔جب وہ ٹریننگ سے واپس آئی تو وہ پہلے والی نینا نہیں رہی تھی۔وہ بالکل بدل چکی تھی۔اس کی سوچ یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔وہ اپنی ٹریننگ کر کے واپس آ گئی تھی۔

اس پورے دورانیے میں اس کا سب سے بڑا ہتھیار، اس کا سیل فون تھا۔اس نے بہت سارے لوگوں کی چھان پھٹک کے بعد محض چند لوگوں کے ساتھ دوستی بنائی تھی۔جن میں دو لڑکیاں اور کچھ مرد حضرات تھے۔وہ انہی سے بہت سارا کام لینے والی تھی۔وہ سبھی اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی ”شے“ تھے۔

❁......❁......❁

اس دوپہر وہ اپنے کوارٹر میں بیٹھی ہوئی اپنی آئندہ کی پلاننگ بارے سوچ رہی تھی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔وہ نمبر اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اسی لمحے اس کے اندر سے جو خوشی کا طوفان اٹھا،اس طوفان سے وہ یک لخت ٹھٹک گئی۔کیا وہ اس قدر شعیب کا انتظار کر رہی تھی۔کیا وہ لاشعوری طور پر اس کی منتظر تھی؟اس نے کال رسیو کی تو اسے اپنی آواز کی لرزش واضح محسوس ہوئی۔اس نے ہیلو کہا

”شکر ہے تمہارا نمبر نہیں بدلا، ورنہ شاید میں تمہیں کھو چکا ہوتا۔“شعیب کی چہکتی آواز میں بولا

”مگر میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“اس نے جب یہ لفظ کہے تو نجانے ان لفظوں کے ساتھ کیسے کیسے احساس گندھے ہوئے تھے کہ شعیب نے پوچھا

”تم ٹھیک تو ہو؟“

”ہاں میں ٹھیک ہوں؟“اس نے خود پر قابو پا کر کہا

”ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے واپس آئے ہوئے۔تب سے سوچ رہا تھا کہ تمہیں فون کروں۔“اس نے خوشی سے کہا

”تو پھر کیا نہیں؟“اس بار وہ خود پر قابو پا چکی تھی

''ڈر رہا تھا، کہیں تمہارا نمبر نہ بدل گیا ہو، یا پھر تم مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا تو وہ ہنس دی پھر بولی

''نہیں، ایسا تو نہیں ہے۔''

''سناؤ، سی ایس ایس کی تیاری کہاں تک پہنچی؟'' اس نے بڑے پیار سے پوچھا تو وہ خاموش رہی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ لمحوں تک اُسے کوئی جواب نہ دے پائی تو شعیب نے پوچھا ''خیریت ہے، تم بول نہیں رہی ہو؟''

''جب حالات ہی کسی دوسری راہ پر ڈال دیں تو پھر اپنی خواہشوں کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ چھوڑو، کوئی دوسری بات کرو۔'' اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا

''نینا۔! کیا بات ہے، تیرا لہجہ کتنا کرب ناک ہے، کیا ہوا، بتاؤ پلیز۔'' اس نے تیزی سے پوچھا

''چھوڑو شعیب، کیوں زخم کریدتے ہو۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھیگ گئی۔ جس پر شعیب نے تڑپتے ہوئے انداز میں پوچھا

''بولو، مجھے بتاؤ، کیا ہوا، میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''جب ملے تو بتا دوں گی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تو شعیب غصے میں بولا

''تمہاری یہ عادت مجھے انتہائی گندی لگتی ہے جو تم پہیلیاں ڈالتی ہو۔ میں تو تم سے ابھی اور اسی وقت مل سکتا ہوں ، تو کیا مل لو گی؟ تم تو کئی......''

''بتاؤ کہاں ملنا ہے، میں ابھی آجاتی ہوں۔'' اس نے شعیب کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''بولو کہاں سے پک کروں؟'' اس نے بھی کہہ دیا تو نینا نے ایک پوائنٹ بتایا۔ اس پر شعیب نے کہا ''میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' شعیب نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ دیئے گئے وقت پر وہاں پہنچ گئی۔ اسے وہاں ایک کلین شو، سرخ و سپید رنگت والا، جوان نئے ماڈل کی کار میں بیٹھا دکھائی دیا۔ وہ بہت حد تک بدل گیا تھا۔ یہاں تو وہ پتلا سا تھا، لیکن سامنے موجود شعیب اس قدر پرکشش ہو گیا یہ اس نے تصور بھی نہیں تھا۔ سیاہ ریبین لگائے وہ ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اس کے اندر کی عورت انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی تھی۔ اس کے اندر کی عورت نے آنکھ کھول لی، نسوانیت نے زور سے ہلچل محسوس کی۔ وہی کشش جو ایک عورت مرد میں محسوس کرتی ہے۔

شعیب نے اسے حجاب ہی میں دیکھا تھا۔ اس نے صرف آنکھیں دیکھی تھیں، وہ تو اسکے بدن کے نشیب و فراز سے بھی واقف نہیں تھا۔ وہ جو خود اسے پہچان نہیں پائی تھی، تو وہ اسے کیا پہچان سکتا تھا۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ چلتے ہوئے اس کی کار کے پاس گئی، پسنجر سیٹ والا دروازہ کھولا اور بیٹھتے ہوئے ہولے سے بولی

''چلو، کہاں لے جاتے ہو؟''

شعیب دیدے پھاڑے حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے نینا کی طرف یوں دیکھا جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ اس نے سر سے پاؤں تک دیکھتے رہنے کے بعد سرسراتی ہوئی آواز میں کہا

''امیزنگ۔! اگر تم نہ بولتی تو میں تمہیں کبھی نہ پہچان پاتا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے گیئر لگا دیا۔

''نہ بولتی تب تم کیا کرتے؟'' اس نے شوخی سے پوچھا تو اسی حیرت میں بولا

''فوراً اتر جانے کو کہتا۔''

''یار میں اتنی بھی 'ماٹھی' نہیں ہوں۔'' اس نے مصنوعی حیرت سے کہا

''ماٹھی؟ تم خود کو ماٹھی کہتی ہو، او یار تم نے تو میرا دماغ ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کہاں وہ دیہاتی لڑکی اور کہاں یہ تراشیدہ بدن والا بت، جو نگاہوں کو

خیرہ کرر ہا ہے، پاگل کرر ہا ہے۔'' اس نے کہا تو پہلی بار اسے اپنی تعریف اچھی لگی تھی۔ چند لمحے سرور میں رہنے کے بعد اس نے خود پر قابو پالیا اور مصنوعی غصے میں بولی

''امریکہ جا کر تم کچھ زیادہ ہی سمارٹ نہیں ہو گئے، مطلب منہ پھٹ، بے حیا اور......''

''حسن پرست۔'' یہ کہہ کر اس نے زوردار قہقہہ لگا دیا، پھر بولا ''یقین جانو گولی کی طرح سینے پر لگی ہو۔''

''گولی؟ یہ تم کیسی باتیں کرر ہے ہو؟'' اس نے پوچھا تو شعیب ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا

''کیا تم مجھ پر اعتماد کرو گی؟''

''بالکل، کیوں نہیں ایک تم ہی تو ہو جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے یہ بات دل سے کہی تھی

''تو پھر سنو۔! میرے ذہن میں تمہارا جو تصور تھا، وہ بس ایویں سی ایک لڑکی کا تھا، جو ذہین تو ہے لیکن خود کو اس لئے چھپا کر رکھتی ہے کہ وہ اتنی زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ لیکن اس وقت تمہیں دیکھا تو یقین نہیں آر ہا، میں تو اب بھی یہ گمان کرر ہا ہوں کہ تم وہ نہیں ہو، جسے میں جانتا ہوں'' شعیب نے پورے جوش اور حیرت ملے انداز میں کہا

''یہی حسن تو مجھے برباد کرر ہا ہے۔ کیا کروں؟'' وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی

''میں سمجھا نہیں؟'' اس نے پوچھا

''نہ ہی سمجھو تو اچھا ہے۔'' اس نے ہولے سے کہا اور سامنے سڑک کو دیکھنے لگی پھر ایک دم سے اسے خیال آیا کہ وہ اسے لے جا کہاں رہا ہے؟ اسے یہ خیال تو آیا لیکن اس نے یہ سوال نہیں کیا۔ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ تبھی شعیب نے یوں کہا جیسے اس کا ذہن پڑھ لیا ہو۔

''تم نے پوچھا نہیں، ہم کہاں جار ہے ہیں؟''

''تم میرے بہت اچھے اور قابل اعتماد دوست ہو، جہاں بھی لے جاؤ، چلی جاؤں گی۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اس پر شعیب چند لمحے یوں خاموش رہا جیسے سوچ رہا ہو، پھر بولا

''بہت بدل گئی ہو۔''

''ہاں وقت اور حالات نے بدل دیا۔'' یہ کہہ کر اس نے لمبی سانس لی۔

ان کے سفر کا اختتام شہر سے باہر ایک فارم ہاؤس پر ہوا۔ ایک طرف خوبصورت سا رہائشی پورشن بنا ہوا تھا۔ جس کے پورچ میں اس نے کار روکی تو وہ دونوں باہر آ گئے

''یہ فارم ہاؤس میرے بھائی کا شوق تھا۔ اب اس کی دلچسپی کم ہو گئی ہے۔ یہاں وہ بہت کم آتا ہے۔ اب میں آ گیا ہوں تو میں نے یہاں اپنی ایک چھوٹی سی لیب بنائی ہے۔''

''لیب، وہ کس لئے؟'' نینا نے پوچھا

''مختلف تجربات کے لئے، یار میں الیکٹرونکس انجینئر ہوں ، دنیا کے ٹاپ کے ادارے سے پڑھ کر آر ہا ہوں۔ کمال ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دی۔

دونوں ہولے ہولے چلتے ہوئے لاؤنج میں آ گئے۔ وہاں شعیب نے نینا کو بھرپور نگاہوں سے دیکھا، پھر ایک دم سے نگاہیں چرا لیں، جیسے وہ کوئی چوری کرر ہا ہو۔ وہ اس کی ادا دیکھ کر ایک دم سے ہنس دی، مگر نے احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ دیکھ چلی ہے۔ اگرچہ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی لیکن نینا کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ اس سے بے حد متاثر ہو چکا ہے۔ شاید اس سے، اس کے حسن سے؟

''آؤ، تمہیں لیب دکھاؤں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب چلا گیا۔ دوسری طرف ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ اس نے جا کر دروازے میں لگا تالا

کھولا اور اندر چلا گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے اندر پہنچ گئی۔ وہاں پر کافی ساری چھوٹی بڑی مشینیں، کمپیوٹر، مختلف قسم کے برقی آلات اور بہت کچھ تھا، جس کی اُسے سمجھ نہ آسکی۔ تبھی اس نے پوچھا

"یہ سب کیا ہیں، ان پر کیا تجربے کرتے ہو؟"

"کوئی بھی نئی چیز بنانے کے لئے۔ جیسے دنیا میں نئی سے نئی چیزیں بن رہی ہیں، کیا تم نہیں جانتی کہ آئے دن کوئی نہ کوئی نئی چیز آجاتی ہے یا پہلی میں کچھ نئی تبدیلی آجاتی ہے۔" اس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی سامنے بیٹھتے ہوئے بولی

"ہاں یہ تو ہے۔ جیسے کوئی سیل فون سے واقف نہیں تھا، لیکن اب ہر کوئی اپنے پاس رکھتا ہے۔"

"بالکل، ابھی جو کچھ سیل فون میں ہے، اس میں ایسی تبدیلی جو دنیا کو حیران کر دے، یہی تجربات کرتا ہوں۔"

"تو کچھ کیا؟" اس نے ایک دم پوچھا

"ہاں، کافی کچھ کیا۔ مطلب یہ سیل فون ہی لے لو، میرے پاس ایسا فون ہے، جسے کوئی چاہے بھی تو ٹریس نہیں کر سکتا۔ یہ ہم نے وہاں بنایا تھا، میں اس پر مزید کام کر رہا ہوں۔"

"واؤ۔! یہ تو کمال کی چیز ہے۔" اس نے دلچسپی سے کہتے ہوئے تیزی سے پوچھا "یہاں اس کا کوئی تجربہ کیا، مطلب کسی کو کال کی۔"

"ہاں، میں کئی بار آزمایا۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا۔" وہ بولا

واہ۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی

"خیر تم سناؤ، اتنی تبدیلی کیسے آگئی، ایک ایسی لڑکی جو کبھی حجاب میں رہتی تھی اور آج ایسے دکھائی دے رہی ہے جو بہت ماڈرن ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو نینا نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر بڑے دکھ بھرے لہجے میں بولی

"یہ ایک لمبی کہانی ہے شعیب، کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں، چھوڑو، پھر کسی وقت سہی۔"

"اگر تم بتانا نہ چاہو تو الگ بات ہے لیکن میں سننا چاہتا ہوں، جتنی بھی لمبی کہانی ہو۔" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا تو نینا نے اس کی طرف دیکھا اور یاسیت بھرے لہجے میں بولی

"کیوں سننا چاہتے ہو؟ سن لینے سے کیا ہوگا؟"

"تم شاید اسے جو بھی سمجھو لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں تمہارے بارے جاننا چاہتا ہوں۔" اس نے ضد کرنے والے انداز میں کہا تو وہ تیکھے لہجے میں بولی

"کیوں، کیوں جاننا چاہتے ہو؟"

"اس لئے کہ میں تم سے قربت محسوس کرتا ہوں۔ دل سے چاہتا تھا کہ تم جیسی باصلاحیت لڑکی کسی اچھی پوسٹ پر ہو، میں نے تمہیں مدد کی آفر بھی کی مگر تم نے نجانے کیوں قبول نہیں کی، اور پھر اتنی بڑی تبدیلی یونہی نہیں آسکتی۔ کہیں جاب تو نہیں کر لی یا تمہاری شادی تو نہیں ہوگئی، بتاؤ نا یار" اس نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا تو وہ ہنس دی۔ اسے شعیب کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولی

"میں نے پولیس کی نوکری کر لی ہوئی ہے۔ ایک معمولی کانسٹیبل کی نوکری۔" یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں حسرت بھری تلخی اُتر آئی تھی۔

"وہاٹ۔! کیا کہہ رہی ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا

"سچ یہی ہے۔" وہ بولی

یہ سن کر شعیب چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا

"یہ پولیس کی نوکری، یہ کیوں کی؟ ظاہر ہے کوئی مجبوری رہی ہوگی، دراصل میں وہ مجبوری جاننا چاہتا ہوں۔" وہ ایک دم سے کہتا چلا گیا۔

’’پھر کیا ہوگا؟‘‘اس نے عجیب لہجے میں پوچھا

’’میں کوشش کروں گا کہ.....‘‘اس نے کہنا چاہا تو نینا نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

’’خدا کے لئے شعیب، مجھے کوئی خواب مت دکھانا، میں اب کوئی بھی خواب نہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے میری مجبوریوں کے ساتھ زندہ رہنے دو۔تم نے واپس چلے جانا ہے ۔میں جیسی ہوں، مجھے ویسی ہی رہنے دو۔میں ایسے ہی خوش ہوں‘

’’بہت زہر ہے تمہارے لہجے میں؟‘‘اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔جب وہ خاموش رہی تو اس نے کہا،’’اوکے، کچھ بھی مت بتاؤ، لیکن ہم یہاں جتنی دیر تک ہیں، اتنی دیر تک تو ہم اپنی باتیں کر سکتے ہیں نا، وہ سوال جو پرانی یادوں کے حوالے سے اب بھی ذہن میں ہیں۔‘‘

’’جیسے تمہاری مرضی۔‘‘نینا نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا تو ان کے درمیان کافی دیر تک خاموشی آن ٹھہری۔جیسے ان کے پاس بات کرنے کیلئے کوئی موضوع نہ رہا ہو۔تبھی شعیب نے اٹھتے ہوئے کہا

’’آؤ باہر چلتے ہیں۔‘‘

وہ اٹھ گئی۔اور اس کے پیچھے پیچھے لیب سے نکلتی چلی گئی۔وہ دونوں کھلی فضا میں آ گئے۔اچانک نینا کو خیال آیا تو وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر اس نے پوچھا

’’یہاں کوئی ملازم دکھائی نہیں دے رہا ہے، جیسے ہمارے علاوہ یہاں کوئی بھی نہ ہو۔‘‘

’’پہلے یہاں کافی ملازم ہوتے تھے، چونکہ بھائی کی دلچسپی کم ہو گئی ہے، اور یہاں کام کرنے والے مزارعے ساتھ گاؤں میں رہتے ہیں، اسلئے یہاں کی دیکھ بھال کے لئے ایک جوڑا رہتا ہے، وہ بھی دو تین کے لئے اپنی کسی عزیز کی شادی میں گئے ہیں۔‘‘

’’مطلب ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔‘‘نینا نے شوخی سے پوچھا تو شعیب نے ہنستے ہوئے کہا

’’فکر مت کرو، میں کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤں گا۔‘‘

’’پہلی بات تو یہ ہے کہ تم ایسا کرو گے نہیں، دوسری بات اگر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو گے تو بہت پچھتاؤ گے، اور تیسرا یہ کہ.....‘‘وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

’’تیسرا کیا؟‘‘

’’تیسرا یہ کہ جس دن میرا دل کیا، میں خود تمہارا جائز فائدہ اٹھا لوں گی۔‘‘

’’تم بھی نا۔‘‘شعیب نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ رہائشی عمارت کے لان میں بیٹھے یونہی باتیں کرتے رہے۔ان کے درمیان ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔شعیب اپنے بارے میں بتاتا رہا کہ اس نے امریکہ میں رہتے ہوئے کیسے وقت گزرا۔کس طرح تعلیم حاصل کی۔وہ چپ چاپ سنتی رہی۔اس نے اپنے بارے کچھ نہ بتایا۔

اس وقت سورج ڈوب رہا تھا، جب وہ دونوں کار میں بیٹھے اور واپس شہر کی جانب چل دیئے۔ان کے درمیان خاموشی تھی۔وہ فارم ہاؤس سے نکل کر اندازاً دو کلومیٹر تک گئے ہوں گے کہ ایک سیاہ کار نے انہیں تیزی سے کراس کیا۔وہ کار پہلے آہستہ ہوئی پھر کافی آگے جا کر یوں رک گئی کہ اس کی وجہ سے شعیب کو زوردار بریک لگانا پڑے۔جیسے ہی اِن کی کار رُکی سامنے والی کار سے چار آدمی نکل کر باہر آ گئے۔پسنجر سیٹ سے جو بندہ نکلا اس کے ہاتھ میں پسٹل تھا، اس نے نکلتے ہی ان کی کار پر فائرنگ کرنا شروع کر دی۔شعیب کا رنگ ایک دم سے پیلا پڑ گیا۔بلاشبہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

نینا انہیں غور سے دیکھنے لگی۔وہی شخص ڈرائیور سائیڈ پر آ گیا۔اس نے شعیب کی طرف والا دروازہ کھولنا چاہا۔وہ بند تھا۔اس نے اشارے

سے باہر آنے کا اشارہ کیا۔شعیب نے ایک بار نینا کی جانب دیکھا اور پھر باہر نکل گیا۔ اس نو وارد نے پہلے شعیب کو گردن سے پکڑا اور اسے قریب کھڑے بندے کے حوالے کیا، پھر کار کے اندر جھانک کر دیکھا تو بڑے گھٹیا سے انداز میں دوسروں کو سناتے ہوئے کہا

’’اوئے واہ اوئے۔!فل عیاشیاں، اُوئے اندر نرم مال بھی ہے، کمال ہے یار۔‘‘

اس دوران وہ دوسرا بندہ شعیب کو گریبان سے پکڑ کر ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں لے گیا۔اسی لمحے پیچھے کھڑے تیسرے بندے نے کہا

’’اوئے ٹھہر۔!رُک جا۔‘‘

’’کیا ہوا،؟‘ جس نے گریبان پکڑا تھا اس نے پوچھا تو پیچھے والا بولا

’’یہ وہ نہیں جسے ہم نے مارنا ہے، یہ اس کا چھوٹا بھائی ہے، جو ابھی امریکہ سے آیا۔‘‘

’’یہ تو پھر اطلاع دینے والے کی غلطی ہے نا، اب تو اسے مارنا پڑے گا۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے پسٹل کی نال اس کے سر پر رکھی تو پیچھے کھڑے بندے نے کہا

’’ایک منٹ رک جا، مجھے پوچھ لینے دے، جلدی نہ کر۔‘‘ اس کے کہنے پر اس نے پسٹل کی نال ہٹالی۔ پیچھے والا شخص کار تک گیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بندے سے بات کی۔یہی وہ لمحہ تھا جب نینا کی نگاہ سامنے کار میں بیٹھے شخص پر پڑی۔

یہ وہی شخص تھا جسے اس نے مٹھن خان کے ڈیرے پر دیکھا تھا۔اسی نے بڑی بے دردی کے ساتھ سائرہ کو اٹھا کر پھینکا تھا اور اُس کے کپڑے پھاڑے تھے۔وہی تھا جو خود کو مٹھن خان کا سب سے بڑا وفادار ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہی کہہ رہا تھا کہ میں سب دیکھ لوں گا۔اسی نے سب سے پہلے اس پر ہاتھ ڈالا تھا، جب فرحان خان نے اسے ننگا کرنے کو کہا تھا۔اسے پہچانتے ہی نینا کا دماغ ایک دم سے گھوم گیا۔اس شخص کو دیکھتے ہی اس کے دماغ میں آگ بھڑک اٹھی۔نجانے وہ کون سی قوت تھی جو اس کے بدن میں سرائیت کرنے لگی۔اس نے ایک ہی لمحے میں فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

نینا نے طویل سانس لے کر خود پر قابو پاتے ہوئے اپنی کمر کی بائیں طرف لگے ہولسٹر میں سے پسٹل نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا اور کار سے باہر نکل آئی۔وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی یوں آگے بڑھی جیسے ڈر رہی ہو۔اس نے دور ہی سے کہنا شروع کر دیا

’’خدا کے لئے ،ہمیں معاف کر دیں۔ہم سے ایسا کیا قصور ہو گیا،ہمیں جانے دیں پلیز۔‘‘

’’اوئے پٹولے۔!تم سے کیا قصور ہونا ہے۔یہ تو اس امریکہ پلٹ کا بھائی ہے جو مٹھن خان کے خلاف بولتا ہے۔اسے بڑا معاف کیا، سمجھایا بھی بہت تھا لیکن باز نہیں آتا۔تم چلو ہمارے ساتھ عیش کروا دیں گے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھ مار دی۔

نینا نے دیکھا۔وہ سیل فون بات کرنے والے کی کال نہیں مل رہی تھی۔یہی وہ لمحہ تھا، جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتی تھی۔اس نے انتہائی سرعت سے اپنا پسٹل نکالا اور کوئی مہلت دیئے بغیر اس کے سر پر فائر کر دیا، جس نے شعیب کا گریبان پکڑا ہوا تھا۔اس کی چیخ بلند ہوئی۔وہ یوں پیچھے گرا جیسے لکڑی کا لٹھ گرتا ہے، نینا نے کوئی مہلت نہیں دی، اس نے سامنے کھڑے فون کال کرنے والے پر فائر کر دیا۔اس کے ہاتھ سے فون دور جا گرا، اس کے ساتھ ہی تیسرا ابھی سڑک پر تڑپنے لگا۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کار میں بیٹھا ہوا بندہ تیزی سے کار بھگا لے جائے گا۔اس نے ٹائروں پر فائرنگ کر دی۔ٹائر پھٹ گئے مگر پھر بھی اس نے کار سٹارٹ کر کے بھگا لی تھی۔لیکن اگلے ہی لمحے وہ سڑک سے نیچے اتر کر الٹ گئی۔وہ شخص اس میں پھنس گیا۔کار الٹتے ہی پیٹرول کی بو پھیلنے لگی۔نینا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے چند ثانیئے انتظار کیا اور کار کی طرف فائر کر دیا۔ایک دم سے شعلہ بھڑکا اور کار کو آگ لگ گئی۔وہ لمحہ بھر جلتی ہوئی کار کو دیکھتی رہی پھر پلٹ آئی۔شعیب ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

’’اب کھڑے کیا دیکھ رہے ہو، چلو نکلو۔‘‘ نینا نے تیزی سے کہا تو شعیب کو ہوش آیا۔وہ کار کی طرف مڑ گیا۔تبھی نینا کی نگاہ سڑک پر گرے سیل

فون پر پڑی، وہ بجائے کار میں بیٹھنے کے اس فون کی جانب بڑھی جو چند قدم کے فاصلے پر پڑا تھا۔اس نے وہ سیل فون اٹھایا اور تیزی سے آ کر کار میں بیٹھ گئی

’’چلو اب نکل چلو۔‘‘

’’او کے۔‘‘شعیب نے کاندھے اُچکا کر گیئر لگایا اور کار بھگا دی۔ذرا سا آگے جا کر اس نے پوچھا’’اب بتاؤ، کیا کرنا ہے، پولیس کو اطلاع ......‘‘

’’پاگل ہو گئے ہو۔بھول جاؤ کہ کچھ ہوا تھا۔تم نے وہ لوگ دیکھے ہی نہیں۔‘‘نینا نے تیزی سے کہا

’’وہ لوگ......‘‘وہ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سڑک سے اٹھایا ہوا سیل فون بج اٹھا۔نینا نے وہ فون اٹھایا، اور کال رسیو کر کے اسپیکر آن کر دیا۔دوسری طرف سے کوئی بولا

’’اوئے ہاں، کیا بات ہے۔کام ہو گیا؟‘‘

’’ہاں ہو گیا۔‘‘اس نے گھمبیر لہجے میں آواز بدل کر کہا

’’یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟‘‘دوسری طرف سے حیرت بھری آواز میں پوچھا گیا۔

’’وہ آواز ہمیشہ کے لئے بند کر دی ہے میں نے، جسے تم سننا چاہتے ہو۔صرف وہی نہیں باقی تینوں بھی مار دیئے ہیں، جیسے آوارہ کتے مارتے ہیں، بالکل ویسے۔‘‘اس نے نفرت سے دانت پیستے ہوئے کہا

’’کیا؟ کون ہو تم؟‘‘گھبراہٹ میں پوچھا گیا تو نینا نے کہا

’’میں......گُولی......جو بہت جلدی مٹھن خان کے بھیجے میں اُتر جانے والی ہے۔کہہ دینا اس بے غیرت سے۔‘‘

’’گُولی......؟‘‘حیرت سے پوچھا گیا

’’ہاں گُولی، بتا دینا مٹھن خان کو آج کے بعد وہ سکون کی نیند نہ سوئے، تم بھی اُس کے کتّے ہو، اور میں تم سب کی موت ہوں۔‘‘اس نے نفرت سے کہا اور فون بند کر دیا۔وہ خود پر قابو پاتے ہوئے سڑک کو گھور رہی تھی جبکہ شعیب پاگلوں کی طرح اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

’’اب اس فون کا کیا کرنا ہے؟ پتہ ہے، اس فون سے ہم ٹریس بھی ہو سکتے ہیں۔‘‘شعیب نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا

’’جانتی ہوں، تم نہیں، جس کے پاس یہ فون ہوگا، ٹریس وہ ہوگا، میں مٹھن خان سے رابطہ چاہتی ہوں، وہ اسی پر کال کرے گا۔‘‘وہ سرد سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو شعیب کی آنکھوں میں خوف اتر آیا اس نے سر جھٹکتے ہوئے تیزی سے کہا

’’یہ تو نری خودکشی ہے نینا، میں......‘‘

باقی آئندہ ان شاءاللہ

شعیب کہتے ہوئے رک گیا تھا۔خوف کے سائے اس کی آنکھوں میں لرز رہے تھے۔

’’اب مجھے کوئی ڈر نہیں، مجھے بس مٹھن خان کو قتل کرنا ہے۔‘‘نینا کے لہجے میں قہر اُتر آیا تھا۔اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے شعیب کی طرف دیکھا، اور پھر گہرے لہجے میں بولی۔’’ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟‘‘

’’تم وہ نینا نہیں ہو، جسے میں جانتا ہوں۔‘‘اس کے لہجے میں بلا کی حیرت اُتری ہوئی تھی۔

’’تو پھر کون ہوں؟‘‘یہ کہتے ہوئے اُس نے گہری مسکان سے اسے دیکھا۔جس سے کار میں پھیلا ہوا خوف کافی حد تک ختم ہو کر رہ گیا۔

’’کچھ ایسی جس کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی، یا پھر وہ پہلی والی تو کم از کم نہیں ہو۔یہ سب کیسے، تم......؟‘‘شعیب سے کوئی سوال بن نہیں پا رہا تھا۔

’’شعیب۔!میں نے خود کو مار لیا ہے۔‘‘

''مار لیا مطلب؟'' اس نے انتہائی تجسس سے پوچھا تو اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی

''اور یہ سب کچھ ایک نئی زندگی ہے، جو بہر حال میری نہیں ہے۔'' اس نے یوں کہا جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔ان کے درمیان خاموش چھا گئی تبھی شعیب یوں بولا جیسے اسے کوئی اہم بات یاد آ گئی ہو۔

''اس سیل فون کو پھینک دو۔مٹھن کا نمبر ہے میرے پاس، اسے پھینک دو۔''

''یہ لو۔'' یہ کہتے ہوئے نینا نے ایک بار فون کو دیکھا اور پھر باہر پھینک دیا۔

''یہ سب کیسے؟ تم نے بتایا نہیں؟'' شعیب نے کہا تو نینا نے اپنا ہاتھ اس کی گردن میں حمائل کیا، اپنا سر اس کے بائیں کاندھے پر رکھتے ہوئے اس کے قریب ہو کر بولی

''وقت اور حالات نے سکھا دیا پیارے، میری زندگی کا اب صرف ایک ہی مقصد ہے، اس مٹھن خان کو ختم کرنا۔''

''وہ بہت طاقتور آدمی ہے۔ ہماری اس سے خاندانی دشمنی چل رہی ہے، آج سے نہیں بہت پہلے سے، یہ تو آج میں تمہاری وجہ سے بچ گیا ورنہ ......'' یہ کہتے ہوئے اس نے جھرجھری لی اور کانپ گیا۔

''بچانے والا ربّ ہے میری جان، میں کیا اور میری اوقات کیا۔مٹھن خان کی طاقت ہی اس کی کمزوری بنا دو ڈیئر۔اچھا ہوا کہ آج سے ہی یہ کام شروع ہو گیا۔'' اس نے انتہائی نفرت سے کہا

''لیکن، ہم حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔اب یہی دیکھ لو، یہ چار بندے یہاں قتل ہو گئے ہیں۔مٹھن خان کو پتہ ہے کہ یہ بندے کسے مارنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔یہ الگ بات ہے کہ وہ خود مر گئے۔اب مٹھن خان کا تمام تر فوکس ہمارے خاندان پر ہو گا۔مجھ سے پوچھا جائے گا اور......''

''یہ تو ہو گا۔'' نینا نے اس کی بات کاٹ کر کہا، پھر چند ثانئے بعد بولی، ''مگر تم نے یہی کہنا ہے کہ کسی کو نہیں دیکھا، اور نہ کوئی تجھے قتل کرنے آیا ہے۔''

''یہ کیا بات کر رہی ہو، قتل ہو گئے ہیں۔'' اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو نینا نے اس کے چہرے پر دیکھا پھر چند ثانئے بعد طنزیہ لہجے میں پوچھا

''تو کیا تم ڈر گئے ہو؟''

''نہیں، میں ڈرا نہیں، میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا

''مجھے مت بچاؤ۔بھول جاؤ سب، اور یہ سوچو مٹھن خان کو صرف قتل نہیں، ختم کیسے کرنا ہے۔'' اس نے نفرت سے کہا تو ان کے درمیان پھر سے خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر بعد شعیب نے یوں بولا جیسے بات کرنے کا محض بہانہ ہو۔

''نینا، یہ تم نے اسے اپنا نام گولی کیوں بتایا؟''

''بس ایسے ہی سامنے نام آیا تو میں نے کہہ دیا۔'' وہ دھیمے سے لہجے میں لاپرواہی سے بولی

''یہ جو تم اس قدر بدل گئی ہو، یہ سب کیسے کیا؟'' شعیب ابھی تک وہیں اٹکا ہوا تھا۔اس کا تجسس ختم نہیں ہوا تھا۔

''شہر پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا؟'' نینا نے شعیب کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا

''زیادہ سے زیادہ دس منٹ۔'' اس نے جواب دیا

''بس تو پھر، اپنے گھر جاؤ تم، کسی سے کچھ مت کہنا کہ کیا ہوا، اپنے والدین کو بھی نہیں بتانا۔میں جا کر بات کرتی ہوں تم سے۔'' اس نے

سنجیدگی سے کہا

’’مجھے تمہاری سمجھ نہیں آ رہی،تم......‘‘اس نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولی

’’اب کسی کو بھی نہیں آئے گی، جو کہا ہے وہی کرو، باقی میں دیکھتی ہوں۔ڈرائیونگ پر دھیان دو۔‘‘

پھران دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ وہی سٹاپ آ گیا، جہاں سے وہ اس کے ساتھ گئی تھی۔اس نے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا، چادر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹی اور کار رُکتے ہی اُتر کر چل دی۔اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

☆......☆......☆

وہ بارک نمبر تین میں موجود اپنے کوارٹر پہنچی تو آپی فوزیہ برآمدے میں کھڑی تھی۔دیگر لڑکیاں دروازوں میں سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ نینا کو حالات معمول پر نہیں لگے۔اسے دیکھتے ہی آپی فوزیہ نے غصے میں تیزی سے پوچھا

’’کہاں تھی تم؟‘‘

اُسے یقین ہو گیا،صورت حال ٹھیک نہیں تھی۔آپی فوزیہ کے چہرے پر غصے کے ساتھ پریشانی بھری جھنجھٹ تھی۔لگتا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو ۔دوسری نئی لڑکیاں گھبرائی ہوئی کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔کوارٹر میں افراتفری کا عالم تھا۔تبھی اس نے پوچھا

’’آپی کیا ہوا،اس قدر......‘‘اس نے کہنا چاہا تھا کہ وہ بات کاٹتے ہوئے غصے میں بولی

’’آؤ میرے ساتھ،جلدی سے وردی پہنو۔‘‘

’’آپی،کیا ہوا؟‘‘اس نے پوچھا تو وہ پلٹ کر کمرے کے اندر جاتے ہوئے کہتی چلی گئی۔

’’یار کچھ بندے قتل ہو گئے ہیں۔ان کی لاشیں اس وقت ہسپتال میں پڑی ہیں۔انسپکٹر نے سارے تھانے کو الرٹ کیا ہے۔ظاہر ہے مجھے بھی جانا ہو گا، یہاں تو ساری نئی لڑکیاں ہیں،کوئی بھی نہیں ساتھ لے جانے والی۔تم پتہ نہیں کہاں دفعہ ہو گئی تھی۔اب چلو، پتہ نہیں کتنا وقت لگے وہاں پر۔‘‘آپی نے اپنی قمیص اُتارتے ہوئے کہا۔

’’کوئی بھی نہیں تھی؟‘‘اس نے پوچھا

’’ہوتی بھی تو اس وقت کسی دوسری کو ساتھ نہ لے جاتی، تیری بات ذرا کچھ اور ہے،اسی لئے تیرے نخرے سہتی ہوں،چل اب جلدی سے وردی پہن۔‘‘آپی نے قمیص کی سلوٹیں دور کرتے ہوئے کہا۔وہ جلدی سے وردی پہن رہی تھی۔ نینا نے ایک طویل سانس لیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔اس نے بھی تیزی سے آ کر وردی پہنی۔تھوڑی دیر بعد وہ بھی تیار ہو کر آپی فوزیہ کے ساتھ ہسپتال کے لئے چل دیں۔انسپکٹر نے اسے وہیں بلایا تھا۔

وہاں لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ان میں کافی ساری عورتیں بھی تھیں۔ ایک مجمع لگا ہوا تھا۔کچھ لواحقین تھے اور بہت سارے لوگ تماش بین تھے۔اس وقت ڈاکٹر پوسٹ مارٹم کر رہے تھے۔انہیں وہاں اس لئے بلوایا گیا تھا کہ وہاں پر موجود عورتیں کوئی ہنگامہ نہ کر دیں۔لیکن کچھ نہیں ہوا، وہاں پر موجود عورتیں روتی، پیٹتی اور چلاتی رہیں۔اُسے لگا، یہ سب اسے ہی سنا رہی ہیں۔گالیاں، گریہ زاری، بین، بددعائیں جو بھی جس کے منہ میں آتا تھا، وہی کہتی چلی جا رہی تھیں۔ جس طرح ان کا شور تھا،اسی قدر نینا کے اندر طوفان اٹھ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں کوئی گن یا پسٹل نہیں تھا، ورنہ انہیں بتاتی یہ جنہیں یہ رو پیٹ رہی ہیں، اصل میں وہ کرنے کیا گئے تھے۔ وہ اگر انہیں نہ مارتی تو اب تک اس کی لاش ان لوگوں کی جگہ پڑی ہوتی۔ نینا کو اپنے آپ پر قابو پانے میں مشکل ہو رہی تھی۔لیکن جیسے ہی اسے یہ خیال آتا کہ اس نے یہ چھری مٹھن خان پر چلائی ہے تو اس کے اندر تسکین اتر جاتی۔

پوسٹ مارٹم کے بعد لاشیں ورثاء کے حوالے کر دی گئیں۔لاشیں وصول کرنے کے بعد وہاں موجود عورتیں رونے پیٹنے اور چلانے لگیں۔اس

وقت نینا نے بڑے غور سے دیکھا۔جنہیں اس نے گولیاں ماریں تھیں، ان کی حالت کیسی ہوگئی تھی۔یہی وہ لمحات تھے، جب نینا نے اپنے اندر ایک سرمستی اُبھرتے ہوئے محسوس کی۔دشمن کو مارنے کے بعد کیسا سرور ملتا ہے، وہ اس کیفیت سے گذر رہی تھی۔یہ درندگی تھی، ایک مظلوم کا انتقام تھا یا طاقت کا نشہ تھا۔وہ خود نہ سمجھ سکی بلکہ اسے خود سے خوف آنے لگا۔وہ کیا تھی اور کیا بن گئی ہے۔اس نے ایک جھرجھری لی اور خود پر قابو پانے لگی۔

وہ لاشوں کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔وہ ایک طرف کونے میں جا کر کھڑی ہوگئی۔وہ پوری توجہ سے آج کے اس واقعہ کے بارے میں سوچتی چلی جارہی تھی۔جو ہونا تھا، وہ تو ہوگیا تھا۔اس نے اپنے دشمن مٹھن خان پر پہلا چرکا لگا دیا تھا۔یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اس کے درد کا احساس نہ کرتا۔اس نے تو بلبلا اٹھنا ہے۔وہ کتوں کی طرح اُس ''گولی'' کو تلاش کر رہا ہوگا، جس نے اس کے بندے مار دیئے ہیں۔یہ صرف بندے نہیں مرے تھے، اس کی طاقت اور حاکمیت کو چیلنج کیا تھا۔اس نے جو پیغام دیا تھا، وہ مٹھن شاہ کے سینے میں چھری گھونپ دینے کے مترادف تھا۔وہ سکون سے بیٹھنے والا نہیں تھا۔لیکن اگر مٹھن خان کو ختم کرے، وہ پکڑی گئی تو یہ اس کی سب سے بڑی شکست ہوگی۔اس نے سوچ رکھا تھا، ایسا کبھی ہو بھی گیا تھا تو موت کو ترجیح دے گی۔متھن خان کی موت سے پہلے وہ کسی صورت بھی قانون کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتی تھی۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شعیب کا فون آگیا۔

''کہاں ہو؟''اس کے لہجے میں سرسراہٹ تھی۔

''میں ڈیوٹی پر ہوں۔''اس نے پرسکون لہجے میں عام انداز میں کہا

'' ڈیوٹی پر؟ کچھ ہوا تو نہیں، میرا مطلب......''اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا

''یار تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو؟''اس نے ایک دم سے سنجیدہ ہوتے ہوئے ہولے سے کہا

''نہیں، میں گھبرایا ہوا نہیں ہوں، مجھے تمہاری فکر ہے۔میں تو بڑے آرام سے اپنے گھر میں ہوں۔''اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

'' بالکل، یوں ہی پرسکون رہو، صبح ملتے ہیں۔''اس نے کہا۔جس وقت وہ بات کر رہی تھی، اسی دوران آپی فوزیہ اس کے قریب آگئی تھی۔نینا نے اپنا فون بند کر دیا۔کچھ دیر بعد آپی فوزیہ کو انسپکٹر نے جانے کے لئے کہہ دیا۔

آدھی رات کے بعد کہیں جا کر انہیں تھانے سے کوارٹر آنے کی اجازت ملی۔انہوں نے آتے ہی کھانا کھایا اور سونے کیلئے لیٹ گئیں۔نینا کو باوجود کوشش کے نیند نہیں آئی، وہ یہی سوچتی رہی تھی کہ اس نے چار بندے پھڑکا دیئے ہیں، ابھی تو اس نے مٹھن خان کو برباد کرنا ہے، اگر اس سے پہلے وہ پکڑی گئی، یا اس کے بارے میں پتہ چل گیا تو کیا ہوسکتا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے اسے سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کر دیا۔اسے ایک بار پھر اپنے آپ پر غور کرنا تھا۔

پولیس ٹریننگ کا ایک سال اس نے ضائع نہیں کیا تھا۔ایک ایک لمحہ اس نے خود کو مضبوط بنانے پر صرف کیا تھا۔جہاں اس نے اپنی جسمانی مضبوطی کی طرف توجہ دی، وہاں اس نے سیل فون کو ایک ہتھیار کے طور استعمال کیا تھا۔اس نے اپنی آواز کو برتا، ایک ایسا نیٹ ورک بنا لیا، جس میں بہت محتاط رہ کر ایک فرضی نام سے وہ معلومات لیتی اور دیتی تھی۔اس کی ساری توجہ مٹھن خان پر تھی لیکن جیسے ہی وہ اس دنیا میں آگے سے آگے جاتی گئی، نت نئے انکشافات اس کے سامنے کھلتے چلے گئے۔لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے؟ دنیا کس طرح بس رہی ہے، چوری چھپے کیا کھیل کھیلے جا رہے ہیں، بظاہر شرفاء اور معزز لوگ کیا کیا گل کھلا رہے ہیں، کیسی کیسی وارداتیں ہو رہی ہیں، انسان کب تک انسان رہتا اور کب وہ درندہ بن جاتا ہے، اس پر سب کھلتا چلا گیا۔عادی یا پیشہ ور مجرم تو بہت پیچھے رہ گئے تھے۔اس دنیا میں نئے لوگ کتنا آگے بڑھ گئے تھے، یہ کسی کی نگاہ ہی میں نہیں تھا۔اسے پہلی بار پتہ چلا کہ انفارمیشن کتنی بڑی قوت ہوتی ہے۔

پولیس کی نوکری نے اسے بہت اچھی ٹریننگ تو دے دی تھی، لیکن جو اس کے عزائم تھے، اس میں کہیں بھی وہ پکڑی جاسکتی تھی۔یوں ناک کے

یہ کب تک چل سکتا تھا۔کوئی بھی ادارہ ہو، اس کے اپنے اصول اور ضوابط ہوتے ہیں، اور خاص طور پر جب معاملہ فورسز کا ہو، اس میں نگاہ رکھی جاتی ہے۔لیکن اگر انہی اصول وضوابط کی پاس داری کی جائے اور اس پر سختی سے عمل درآمد بھی ہو تو اس میں کرپشن نہیں ہو سکتی۔کہیں نہ کہیں راستے کھلتے ہیں، چور دروازے بڑے بڑے راستوں میں تبدیل ہوتے ہیں تو معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ نینا نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کے محکمے میں بھی بڑے چور دروازے ہیں۔اسے انہیں استعمال کرنا آ گیا تھا۔اس نے آتے ہی آپی فوزیہ کو اس طرح سے اپنے ہاتھوں میں لیا کہ وہ من مانی کرنے لگی تھی۔ جب چاہئے چھٹی لے لیتی اور جب چاہئے واپس کوارٹر پر آ جاتی، دل چاہتا تو ڈیوٹی کر لیتی اور من نہ چاہتا تو موج کرتی۔مگر یہ کب تک چل سکتا تھا؟

وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ مجرم چاہئے جتنا مرضی چالاک، شاطر اور طاقت ور ہو، قانون کے شکنجے میں آ ہی جاتا ہے۔اگر بالفرض وہ بچ بھی جائے تو رب تعالی کا ایک دوسرا انظام موجود ہے، جسے مکافات عمل کہتے ہیں۔مظلوم کی آہ رائیگاں نہیں جاتی اور ظالم کبھی بچ نہیں سکتا۔وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ مٹھن خان کو ختم کرنا اس اکیلی کا بس نہیں لیکن وہ اس راہ پر چل پڑی تھی۔وہ تو پہلے ہی قانون کی آنکھوں میں دھول نہیں ڈال رہا تھا بلکہ کھلے عام قانون شکنی کر رہا تھا۔اس پر سیدھا ہاتھ ڈالا ہی نہیں جا سکتا تھا۔اس نے طے کیا ہوا تھا کہ وہ مٹھن خان سے ٹیڑے ہاتھوں ہی سے نمٹے گی، یہ کیسے ہوگا، وہ خود نہیں جانتی تھی۔ یہ طے تھا کہ اس کا مقصد اور پولیس کی نوکری دونوں نہیں چل سکتے تھے۔

یہی سوچتے ہوئے اُسے صبح ہو گئی مگر اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔وہ اپنے وقت پر اٹھی اور میدان میں چلی گئی۔واپس آئی تو آپی فوزیہ سمیت سبھی ناشتہ کر رہے تھے۔وہ تھانے جانے کو تیار تھی۔تبھی اس سے کہا

''آپی چھٹی چاہئے، گھر جانا ہے، کل آ جاؤں گی۔''

''چلی جانا۔'' یہ کہہ کر اس نے خالی کپ بڑھایا اور باہر نکلتی چلی گئی۔نینا کچن میں گئی، خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا اور تیار ہونے لگی۔اسے آج ہر حال میں شعیب سے ملنا تھا، وہ اسے فون کر کے سب طے کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

وہ شہر کی مشرقی سمت میں شعیب کے دوست کا فارم ہاؤس تھا۔وہ شہر میں نہیں تھا لیکن اس کے تمام ملازمین اسے جانتے تھے۔نینا اور شعیب رہائشی عمارت کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے لان میں کھلے پھول، دور تک کھیت اور سڑک تک سب صاف دکھائی دے رہا تھا۔کھلی کھڑکی سے آتی ہوئی ہلکی ہلکی ہوا نے ماحول کو معطر کر کے رکھ دیا ہوا تھا۔وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔نینا نے اپنی پوری روداد شعیب کو سنا دی تھی۔اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔یہاں تک کہ فواد کے ساتھ ہونے تمام باتیں کہہ ڈالیں۔سب کچھ سننے کے بعد شعیب نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا

''تو اس کا مطلب ہے تم انتقام کی راہ پر چل نکلی ہو۔''

''کیا کروں پھر، مر جانا بھی آسان نہیں رہا میرے لئے، اور میں ذِلت کے ساتھ نہیں جی سکتی۔'' اس نے بے بسی سے کہا

''کون کہتا ہے کہ تم ذلت کے ساتھ جیو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم یوں بندے پھڑکاتی پھرو۔چار بندے مار دیئے ہیں تم نے، میں تمہارا پاگل پن دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں، اس قدر وحشت......'' اس نے ان لمحات کو یاد کرتے ہوئے جھرجھری لے کر کہا

''میں انہیں نہ مارتی تو وہ تمہیں مار دیتے، مجھے اٹھا کر لے جاتے۔ وحشی درندوں کی طرح مجھے بھنبھوڑ دیتے اور پھر قتل کر کے کہیں پھینک دیتے۔یہ سوچا تم نے؟ وہ رحم کھاتے ہم پر، تصور کرو، میرے بدن سے لپٹے ہوئے مجھے بھنبھوڑ رہے ہوتے، تم اپنی لاش کے بارے میں سوچو کہیں......'' نینا نے ایک دم سے کہا

''بس کرو......'' شعیب نے جھرجھری لے کر کہا

''جانتا ہوں، تبھی تو تم پر اتنا اعتماد کیا ہے۔ میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا، مگر ایک سوال ہے تم سے؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا

''بولو۔'' وہ سوچتے ہوئے لہجے میں بولی

''تم جانتی ہو کہ مٹھن خان اب خاموش بیٹھنے والا نہیں، اس کے بندے اُس قاتل کو ضرور تلاش کریں گے، جس نے اس کے بندے پھڑکائے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ ہم تک پہنچ پاتے ہیں یا نہیں، لیکن سوال یہ ہے تم نے میرے لئے اتنا بڑا رسک کیوں لیا؟ صرف مٹھن خان کی دشمنی میں یا......'' وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

''تم جو مرضی سمجھو، دشمنی تو میری مٹھن خان سے ہے وہ مرے گا یا میں۔'' نینا نے گہری سنجیدگی سے کہا

''بس تو پھر، یہ جان لو، کل کے حملے کے بعد، میں نے یہ سوچ لیا ہے، میرا ابھی اگر کوئی دشمن ہے تو وہ صرف مٹھن خان ہی ہے۔ مجھے قتل کرے یا میرے بھائی کو بات تو ایک ہی ہے۔'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا

''شاید قسمت نے ہم دونوں کو ایک ہی راہ کا مسافر بنانا تھا۔'' نینا نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا

''نہیں، ہم ایک ہی راہ کے مسافر نہیں بن سکتے؟'' شعیب نے حتمی لہجے میں کہا تو اس نے چونکتے ہوئے کہا

''کیوں، وہ کیوں نہیں بن سکتے؟''

''تم انتہائی جذباتی ہو، لہر جتنی بھی طوفانی ہو، ساحل سے ٹکرا کر ختم ہو جاتی ہے۔ جذبات کا، طاقت سے کیا مقابلہ؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس نے صاف لفظوں میں کہا

''تو پھر کیا تمہارے پاس اس جتنی طاقت ہے؟'' نینا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا

''بلاشبہ نہیں ہے، لیکن میرے پاس صبر ہے، مناسب وقت کے لئے صبر، وحشی درندے کو طاقت سے زیر نہیں، بلکہ عقل سے کیا جاتا ہے، دوسرے لفظوں میں انسان کے پاس شیر جتنی طاقت نہیں ہے، لیکن شیر کو انسان زیر کر لیتا ہے، کیسے، یہ تم سمجھ سکتی ہو؟'' شعیب نے سکون سے کہا

''یہ بھی دیکھو نا، ایک من وزن کی بوری اٹھانا ہے تو عقل اس بوری کا وزن کم نہیں کر سکتی، وزن اتنا ہی رہے گا۔ لیکن میں یہ بھی مانتی ہوں کہ عقل اس وزن کو اٹھانے میں سہولت دے دے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی

''یہی میں تمہیں سمجھا رہا ہوں، ناممکن کچھ بھی نہیں ہے، ہمارے پاس طاقت بھی نہیں جتنی اُس کے پاس ہے، تو ہمیں کیا کرنا، ہمیں صبر، تحمل اور سکون سے سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہے۔'' شعیب نے سنجیدگی سے کہا

''میں سمجھ گئی تم کیا کہنا چاہتے ہو، اگر تم وعدہ کرو کہ تم اس راستے پر میرے ہم سفر بن جاؤ گے، تو پھر تم جیسے چاہو گے، ویسے ہی ہوگا۔'' نینا نے مسکراتے ہوئے کہا

''چلو، ایسے ہی سہی۔'' اس نے کہا تو ہنس دیا تو وہ بولی

''شکر ہے تمہارے چہرے پر مسکراہٹ تو آئی۔''

''آؤ کھانا کھاتے ہیں، نیچے ملازم مجھے بلا رہا ہے۔'' شعیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ نیچے لاؤنج میں آ گئے۔ جہاں ڈائنگ ٹیبل پر کھانا لگا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد وہ لان میں آ کر بیٹھ گئے۔ ملازم وہیں چائے دے گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اچانک شعیب نے گہرے لہجے میں کہا

''یار! پتہ نہیں مٹھن خان کیا کر رہا ہوگا۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کے بارے میں ہمیں پتہ چلنا چاہئے۔ خاص طور پر ان چار بندوں کے بارے میں۔''

”ان بندوں کے بارے میں مجھے پتہ ہے،رات میری وہیں پر ڈیوٹی تھی۔مٹھن خان صرف ’گولی‘ کو تلاش کر رہا ہے۔“اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”ان چاروں کے بارے میں تمہیں پتہ ہے؟“شعیب نے پوچھا

”کہانا،وہاں ہسپتال میں بہت ساری عورتیں تھیں، وہ کہاں کہاں رہتے تھے،کون تھے،سب جانتی ہوں۔سبھی اس کے پروردہ پالتو تھے۔“نینا نے نفرت سے کہا۔اس پر وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا

”میں نے رات ہی سوچ لیا تھا کہ کرنا کیا ہے۔میں تمہیں ایک فون دیتا ہوں۔تم گولی بن کر اسے ذہنی طور پر ٹارچر کرو،اسے بھڑکاؤ، پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔“شعیب نے سمجھاتے ہوئے کہا تو نینا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔پھر بولی

”اس فون سے ہم ٹریس نہیں ہوں گے کیا؟“

”نہیں، وہ میں نے خود بنایا ہے اور اس پر بارہا دفعہ تجربہ کر چکا ہوں، وہ کہیں ٹریس نہیں ہوگا۔اب تمہیں پتہ ہے کہ کیا کرنا ہوگا تمہیں؟“ شعیب نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً سمجھ گئی کہ اس نے کرنا کیا ہے۔یہی سوچ کر وہ ہولے سے مسکرا دی۔پھر سکون بھرے لہجے میں بولی

”اوئے کیا کہنے تیرے،چل دے مجھے کہاں ہے وہ سیل فون،میں کرتی ہوں بات۔“

”دیتا ہوں،ذرا صبر کرو۔“ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر کی جانب چلا گیا۔وہ پورچ میں کھڑی گاڑی تک گیا تھا۔اس میں سے بیگ نکالا اور واپس آ گیا۔اس کے بیگ میں بہت ساری چیزیں تھی، وہ ایک ایک کر کے سب نکال کر رکھنے لگا۔وہ ساری الیکٹرونکس کی چیزیں تھیں۔اس پر نینا نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا

”یہ کیا مینا بازار لگا رہے ہو؟“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا،اور احتیاط سے مختلف ڈبے نکالتا رہا، یہاں تک کہ ایک ڈبے سے سیل فون نکال کر بولا

”تجھے نہیں پتہ یہ کیا کچھ ہے،ابھی تم یہ پکڑو،اسے آن کرو۔“ یہ کہہ کر اس نے وہ سیل فون اُسے تھما دیا۔وہ اسے دیکھنے لگی تو وہ چیزیں واپس بیگ میں رکھنے لگا۔سب چیزیں سنبھال چکا تو بیگ ایک طرف رکھ کر پوچھا،”آن ہو گیا؟“

”ہو گیا۔“نینا نے بتایا

”تو بس ہو جاؤ شروع،اس میں مٹھن خان کا ہی نمبر محفوظ ہے،کسی دوسری کی ضرورت ہو گی تو کر لینا۔“

نینا کے بدن میں ایک دم سے سنسنی پھیل گئی۔اس نے اسکرین پر نمبر دیکھا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے نمبر پش کر دیا۔اگلے ہی لمحے کال مل گئی۔اس نے اسپیکر آن کر دیا۔

”کون؟“دوسری طرف مٹھن خان بول رہا تھا، وہی کہر آلودسی کرخت آواز،جس میں زندگی کم اور درندگی زیادہ تھی۔

”میں گولی.....“اس نے بھی سرد لہجے میں کہا تھا۔چند ثانیے خاموشی رہی، بلاشبہ مٹھن خان کو شاک لگا تھا۔پھر یوں کہا گیا جیسے کوئی خود کو روک رہا ہے۔

” کون ہو تم ؟ کس نے......“

”بکواس بند کر مٹھن،موت کے سامنے نہیں بولتے،چپ چاپ اپنا آپ موت کے حوالے کر دیتے ہیں۔“

”تم اور موت......تیرے جیسی موت کو میں اپنی جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں، اتنی ہمت ہے تو سامنے آ،پھر دیکھوں تو کتنی بھیانک ہے۔“اس نے طنزیہ لہجے میں کہا

”میں وہ موت ہوں، جو تمہیں ایک دم نہیں مارنے والی، ذرا ذرا کر کے ماروں گی،تو خود موت مانگے گا لیکن تجھے موت نہیں ملنی، جب چاہئے

تیری بھیجے میں اُتر سکتی ہوں۔‘‘

’’تو نہیں، میں تجھے اپنے پاس لا کر ماروں گا، صرف چند گھنٹے، زیادہ نہیں۔‘‘ اس نے کہا

’’میں انتظار کروں گی مٹھن خان۔‘‘ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ شعیب ایک دم سے ہنس دیا

’’شاید اس نے فون اسکرین نہیں دیکھی تھی۔ اس نے سوچا ہوگا کہ نمبر سے تجھ تک پہنچ جائے گا، ایسا نہیں ہوگا، رات کو پھر فون کر دینا۔‘‘ اس نے کہا اور صوفے پر پھیل گیا۔ ان کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔

وہ دونوں وہیں لاؤنج میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شام اتر آئی۔ ان کے درمیان اتنی باتیں ہوئیں تھیں کہ انہیں خود نہیں پتہ چلا کہ وہ اپنی زندگی کے کیسے کیسے گوشے بے نقاب کرتے گئے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔

شعیب ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ بچپن ہی سے اسے انجینئر بننے کا شوق تھا۔ وہ چار بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس کے والدین حیات تھے۔ اسے روپے پیسے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اپنے شوق کی خاطر امریکہ پڑھنے گیا اور واپس آ کر بھی اس نے کوئی نوکری تلاش نہیں کی۔

بہت عرصہ قبل اس کا والد قومی اسمبلی کے الیکشن پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے مقابل مٹھن خان تھا۔ شروع شروع میں مٹھن خان نے لالچ اور دھونس سے انہیں الیکشن سے دستبردار کرانا چاہا، شعیب کے والد نے ایسا نہیں کیا۔ الیکشن سر پر آ گیا تو وہ اپنی روائتی کمینگی پر اُتر آیا۔ اس نے لوگوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دو قتل بھی کروا دیئے۔ لوگ ڈر گئے۔ انہوں نے ووٹ مٹھن خان کو دیا۔ وہ جیت گیا۔ ووٹوں کا بہت کم فرق تھا۔ تب سے اس نے شعیب کے خاندان سے دشمنی کی ابتدا کر دی۔ وہ ہر معاملے میں، ہر جگہ ان کی مخالفت کرتا چلا آ رہا تھا۔ شعیب کے والد نے بہت اچھا وقت گذار لیا تھا، لیکن شعیب کا بھائی زوہیب گرم خون تھا۔ وہ برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ سو مٹھن خان اس کا بھی دشمن ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے قتل کرنے کو قاتل بھیج دیئے تھے۔ یہ ساری باتیں کرتے ہوئے انہیں پتہ ہی نہ چلا۔ سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ رہائشی حصے سے باہر آ گئے۔ باہر کرسیاں پڑی تھیں، وہ اس پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہاں بیٹھ کر وہ یہی سوچتے رہے کہ اگر انہیں مٹھن خان کے گرد گھیرا کرنا ہے تو وہ کس طرح تنگ کرنا ہوگا۔ ان کی سمجھ میں بہت کچھ آیا لیکن وہ کسی ایک نکتے پر خود کو مرکوز نہیں کر پائے۔

نیند ان کی آنکھوں سے غائب تھی۔ تبھی نینا کو خیال آیا کہ اس نے مٹھن خان کو فون کرنا ہے۔ اس نے فوراً فون اٹھایا اور اسے کال ملا دی۔ ابھی دوسری بیل پوری طرح نہیں گئی تھی کہ فون رسیو کر لیا گیا۔

’’کون ہو تم؟‘‘ اس بار مٹھن خان کی آواز میں غصے کے ساتھ جھنجلاہٹ بھی تھی۔

’’یہ نہ پوچھ مٹھن خان، مجھے یہ بتا کہ مزید کتنے گھنٹے لو گے مجھ تک پہنچنے کے لئے، میں منتظر ہوں۔‘‘ نینا نے طنز سے بھرے ہوئے لہجے میں کہا

’’میں پوچھ رہا ہوں تم ہو کون؟‘‘ اس نے غصے کی انتہا کو چھوتے ہوئے پوچھا

’’مطلب، میں مان لوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے، مان لو شکست، تاکہ تمہیں کوئی حسرت نہ رہے، تم ہار مان لو، میں تم تک پہنچ جاتی ہوں، کیونکہ آج کے بعد ذلت تیرے مقدر میں ہے اور وہ بھی میرے ہاتھوں، میں......‘‘ اس نے کہنا چاہا تو مٹھن خان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

’’بکواس بند کر...... میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا، جہاں مرضی چھپ جاؤ، تم جو بھی ہو، میں تم تک پہنچ جاؤں گا۔‘‘

’’مطلب چند گھنٹے والی تمہاری بات جھوٹی ہو گئی۔‘‘ اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور قہقہہ لگا دیا۔ جس نے بلاشبہ جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مٹھن خان گالیاں دینے لگا۔ وہ ہنستی رہی، پھر ایک دم سے خاموش ہو کر ایک بھاری گالی دیتے ہوئے کہا

’’اوئے ہیجڑے۔! مرد اپنی بات کا پاس کرتے ہیں...... اب سن، ایک عورت کی بات سن...... میں تمہیں آسانی سے مار سکتی ہوں، لیکن میں

تمہیں آسانی سے ماروں گی نہیں، اس وقت تک نہیں، جب تک تم ختم نہ ہو جاؤ......میرے سامنے میرے پاؤں پر سر رکھ کر مرنے کی بھیک نہیں مانگوں گے، تب تک، یاد رکھ آسانی سے نہیں، کتے کی موت ماروں گی۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔اس کے اندر کا غصہ ابل پڑا تھا۔شعیب اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”چل اب رکھ دے فون، بہت ہو گئی۔دو دن بعد اسے ٹارچر کر لینا۔“

”اگر مجھے آج ہی موقعہ مل جائے تو میں اسے چیر پھاڑ دوں۔“نینا نے نفرت سے کہا تو شعیب تحمل سے بولا

”میں تمہارے جذبات جانتا ہوں۔آؤ اندر چلتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں۔یہ طے ہوتا رہے گا کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا۔“

وہ اندر چلے گئے۔رات گہری ہو چکی تھی۔اس رات انہوں نے بہت کچھ طے کر لیا تھا۔اگلی صبح وہ ڈیوٹی پر تھی۔

ایک ہفتے سے بھی زیادہ دن یونہی گذر گئے۔ان دونوں کی ملاقات تو نہ ہو پائی لیکن، ان کے درمیان فون پر لمبی لمبی باتیں ہوتی رہیں۔تھانے میں اور اس کے اردگرد انہی چار لوگوں کے قتل اور اس کے قاتلوں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔مٹھن خان کا ایک کارندہ صبح سویرے ہی تھانے میں آ کر بیٹھ جاتا۔کچھ خوشامد پسند صحافی دن میں کئی کئی چکر لگاتے اور اس تفتیشی آفیسر کا سر کھاتے۔اب اس کے پاس کوئی سرا ہوتا تو بتاتا۔نینا پوری طرح اس کیس کے بارے میں خبر رکھ رہی تھی۔قتل کا کوئی سراغ تو نہ مل رہا تھا لیکن مٹھن خان کا غصہ اپنے عروج پر چلا گیا۔اس نے کئی بار ڈی ایس پی کو اپنے ڈیرے پر بلایا تھا۔شہر میں واویلا کرانے اور ہڑتال کی دھمکیاں دینے لگا تھا۔’اُوپر‘ سے آنے والی فون کالز سے دن بدن تھانے والوں پر سختی بڑھنے لگی تھی۔لیکن کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔

ان کے درمیان ہونے والی فون کالز اور باتوں سے ہر طرح کا تکلف ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ایک رات تو نینا نے بڑے رسان سے اسے یہ بھی بتا دیا کہ وہ اسے بہت اچھا لگتا ہے۔اس نے اپنی ساری کیفیات اسے بتا دیں۔شعیب نے بس ایک ہی بات کہہ کر اپنی جان چھڑا لی۔

”چل ٹھرکی کہیں کی۔“

اس پر وہ بہت دیر تک ہنستی رہی تھی۔یوں بات مذاق میں اُڑ گئی۔اس رات نینا نے اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھا، بہت دیر بعد اسے سمجھ میں آ گیا کہ یہ شعیب ہی ہے جس پر وہ خود فدا ہو گئی ہے۔اس نے دل سے یہ دعا کی کہ وہ اس کے ساتھ چل سکے کہیں وقت اور حالات کی تاب نہ لا کر وہ بچھڑ نہ جائے۔نینا کو لگا کہ وہ اسے اپنا دل دے چکی ہے۔

کئی دن گذر گئے۔ایک شام شعیب نے فون کر کے پوچھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

”اُو ظالم، میں تیرے لئے ہر وقت حاضر ہوں، بتا کیا بات ہے۔“

”آج ہمارے والے فارم ہاؤس پر کوئی نہیں ہے۔کیا خیال ہے، آتی ہو؟“شعیب نے نجانے کیوں اس طرح پوچھا۔نینا نے چند لمحے اس کی آفر پر غور کیا، پھر بولی

”میں خود وہاں پہنچوں یا پھر تم مجھے پک کرو گے؟“

”اسی پوائنٹ پر آجاؤ، پک کر لوں گا۔“

”ٹھیک ہے، میں کرتی ہوں کوشش۔“اس نے کہا اور فون بند کر کے آپی فوزیہ کو دیکھا۔وہ ابھی تک تھانے سے نہیں آئی تھی۔اس نے اپنے ساتھ والی کو بتایا کہ میں گاؤں جا رہی ہوں، کل صبح تک آ جاؤں گی۔یہ کہہ کر وہ نکلی اور اس سٹاپ تک جا پہنچی، جہاں اس کے انتظار میں شعیب کھڑا تھا۔وہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی

”کار چلاتے ہوئے ذرا بچ بچا کے چلا کر، اِدھر اُدھر دیکھ لیا کر کوئی پیچھا تو نہیں کر رہا ہے۔“

”پچھلے آدھے گھنٹے سے یہی کر رہا ہوں۔یونہی شہر میں چکر لگایا، کوئی میرے پیچھے تو نہیں۔“یہ کہہ کر اس نے گیئر لگا دیا

''تو پھر......سب کلیئر ہے نا؟'' نینا نے یونہی پوچھا تو وہ جلتے ہوئے لہجے میں بولا

''نہیں بندے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔''

یہ سن کر وہ ایک دم سے ہنس دی۔ یوں لگا جیسے کار کے اندر گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔شعیب نے اس کی طرف دیکھا، پھر سامنے دیکھ کر بولا

''یار تم ایسی ہی ہو یا پھر جان بوجھ کر کرتی ہو؟''

''تم میرے بارے میں نہ سوچو، یہ بتاؤ، یہ اچانک ملاقات کا خیال تیرے ذہن میں کیسے آ گیا۔''

''بتاتا ہوں تفصیل سے۔'' اس نے کہا تو ان کے درمیان ادھر ادھر کی باتیں چل پڑیں۔

سورج غروب ہو گیا تھا جب وہ فارم ہاؤس پہنچے۔ کار پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد اس نے اپنے ساتھ لایا ہوا سامان نکالا اور نینا کے ساتھ سیدھا کچن میں چلا گیا۔ اس نے وہ سامان فریج میں رکھا اور نینا کو بٹھانے کے بعد خود چائے بنانے لگا۔ وہ اس دوران خاموش سے کپ نکالنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں اپنے سامنے مگ رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ پہلا سپ لے کر شعیب نے کہا

''مٹھن خان کے ڈیرے کا تفصیلی ویڈیو لے لیا ہے۔''

''کیسے؟'' نینا نے چونکتے ہوئے پوچھا

''وہاں بہت عرصے سے ہمارا ایک بندہ ہے، بابا نے اسے وہاں چھوڑا ہوا ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات ہو تو پہلے بتا دیتا ہے۔ بڑے حساب سے وہاں جمایا ہوا ہے، اس کے ذریعے سے کوئی نہ کوئی خبر ملتی رہتی ہے۔'' شعیب نے بتایا

''اس نے کیسے کر لیا۔ کسی کو......''

''اس نے بذات خود نہیں کیا، اس کا بیٹا گیا تھا وہاں پر، یہ کئی دونوں بعد چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بنائی ہے۔ خیر بن گئی ہے۔'' شعیب نے تفصیل سے بتایا

''وہ بندہ مزید یہ پتہ......'' نینا نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا

''وہ بندہ جو کر سکتا ہے، وہی کیا ہے۔ تم نے جو تھانے کے حوالے سے بتایا، یا جو میں نے اب تک خبریں لی ہیں، اس کے مطابق، مٹھن خان کا سارا فوکس اس گولی پر ہے۔ ویڈیو دکھانے کے علاوہ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ آج رات تم اس سے بات کرو اور اس کا دماغ خراب کرو۔''

''اسکے علاوہ۔'' نینا نے سنجیدگی سے پوچھا

''یہ بھی ڈسکس کرنا چاہتا ہوں کہ شہر میں اور گرد و نواح میں اس کے پروردہ لوگ کون ہیں اور کون اس کے دشمن ہیں۔ میں نے کافی حد تک اس پر تحقیق کی ہے۔''

''یہ تو خیر میں بھی تمہیں بتا سکتی ہوں، اس کے علاوہ مزید......'' نینا نے پھر سنجیدگی ہی سے پوچھا تو شعیب نے ایک دم سے اس کی طرف دیکھا پھر سمجھ کر مسکراتے ہوئے بولا

''مزید کچھ نہیں۔''

''کاش تم یہ کہتے کہ میں نے تم سے دل کی باتیں کہنا تھیں، کچھ حال دل، کچھ میٹھی پیار محبت کی باتیں کرنا تھیں، کچھ......'' وہ مزید کہنا چاہتی تھی کہ شعیب نے سر جھٹکتے ہوئے کہا

''چل اُوئے ٹھرکی کہیں کی۔''

یہ کہہ کر اس نے چائے کا سپ لینے کے لئے مگ اٹھا لیا مگر نینا قہقہ لگا کر ہنس دی۔ وہ چائے پینے کے بعد اوپری منزل کے ایک بیڈروم میں آ گئے۔ کچھ دیر بعد نینا نے مٹھن خان کو فون کر دیا۔

''اب تک نہیں پہنچ پائے ہو مٹھن خان؟''

''تم ایک بار میرے سامنے آجاؤ تو میں تمہیں بتاؤں۔'' دوسری طرف سے انتہائی غصے میں کہا گیا

''میں آؤں گی، ضرور آؤں گی، لیکن اس وقت میں تمہاری موت بن کر آؤں گی، اور اس میں زیادہ وقت نہیں ہے۔'' نینا نے طنزیہ اور حقارت بھرے انداز میں کہا

''اس سے پہلے میں تم تک پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے کہا

''چلو دیکھتے ہیں، تمہیں اگر ذرا جلدی مرنے کا شوق ہے تو یہ شوق بھی پورا کرلو، مگر یہ مان لو کہ تم ہیجڑے ہو اور اپنی بات پوری نہیں کر پائے ہو'' اس نے اتنا کہا تھا کہ دوسری طرف سے ایک دم خاموشی چھا گئی۔ جیسے وہ سمجھ گیا ہو کہ 'گولی' کیا چاہ رہی ہے۔ اس نے فون بند کر دیا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شعیب نے کہا

''نینا! سمجھ لو آج سے اس نے تمہارے فون کو سنجیدگی سے لے لیا ہے۔ وہ اب تمہیں پکڑنے کے لئے بہت کچھ کرے گا۔''

''صرف مجھے؟'' نینا نے ایک دم سے پوچھا تو اس پر شعیب نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر نینا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر انتہائی جذباتی انداز میں بولا

''نینا۔! تم نے مجھے لڑنے کا حوصلہ دیا ہے، یہ وقت بتائے گا، کون پہلے پکڑا جاتا ہے اور کون پہلے جان دیتا ہے۔''

اس پر نینا کے اندر تک حوصلہ اُتر گیا۔

وہ رات گئے تک انہی موضوعات پر بات کرتے رہے۔ درمیان میں نینا محض شغل کی خاطر اسے چھیڑ بھی لیتی۔ آدھی رات کے بعد انہوں نے کھانا کھایا اور پھر باتیں کرتے چلے گئے۔ اصل میں وہ کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے کی فکر میں تھے، جس سے مٹھن خان کو ختم کیا جا سکے، شعیب کا خیال تھا، اسے قانونی طور پر گھیرا جائے۔ اس کے خلاف ثبوت اکٹھے کئے جائیں۔ ان ہی باتوں میں یونہی رات گذر گئی، یہاں تک کہ صبح کا اُجالا پھیلنے لگا تو وہ فارم ہاؤس سے نکل آئے۔

❀......❀......❀

اس دن وہ تھانے میں موجود تھی۔ ایک ادھیڑ عمر خاتون روتے ہوئی تھانے میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ اس نے تھانے میں آکر یہی واویلا کیا کہ کچھ بدمعاش اس کی بیٹی کو دن دہاڑے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ وہ کالج سے واپس آرہی تھی کہ چند لوگ جیپ پر آئے، انہوں نے اس کی بیٹی کو اٹھایا اور جیپ میں ڈال کر فرار ہو گئے۔

'' تمہیں کیسے پتہ چلا؟ منشی نے حسب روایت پوچھا

''محلے کی ان دوسری لڑکیوں سے بتایا جو اس کے ساتھ کالج سے واپس آرہی تھیں۔'' اس عورت نے روتے ہوئے کہا تو منشی نے پوچھا

''کون لوگ تھے وہ ؟ کسی پر شک ہے؟''

''کئی دن سے ہمارے گھر میں فون آرہے تھے، میری بیٹی کو تنگ کیا جا رہا تھا۔ مٹھن خان کا بیٹا فرحان فون کرتا تھا فون۔'' عورت نے دلدوز انداز میں کہا تو منشی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے تیزی سے کہا

''اے مائی ذرا ہوش کی دوا کر، کس کا نام لے رہی ہے، جا پہلے تصدیق کر، پھر ایسا کوئی نام لینا۔''

''ہمارے فون میں اس کا نمبر ہے، جو آئے دن اسے اٹھا لینے کی دھمکیاں دیتا تھا۔'' عورت نے چیختے ہوئے کہا

''تمہارے گھر میں کوئی مرد ہے؟'' منشی نے پوچھا

''میرا خاوند ہے جو دوسرے شہر میں کام کرتا ہے، اسے میں نے بتا دیا ہے، وہ آتا ہی ہوگا۔'' عورت نے بتایا

''تو پھر جب وہ آئے تو اسے لے کر آ جانا۔ابھی جاؤ۔'' منشی دھتکارنے والے انداز میں کہا

''آپ میری رپورٹ تو لکھو۔'' اس نے حیرت سے کہا

''جاؤ اپنے خاوند کو لے کر آؤ، اور جب اسے ساتھ لانا تو سوچ سمجھ کر آنا، تمہاری بیٹی کس نے اٹھائی ہے۔ایویں ہی لوگوں کو بدنام کر رہی ہے، وہ چاہے خود ہی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہو۔'' منشی نے حقارت سے کہا

''کیا بات کر رہے ہو تم، میں بتا رہی ہوں اور تم......'' اس نے کہنا چاہا تو منشی نے اکتاتے کہا

''اُوئے جامائی، پہلے اچھی طرح پتہ کرو، پھر آنا، ہم تمہارے لئے ویہلے نہیں بیٹھے ہوئے۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اندر انسپکٹر کے کمرے میں چلا گیا۔بلاشبہ اس نے یہی بات کرنہ تھی کہ باہر جو عورت فریاد لے کر آئی ہے، وہ کس کے خلاف ہے۔نینا دوسرے کمرے میں چلی گئی جہاں سے ان کی گفتگو سن سکتی تھی۔انسپکٹر غصے میں منشی سے کہہ رہا تھا۔

'' اوئے بے وقوف کے بچے، پہلے مٹھن خان کے ڈیرے سے پتہ کر لے، اگر وہ لڑکی وہاں ہے تو ٹھیک ورنہ کچھ کرتے ہیں، پہلے پتہ تو کر۔''

انسپکٹر کا یہ حکم سن کر منشی نے کسی کا فون نمبر ملایا۔کچھ لمحے بعد اس نے استفسار کرتے ہوئے یہی سول دہرایا۔بات ختم کر کے وہ انسپکٹر سے بولا

''سر جی لڑکی وہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ خان جی سے پوچھ کر بتاتا ہے کہ لڑکی کب چھوڑ دیں گے۔''

''چل تو ایسے کر، اس عورت کو یہاں سے نکال، میں رابطہ کرتا ہوں ڈیرے پر، پھر دیکھتے ہیں۔'' انسپکٹر نے کہا تو منشی دفتر سے باہر نکل کر اس عورت کو طفل تسلیاں دینے لگا۔کاروائی کے لئے اس نے درخواست بھی لے لی اور انہیں بھیج دیا۔

نینا جس طرح یہ سب سنتی گئی، اسی طرح اس کے بدن میں آگ لگتی چلی گئی۔اسے خود پر قابو پانا مشکل ہونے لگا۔اسے ایک دم سے ہی سائرہ یاد آنے لگی۔اسے لگا جیسے سائرہ اسے پکار رہی ہے۔وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کو بچائے گی، چاہے اس کے لئے اس کی اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔وہ تھانے سے باہر آ گئی۔ اس نے باہر آتے ہی شعیب کو فون کیا، اس نے تیزی سے پوچھا

''مجھے بات بتاؤ، ہوا کیا ہے؟''

''بس تم جتنی جلدی مجھے مل سکتے ہو، ملو، میں نہیں جانتی۔'' اس نے متوحش لہجے میں کہا تو اس نے ایک پوائنٹ بتایا جہاں وہ مل سکتے تھے۔نینا پہلے اپنے کوارٹر میں گئی اور آپی فوزیہ کو بتایا کہ اس کی والدہ بہت بیمار ہے، اس کے پاس جانا ضروری ہے، وہ صبح تک واپس آ جائے گی۔آپی نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ سادہ لباس میں وہاں سے رکشے میں نکلی اور سیدھی اس پوائنٹ پر گئی۔شعیب پہلے ہی وہاں اس کا انتظار کر رہا تھا۔وہ اس کے ساتھ جا بیٹھی تو اس نے کار بڑھا دی۔اپنے دوست کے فارم ہاؤس تک پہنچتے ہوئے اس نے ساری تفصیل بتائی تو شعیب نے ساری بات سن کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''یہ شاید اتنی جلدی ممکن نہ ہو سکے، تم کیا سوچ رہی ہو، یہ موت کے منہ میں جانے والی بات ہے۔''

''مجھے اس لڑکی کو بچانا ہے بس، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' اس نے ضدی لہجے میں جواب دیا۔

''تم نہیں جانتی ہو کہ وہ ڈیرے پر ہی لڑکی کو لے کر گئے ہیں، یہ اندازہ ہی ہے۔پھر تم ڈیرے کے اندر کیسے جاؤ گی، یہ اس سے بھی مشکل کام ہے۔''

''وہ جو فرحان خان ہے نا بہت بے غیرت ہے۔میں جانتی ہوں کہ وہ کیا کرتا ہے۔یہ میں کیسے کروں گی، یہ تم مجھ پر چھوڑ دو، مجھے چاہئے جتنے بندے مارنے پڑے ماردوں گی۔'' اس نے گہرے لہجے میں کہا۔

''یہ نرا پاگل پن ہے۔خودکشی ہے اور میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔'' اس نے سختی سے کہا

''مجھے اس لڑکی کو ہر حال میں بچانا ہے۔'' نینا نے حتمی لہجے میں کہا تو شعیب اپنے تئیں ہتھیار ڈالتے ہوئے بولا

''ٹھیک ہے، کرتے ہیں کچھ لیکن یوں اندھا دھند نہیں۔''

''ایک برس ہو گیا ہے، میں جھک نہیں مار رہی ہوں، صرف تم ہی وڈیو نہیں سکتے ہو میں نے وہاں ڈیرے میں اپنا سورس بنا لیا ہوا ہے۔'' نینا نے جذباتی لہجے میں جواب دیا

''وہ سورس تمہیں کبھی بھی پکڑوا سکتا ہے۔'' شعیب نے کہا تو نینا کو ایک دم سے ہوش آ گیا۔ وہ غصے اور جذبات میں اپنا راز کہہ بیٹھی تھی، جسے اس نے شعیب سے چھپایا ہوا تھا۔ بات ہونٹوں سے نکل گئی تھی تبھی اس نے کہا

''اسے پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ کسے خبر دیتا ہے، اسے اس رقم سے غرض ہے جو ہر ماہ اسے پہنچ رہی ہے۔''

''اوکے، پہلے اس سے کنفرم کرو، پھر پلان بناتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے بتانا، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔'' شعیب نے ہار مانتے ہوئے پوچھا

''صرف یہ کہ تم مجھے کچھ چیزیں دے دو، باقی میں دیکھ لوں گی ۔میں نے دیکھا ہے کہ فارم ہاؤس میں بہت کچھ پڑا ہے۔'' نینا نے کہا تو شعیب نے پوچھا

''تم جو چاہو لے سکتی ہو۔ لیکن پہلے مجھے پلان بتاؤ۔''

'' فارم ہاؤس چل کر بتاتی ہوں۔'' نینا نے کہا اور سکون سے سیٹ کے ساتھ اپنا سر لگا لیا۔

اس وقت سورج غروب ہوئے کافی وقت ہو گیا ہوا تھا۔ جب ڈیرے پر موجود نینا کے مخبر نے یہ تصدیق کر دی کہ ایک لڑکی یہاں موجود ہے ۔خان فرحان اور اس کے دوست ابھی نہیں پہنچے۔ لیکن ان کے لئے کھانے پینے کا اہتمام ہو رہا ہے۔ دریا کنارے آگ جلائی جا رہی ہے۔

''تو اس کا مطلب ہے وہ جو بھی موج مستی کریں گے، دریا کنارے ہی کریں گے۔'' نینا نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے کہا تو شعیب نے سوچتے ہوئے کہا

''دریا کنارہ، جس کے شمال میں ڈیرہ ہے۔ مشرق کی طرف گاؤں اور مغرب کی جانب شہر جانے والا راستہ، اگر تم لڑکی چھڑا بھی لو تو کدھر نکلو گی؟''

''ظاہر ہے، پھر دریا ہی بچتا ہے، میں دریا میں چھلانگ لگا دوں گی۔'' نینا نے سکون سے کہا

''لیکن اتنے کم وقت میں کوئی ایسا بندوبست نہیں ہے کہ تمہیں دریا میں کوئی مدد دے سکوں؟'' شعیب نے کہا

''تو کوئی بات نہیں، دو ہی صورتیں ہیں، یا تو میں مر جاؤں گی، یا پھر دریا پار کر جاؤں گی، کچھ تو ہو گا، لیکن میں اس لڑکی کی عزت تار تار نہیں ہونے دوں گی۔ آج اگر میں کچھ نہ کر سکی تو پھر کبھی کچھ نہ کر پاؤں گی۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا تو شعیب چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر بولا

''اچھا کہو، کیا پلان ہے۔''

یہی وہ سوال تھا، جس کی بنیاد پر انہوں نے پلان بنا لیا۔ جو کچھ بھی لینا تھا، نینا نے وہاں سے لے لیا۔ شعیب نے نینا کو دریا کے پاس چھوڑا، اور واپس چلا گیا۔ اندھیرا اچھل چکا تھا۔ وہ دریا کنارے پیدل چلتی چلی گئی۔ پھرکسی پھرتیلی بلی کی مانند ان سرکنڈوں، جھاڑیوں اور پودوں میں سے سرکتی ہوئی، آہستہ آہستہ دریا کنارے ڈیرے تک جا پہنچی اور پھر وہ خان فرحان پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑی تھی۔

☆......☆......☆

اس وقت سورج نکل رہا تھا جب وہ کلینک سے نکل کر جانے کے لئے تیار تھے۔ اسی وقت ڈاکٹر وسیم اس کے پاس آیا۔ وہ بستر سے اتر کر کھڑی

تھی ۔اس کے کاندھے کی مرہم پٹی ہوگئی تھی۔جسے اس نے کپڑوں کے نیچے یوں چھپالیا تھا کہ احساس تک نہ ہو۔

''ڈاکٹر، آپ کا بہت شکریہ۔'' نینا نے ممنونیت سے کہا

''مجھے شکریہ تو تمہارا ادا کرنا ہے، تم زخم ذرا کم لگوا کر لائی ہو، ورنہ مجھے زخم کے مطابق تمہاری ٹریمنٹ کرنا پڑتی۔'' ڈاکٹر وسیم کے یوں کہنے پر وہ ہنس دیئے

''پھر بھی ڈاکٹر......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بولا

''دوستو میں شکریہ نہیں ہوتا، دوائیں ساتھ ہیں، وہ لیتے رہنا، مجھے امید ہے کہ سب ٹھیک رہے گا۔''

''او کے۔'' شعیب نے کہا اور وہ وہاں سے نکل پڑے۔

وہ دونوں فارم ہاؤس جا پہنچے۔اس دوران اس نے گاؤں فون کر کے خیریت پوچھ لی تھی۔وہاں سب ٹھیک تھا۔اس نے اپنی ماں کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی پوچھے تو اس نے کیا کہنا ہے۔فارم ہاؤس جا کر اس نے وہی لباس پہنا ،جسے پہن کر وہ کوارٹر سے نکلی تھی۔شعیب کے ساتھ ناشتہ کیا۔وہ دونوں میز پر آمنے سامنے بیٹھے تھے، تبھی شعیب نے کہا

''نینا! میرے خیال میں تم اب پولیس کی نوکری چھوڑ دو کیونکہ اب تم یہ نوکری نبھا نہیں پاؤ گی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔لیکن میں اس نوکری کو فوراً تو نہیں چھوڑ سکتی۔'' اس نے جواب دیا

''وہ کیوں؟'' شعیب نے پوچھا

''میں ذرا سا بھی شک نہیں چاہتی ہوں۔یہ فرحان خان کے قتل کا شور اٹھا ہے، اسے ذرا کم ہونے دو، یہ معاملہ بھی سامنے رہے گا۔خبر ملتی رہے گی۔'' اس نے آہستہ سے کہا تو شعیب سر ہلا کر رہ گیا۔

دوپہر ہونے سے قبل ہی نینا اپنے کوارٹر پہنچ گئی۔وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔صرف ایک نئی لڑکی تھی۔وہ اپنے بستر پر جا بیٹھی تو وہ اس کے پاس آ گئی۔اس نے پاس بیٹھ کر پوچھا

''باجی۔! کیا بات ہے، آپ بڑی پریشان لگ رہی ہو۔''

''کیا بتاؤں، اماں بڑی بیمار ہیں، ساری رات جاگتی رہی ہوں، اب ڈیوٹی پر، تھک گئی ہوں۔'' اس نے جان بوجھ کر نقاہت بھرے لہجے میں کہا

''میں آپ کیلئے چائے بناتی ہوں، پی کر سو جانا۔''

''نہیں، میں نے چائے نہیں پینی، یہ سب کہاں ہیں، سب کی ڈیوٹی لگ گئی ہے؟'' اس نے جان بوجھ کر پوچھا

''پتہ نہیں کیا بات ہے، تھانے سے ہنگامی کال آ گئی تھی، سب ہی وہاں ہیں۔سنا ہے شہر سارا بند ہے، وہ مٹھن خان کا بیٹا قتل ہو گیا ہے نا۔''

''اچھا، تم ایسے کرو، اگر آپی فوزیہ کو فون آ جائے تو اسے میرا بتا دینا، میں تھوڑی دیر سو لوں، پتہ نہیں پھر جانا پڑ جائے، اگر وہ کہیں تو مجھے جگا دینا۔'' یہ کہہ کر بستر پر لیٹ گئی۔

شام تک اُسے کسی نے نہیں جگایا۔یہاں تک کہ سب آ گئیں۔انہوں نے بتایا کہ شہر میں کافی ہنگامے ہوئے ہیں۔توڑ پھوڑ ہوئی۔کافی فساد مچا تھا۔مٹھن خان کے بیٹے کا قاتل تو کیا اس کا سراغ تک نہیں ملا۔کئی سارے تبصرے ہوتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتی رہی۔اس کے اندر کہیں دور تک خلا تھا۔وہ جب بھی فرحان خان کا خیال کرتی اس کا رعونت بھرا لہجہ اس کے کانوں میں گونجنے لگتا۔

دو دن یونہی گذر گئے ۔یہاں تک کہ مٹھن خان کے بیٹے کے قتل والا معاملہ عوام کے نزدیک ایک بہت بڑا سانحہ بنا دیا گیا۔مٹھن خان جوش انتقام میں نہیں آیا۔وہ سیاسی طور پر اپنے دشمنوں پر الزام لگاتا رہا۔لیکن پولیس کے ساتھ وہ انتہائی سرگرم تھا۔دو دن میں کئی آفیسر آنا شروع

ہو گئے۔کئی بے گناہ پکڑے گئے۔ مٹھن خان نے اپنی طاقت کا بھرپور اظہار کیا تھا۔ یہ سب دیکھ کر نینا کے من میں آگ مزید بھڑک اٹھی تھی۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ مٹھن خان کو ذہنی اذیت دے۔لیکن وہ ابھی تک خاموش تھی۔اس کے کاندھے کا زخم کافی حد تک ٹھیک تھا۔اتنا درد تھا کہ وہ سہہ سکتی تھی۔ نینا کا دل چاہتا کہ وہ مٹھن خان کو فون کرے اور اسے مزید بھڑکائے۔لیکن ان دو دنوں میں وہ ایسا نہیں کر پائی تھی۔اس کی ساری توجہ اس تفتیش کی طرف تھی جو فرحان خان کے حوالے سے ہو رہی تھی۔دو دن گذارنے کے بعد اس نے شعیب سے رابطہ کیا۔دونوں نے ملاقات طے کر لی۔ایک شام وہ دونوں اپنے دوست والے فارم ہاؤس پر تھے۔ان کے درمیان چائے دھری ہوئی تھی۔اور ان کی باتوں کا محور فرحان خان کا قتل اور اس کے بعد کی باتیں تھیں۔

’’ہمارے کئی بندے بھی پولیس لے گئی ہے۔بابا بھی بہت پریشان ہیں۔مٹھن خان نے اخیر کی ہوئی ہے۔‘‘شعیب نے انتہائی پریشانی سے کہا

’’یہ تو ہونا ہی ہے،اس نے اب اپنے سارے پرانے دشمنوں پر شک کرنا ہے۔‘‘نینا نے کہا

’’یہ سمجھ لو کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔اس کی نسل پر وار ہوا ہے،وہ تو پاگل ہو گیا ہے۔‘‘شعیب نے نفرت سے کہا

’’جنہیں وہ مارتا تھا،جنہیں وہ ذلیل کرتا تھا،وہ بھی تو کسی کی اولادہی ہیں۔ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ انسان بن کر اس سانحہ کے بعد تو بہ تائب ہو کر سکون سے بیٹھ جاتا۔لیکن وہ اب بھی طاقت کے نشے میں لوگوں پر ظلم کر رہا ہے۔ یہی لوگ اس دھرتی کا بوجھ ہیں۔انہیں ختم کرنا ہی ہوگا۔‘‘ نینا نے سرد سے لہجے میں یوں کہا جیسے اس کا بس نہ چل رہا ہو۔

’’کبھی تم نے آکٹوپس کے بارے میں سنا ہے نا،یہ بالکل ویسا ہے،اس کی جڑیں نجانے کہاں تک پھیلی ہوئی،یہ اگر اب سکون سے بیٹھنا بھی چاہئے تو نہیں بیٹھ سکتا،دوسرے نہیں بیٹھنے دیں گے،وہ اسے خود ختم کر دیں گے۔وہ قوتیں بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی ہیں،اس گولی کی تلاش میں،جس نے اس کے بیٹے کو مارا ہے۔‘‘شعیب نے عجیب سے لہجے میں کہا، جس میں خوف تو تھا لیکن وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

’’کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو؟‘‘نینا نے طنزیہ پوچھا

’’نہیں، بلکہ بتا رہا ہوں۔ہم نے ایک آدمی درمیان میں ڈالا ہے،مٹھن خان کو یہ باور کرانے کے لئے کہ ہماری طرف سے ایسا کچھ نہیں ہوا ضمانت دیتے ہیں۔یہ اس لئے کہ ہم اپنے بندے چھڑوا سکیں۔‘‘اس نے وضاحت کی

’’ٹھیک کیا،اپنا بچاؤ لازمی ہے،لیکن یہ جان لو شعیب کہ وہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔جیسے جیسے اسے گولی نہ ملی،اس کا خوف بڑھتا جائے گا۔آج میں نے سوچا تھا کہ اس سے بات کر کے اسے ذہنی اذیت دوں گی ،لیکن نہیں،اب اس سے بات نہیں کروں گی۔اسے الجھن ہی میں رہنا چاہئے۔‘‘

اس یوں کہا تو شعیب سوچ میں پڑ گیا۔پھر کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولا

’’نینا۔!یہ نہ ہو کہ ہم انجانے میں مارے جائیں۔کچھ کئے بغیر،ہمیں بہت کچھ سوچنا ہوگا۔پوری سنجیدگی کے ساتھ۔‘‘

’’تو سوچو، جو کہو گے وہی کروں گی۔‘‘اس نے شعیب کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور مسکرا دی۔اس کی یہ ذرا سی موہوم مسکراہٹ نے شعیب کو جیسے زندگی دے دی،وہ بھی مسکرا دیا،اس کی طرف دیکھ کر لاپرواہی سے بولا

’’جو ہو گا دیکھا جائے۔‘‘

’’ہاں۔!یہ وقت پیار اور محبت میں گزار دینا چاہئے،چلیں بیڈ روم میں۔‘‘نینا نے کہا تو شعیب نے اس کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

’’چل ٹھرکی کہیں کی۔‘‘

’’کیسے مرد ہو یار تم،ایک لڑکی تمہیں کہہ رہی ہے اور تم ہو کہ چھوئی موئی لڑکیوں کی طرح......‘‘اس نے کہنا چاہا لیکن شعیب اس کی بات

کاٹتے ہوئے بولا

’’تم میری دوست ہو، محبوبہ نہیں، اس فرق کو سمجھو۔‘‘

’’دوست ہی دوست کے کام آتا ہے نا۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے بولی تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا

’’بکواس نہیں کرو۔ چلو نکلتے ہیں، رات ہو رہی ہے۔‘‘

وہ ہنستے ہوئے اٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے نکل پڑے تھے، دونوں نے ایک دوسرے کو بہت ساری معلومات دے دی تھیں، جو ان کے بہت کام آسکتی تھیں۔

کوارٹر میں وہی معمول تھا۔ کچھ لڑکیاں کھانے کے انتظار میں تھیں اور باقی کچن میں کھانا بنا رہی تھیں۔ آپی فوزیہ اپنے کمرے میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑے سکون سے کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔ آپی فوزیہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر ٹی وی کی جانب دیکھتے ہوئے بولی

’’کہاں گئی تھی اتنی دیر سے، خیر تو ہے نا؟‘‘

’’آج ایک پرانی سہیلی کے پاس گئی تھی۔ اس سے گپ شپ ہوتی رہی۔‘‘

’’کوئی خاص ہی گپ شپ لگتی ہے۔‘‘ اس نے ہنوز ٹی وی دیکھتے ہوئے کہا

’’ہاں، باقی تو سب ایویں باتیں تھیں لیکن ایک بات اس نے بہت اچھی کی۔ اس نے مجھے سوچ دی ہے کہ میں آگے پڑھوں۔‘‘ اس نے یونہی کہہ دیا

’’تو ٹھیک کہا نا اس نے۔ تم ویسے بھی ٹھیک ہو پڑھنے میں......‘‘ یہ کہہ کر وہ ٹی وی پر کسی اداکارہ کو دیکھ کر اس کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ سب کچھ معمول پر تھا۔ وہ اٹھی اور اپنی چارپائی پر جا پہنچی۔ ابھی اسے وہاں بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ اس کا فون بج اٹھا۔

اس فون کال میں اس کے لئے اندوہناک خبر تھی۔ اس کا بھائی بتا رہا تھا کہ اس کی ماں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی ہے۔ اس کے حواس ایک دم سے مختل ہو گئے۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس خبر کو کیسے برداشت کرے۔ ساری دنیا میں ایک ہی اس کا سہارا تھی، اب وہ بھی نہیں رہی تھی۔ چند منٹ میں سب کو پتہ چل گیا۔ اسے فوراً گاؤں جانے کی باقاعدہ اجازت مل گئی۔ وہ گاؤں نکل گئی۔

اگلی صبح تک اس کی ماں منوں مٹی کے نیچے دفن ہو چکی تھی۔ وہ قبر کے سرہانے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ انسان کتنا طویل سفر کرتا ہے یہاں تک پہنچنے کے لئے۔ یہاں پہنچ کر عافیت میں ہوتا ہے، ورنہ زندگی میں کہیں بھی سکون نہیں ہے۔ خوشی کا حصول بھی دکھ کے بعد ہی ہے۔

دوپہر ہونے تک گھر میں آئے مہمان واپس پلٹ گئے۔ وہ اور اس کے بھائی بہن رہ گئے۔ ان کی کل جمع پونجی وہی مکان تھا۔ جس کے حصے داری کی باتیں ہونے لگیں۔ اس شدید دکھ ہوا۔ ماں کی قبر کی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی اور یہاں حصے داری شروع ہو گئی۔ وہ مکان کوئی بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ سو اس کے بیچنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کسی نے بھی نہ سوچا کہ وہ کہاں رہے گی۔ نینا اس لئے بھی خاموش رہی کہ وہ اس وقت اتنے پیسے والی تھی کہ شہر میں کہیں بھی نیا مکان کھڑا کر سکتی تھی۔ وہ خاموش رہی اور دکھ سے اپنے بھائیوں کی بندر بانٹ دیکھتی رہی۔ لیکن اس کے اندر دکھ پھیلتا رہا۔

ایک ہفتے بعد وہ شہر یوں پلٹی کہ اب اس کا گاؤں میں بھی کوئی نہیں تھا۔ سب ختم ہو گیا۔ وہ اس دنیا میں خود کو تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ سیدھی کوارٹر نہیں گئی، بلکہ شعیب کے ساتھ اس کے دوست کے فارم ہاؤس چلی گئی۔ شعیب کو اندازہ تھا کہ وہ غم زدہ ہے۔ اس لئے اس کی والدہ کا افسوس کرنے بیٹھا تو وہ پھٹ پڑی۔ اپنوں کا دکھ آنسو بن کر بہنے لگا۔ شعیب نے اسے رونے دیا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور اس کے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا، نینا اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شعیب نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں کہا

’’نہیں تم اکیلی نہیں ہو، میں ہوں تمہارے ساتھ۔ جو غم بھی ہیں، انہیں بھلا دو آج کے بعد تمہاری آنکھ میں آنسو نہیں ہونا چاہئے۔‘‘

جب خوب رونے کو دل چاہئے اور آنسوؤں کا بندھ بھی ٹوٹ جائے تو ایسے میں کسی اپنے کا کاندھا مل جائے تو دکھ کی شدت میں کمی آہی جاتی ہے۔وہ کچھ دیر تک اس کے کاندھے سے لگی آنسو بہاتی رہی۔ پھرا لگ ہوگئی۔اس شام شعیب نے اسے یوں کھانا کھلایا، جیسے بچوں کا ضد کر کے کھلاتے ہیں، رات گئے تک اس کی دل جوئی میں لگا رہا۔ پھر اسے سوجانے کا کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔وہ رات گئے تک سوچتی رہی، نجانے کیسی کیسی سوچیں گھیرے رہیں۔ پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔اگلی صبح وہ اپنی ڈیوٹی پر تھی۔

ایک ہفتے کے دوران کیا کچھ ہوگیا، یہ اسے معلوم نہیں تھا۔عام حالات ہوتے اور وہ گاؤں میں ہوتی تو اردگرد سے باخبر رہتی، لیکن وہ دن ہی ایسے تھے کہ نہ اپنی خبر اور نہ ہی کسی کی اطلاع۔وہ یوں تھی جیسے خلا میں ہو۔واپس کوارٹر میں آتے ہی اسے خوفناک خبروں سے واسطہ پڑا۔

فرحان خان کا قتل ہوئے دس دن سے زیادہ کا وقت ہو گیا تھا، لیکن قاتل تو کیا، ان کا کہیں نام نشان تک نہیں ملا ۔مقامی پولیس کو بھی کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔شہر بھر کے ٹاؤٹ، کھوجی، مخبر، سب کو کھنگال مارا تھا۔بات یہاں سے گم ہو جاتی تھی کہ قاتل کو ملگجے اندھیرے میں دریا میں چھلانگ لگاتے دیکھا گیا۔اس کے بعد کیا ہوا کوئی پتہ نہیں۔وہ اس لڑکی کو بھی ساتھ لے گیا۔جس کتے نے پانی میں چھلانگ لگائی تھی، وہ ابھی تک نہیں ملا تھا۔وہ اپنا کوئی سراغ وہاں چھوڑ کر نہیں آئی تھی۔صرف وہ لڑکی بچی تھی، جسے اُس نے بچایا تھا، وہ کہاں تھی، اس بارے اسے کچھ پتہ نہیں تھا۔لیکن یہ سچ ہے کہ خون ظالم کا ہو یا مظلوم کا، وہ چھپتا نہیں، جرم جتنا بھی چھپ کر کیا جائے وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی، اس کے لئے خوفناک بات یہ تھی کہ مٹھن خان نے مقامی پولیس اور خفیہ والوں سے مایوس ہو کر اپنے ذرائع سے ایک ٹیم بلوائی تھی۔ وہ ٹیم ایسے لوگوں پر مشتمل تھی، جو سراغ رساں ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین فائیٹر اور کمانڈو تھے۔وہ لوگ مٹھن خان کے ڈیرے پر پہنچ چکی تھی اور انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ فرحان خان کے قاتل کو تلاش نہ کر سکتے۔یہ ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹیم اس کے بالکل قریب پہنچ چکی ہے۔اسے کسی دوسرے کا نہیں ان لوگوں کا ڈر تھا جو وہاں اس کے سورس تھے۔بلاشبہ یہ ٹیم ان تک ضرور پہنچ جانے والی تھی۔یہ ایک نئی افتاد تھی، جس کا اس نے سامنا کرنا تھا۔وہ دماغی طور پر کافی حد تک پریشان ہوگئی۔

اسی دوپہر وہ ڈیوٹی پر چلی گئی۔وہ تھانے میں یونیفارم پہنے ہوئے بیٹھی تھی۔ اس کے پاس فوزیہ آپی تھی۔ دو مزید لڑکیاں تھیں۔وہ سب باتیں کر رہی تھیں۔انہیں لمحات میں اسے ایک ایسے نمبر سے فون کال آگئی، جس سے بات کرنے کے لئے وہ ترستی رہی تھی۔وہ بی بی صاحب کی کال تھی۔وہ کال سننے کے لئے اٹھ گئی۔ بی بی صاحب کا یہ نمبر اس کی محسن لیڈی کانسٹیبل نے دیا تھا۔انہی دنوں ایک بار کال آئی تھی، پھر جیسے وہ بھول گئی تھی۔اس نے سختی سے خود کو اس وعدے پر کاربند رکھا تھا کہ وہ خود سے کبھی فون نہیں کرے گی۔ بی بی صاحب سے نہ ملنے کی کوشش کرے گی اور نہ جاننے کی۔بی بی صاحب کی شفیق اور نرم آواز اُسے آج بھی یاد تھی۔اس نے کال رسیو کر لی۔دوسری طرف سے وہ نرم اور محبت میں بھیگی ہوئی آواز ابھری۔

”کیسی ہو؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“

”مجھے تمہاری والدہ کے جنت میں چلے جانے کا پتہ چلا، یہ ربّ کی رضا ہے، اسے اسی کی رضا سمجھ کر قبول کرو۔“ بی بی صاحب نیک کہا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے زخم پر نرم پھاہا رکھ دیا ہو۔

”جی، اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔“ اس نے دھیمے سے لہجے میں جواب دیا

”گھبرانا نہیں، یہ زندگی ہے، اس میں طوفان آتے ہی رہتے ہیں۔ایسے طوفانوں کا مقابلہ ہمت والے ہی کرتے ہیں۔تم تھانے میں ہو؟“ انہوں نے حوصلہ دیتے ہوئے پوچھا

”جی میں تھانے ہی میں ہوں۔“ اس نے جواب دیا

’’تو پھر ذرا آنکھیں کھلی رکھنا، ابھی ایک لڑکی کے بارے میں یہاں ہلچل ہوگی، اس کی ہر طرح سے مدد کرنا۔‘‘ دوسری طرف سے انتہائی نرم لہجے میں کہا گیا۔

’’لڑکی۔! مطلب کیا ہوگا اس کے ساتھ؟‘‘ اس نے سمجھنے کی خاطر پوچھا

’’ کہا نا آنکھیں کھلی رکھنا اور اس کی مدد کرنا۔ پھر ہوتا ہے رابطہ، اللہ حافظ۔‘‘ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ نینا چند لمحے فون کو دیکھتی رہی، پھر اسے جیب میں رکھ لیا۔

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا۔ دفتر سے آپی فوزیہ کا بلاوا آ گیا۔ وہ اندر گئی اور چند منٹ بعد ہی پلٹ آئی۔

’’کیا ہوا، خیر تو ہے نا؟‘‘ اس نے آپی سے پوچھا

’’ایک مشکوک لڑکی کو پکڑ کر لانا ہے، جاؤ گی یا میں چلوں ساتھ؟ تیرے ساتھ دو جوانوں کو بھی بھیجتی ہوں۔‘‘

’’ہاں بھیج دو۔ لے آتی ہوں۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو آپی نے پھر پوچھا

’’ ان دونوں کو بھی لے جا، لے آؤ گی نا؟‘‘

’’ کچھ نہ کچھ تو کروں گی۔‘‘ اس نے پھر مسکراتے ہوئے کہا تو آپی ان جوانوں کی طرف دیکھنے لگی، جو اس کے ساتھ جانے والے تھے۔ اتنی دیر میں اس نے وہ جگہ بتا دی، جہاں وہ لڑکی تھی۔

وہ شہر کا مشہور دربار تھا۔ زائرین دن بھر زیارت کے لئے آتے رہتے تھے۔ وہاں کا اپنا ایک نظام تھا۔ کچھ دیر پہلے اس دربار کے منتظمین کی طرف سے فون ملا تھا کہ ایک لڑکی سورج نکلنے سے بھی پہلے کی یہاں ایک جگہ آ کر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ وہاں سے کہیں بھی نہیں گئی۔ پوچھنے پر اس نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ مشکوک ہے، اس کے بارے پتہ کیا جائے۔ نینا کے ساتھ ایک لیڈی کانسٹیبل اور دو جوان تھے۔ وہ دربار کے اندر چلے گئے۔ مین داخلی دروازے کے ساتھ ہی منتظم کا دفتر تھا۔ وہ سیدھی وہاں گئی۔ وہ ادھیڑ عمر منتظم پولیس ہی کا منتظر تھا۔ وہ ساتھ ہو لیا۔

آستانے میں کافی بڑا صحن تھا۔ ایک طرف مزار تھا۔ جس کے سامنے صحن تھا۔ باقی چاروں طرف برآمدہ تھا۔ مزار کے دائیں جانب والے برآمدے میں وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ پہلی نگاہ میں یوں دکھائی دے رہا تھا کہ وہاں ایک گٹھڑی پڑی ہوئی ہے۔ اس نے کالی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ہلکے سبز رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ نینا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے لڑکی کے سر کو ہلاتے ہوئے پوچھا

’’اے لڑکی کون ہو تم؟‘‘

اس کے یوں پوچھنے پر لڑکی نے سر اٹھایا اور اجنبی نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی نینا کو دیکھا۔ وہ اس کی طرف یوں دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی فاتر العقل کسی کو دیکھتا ہے۔ وہ لڑکی بلاشبہ خوبصورت تھی۔ سانولا رنگ، تیکھے نین نقش، آنکھوں میں بلا کی وحشت، پتلے پتلے ہونٹوں پر دنداسہ، بھرے بھرے گال، جس میں ڈمپل پڑتا تھا، لمبی گردن، اور چوڑا ماتھا۔ نینا نے اسے غور سے دیکھا اور اپنا سوال پھر دہرایا

’’میں تاجاں، تاج بی بی۔‘‘ وہ لڑکی جانگلی لہجے میں بولی۔ اس سے نینا کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کہاں کی ہو سکتی ہے۔

’’یہاں کیا کر رہی ہو؟‘‘ نینا نے پوچھا

’’فلک شیر نوں اڈیکدی پئی آں، اوہنے ایتھائیں آونا ہا۔ ہالی تو ڑی نئیں آیا۔‘‘ اس نے ان سب کی طرف دیکھ کر کہا

’فلک شیر کا انتظار کر رہی ہوں اس نے مجھے یہیں آنے کا کہا تھا۔ وہ اب تک نہیں آیا۔)

’’ لگتا ہے باجی عشق کی ماری ہوئی ہے۔‘‘ اس کے پیچھے کھڑی لیڈی کانسٹیبل نے طنزیہ لہجے میں کہا، جس پر نینا نے سنی ان سنی کرتے ہوئے تاجاں سے پوچھا

’’اس فلک شیر کا کوئی اتہ پتہ ہے یا اس کے بارے کچھ جانتی ہو؟‘‘

’’ناہی۔!اوہنئے ایتھائیں آون دا آکھاہا۔میں آگئی آں پر اوہ نہئی اپڑا ہن تو‌ڑی۔‘‘اس نے لاپرواہی سے کہا

(نہیں،اس نے یہیں آنے کو کہا تھا۔میں پہنچ گئی،مگر وہ نہیں آیا ابھی تک۔)

’’اگر وہ نہ آیا تو کیا کرو گی؟‘‘ نینا نے بڑے تحمل سے پوچھا

’’ ایتھائیں پئی رھساں۔‘‘(پڑی ہوں یہاں پر۔)اس نے بے چارگی سے جواب دیا تو نینا نے کہا

’’یہاں تمہیں اب بیٹھنے نہیں دیا جائے گا، چپ چاپ واپس اپنے گھر چلی جاؤ، جہاں سے تم آئی ہو۔ورنہ تمہیں ہمارے ساتھ تھانے جانا پڑے گا۔‘‘

’’نہ میں واپس آدے گھر نئی جاسکنی آں،میرے گھر آلے مینوں ماردیسن۔‘‘

(نہیں میں واپس اپنے گھر نہیں جاسکتی،میرے گھر والے مجھے ماردیں گے۔)

’’تو چلو پھر تھانے۔‘‘ایک دم سے نینا نے کہا تو تاجاں نے ذرا سی بھی مزاحمت نہیں کی۔ویسے ہی بیٹھی رہی۔ساتھ والی لیڈی کانسٹیبل نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھالیا۔وہ آرام سے اٹھ گئی۔انہوں نے اسے دربار سے باہر لا کر وین میں ڈالا اور تھانے چل دیئے۔

’’کہاں سے آئی ہو؟‘‘ وین چلتے ہی نینا نے اس سے پوچھا تو وہ خاموش رہی،اگر نینا کو فون نہ ملا ہوتا تو شاید وہ کوئی دوسرا ہی سلوک کرتی۔اس کے تحمل سے دوسری بار پوچھنے پر تاجاں نے سر اٹھایا اور بڑے جذباتی لہجے میں بولی

’’ہن میرا او تھے نال کوئی تلق نئی رہ گیاں،کی کرسیں پچھ تے ، میں واپس کوئی نئی جاوناں۔‘‘

(اب میرا وہاں سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا،کیا کریں گی پوچھ کر،مجھے واپس نہیں جانا۔)

’’چلو ٹھیک ہے۔‘‘نینا نے کہا اور خاموش ہوگئی۔یہ خاموشی تھانے پہنچ جانے تک برقرار رہی۔

نینا نے تاجاں کو انسپکٹر کے سامنے پیش کیا۔اس نے تاجاں کو سر سے پیر تک دیکھا،حسن کہیں بھی اور کیسا بھی ہو،اس کا اپنا جادو ہوتا ہے،جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔وہ جیسی بھی دیہاتی تھی،جنگل میں کھلا ہوا پھول بھی اپنی خوشبو رکھتا ہے۔اس کے انگ انگ سے جوانی پھوٹ رہی تھی۔حسن پرستوں کا ایمان ڈول جائے،ایسا بدن رکھتی تھی۔انسپکٹر نے اس سے بھی وہی بنیادی سوال کیئے۔جس کے تاجاں نے وہی جواب دیئے جو وہ پہلے نینا کو دے چکی تھی۔کچھ دیر سوچنے اور منشی سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے کہا

’’اس کی رپورٹ لکھواور اسے دارالامان کے لئے مجسٹریٹ صاحب کے پاس لے جاؤ،ابھی اجازت لے کر اسے وہیں چھوڑ آؤ۔‘‘

’’جی ٹھیک ہے۔‘‘ نینا نے کہا اور اسے لے کر دفتر سے باہر آگئی۔منشی کاغذی کاروائی میں لگ گیا تو نینا نے تاجاں سے پوچھا

’’بھوک لگی ہے؟‘‘

’’ ناہی،میں دربار توں لنگر کھادا ہا۔‘‘اس نے سکون سے جواب دیا

(نہیں،دربار سے لنگر کھایا تھا۔)

’’اچھا جب کچھ بھی کھانے پینے کو دل چاہے،مجھے بتا دینا۔‘‘نینا نے کہا تو اس نے احسان مندانہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

مجسٹریٹ،گھر پر نہیں تھا۔اسے تاجاں کو دارالامان میں رکھنے کی اجازت نہیں ملی۔یہ بات اس نے فون پر انسپکٹر کو بتائی تو اس نے اکتاتے ہوئے کہا

’’میں دارالامان کی انچارج کو کہہ دیتا ہوں،وہ اسے ساتھ میں رکھ لے گی،تم بھی ادھر ہی رہنا،صبح اسے پیش کر کے،دارالامان میں داخل کروا کے آنا۔‘‘

اسے نوکری کرنا تھی۔ نینا بھی تو ایک معمولی کانسٹیبل تھی۔اس نے حکم کی تعمیل کی اور اسے لے کر دارالامان چلی گئی۔وہاں کاغذی کاروائی کے بعد انہیں ایک کمرہ دے دیا گیا۔جس کے فرش پر دو میٹرس لگے ہوئے تھے۔تاجاں ایک میٹرس پر بیٹھ گئی تو نے دوسرے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا

”بھوک لگی ہے؟“اس کے پوچھنے پر تاجاں نے انکار میں سر ہلا دیا۔تب نینا مسکراتے ہوئے بولی،”ابھی تو کچھ مل جائے گا، پھر رات گئے کچھ نہیں ملنا۔“

”کجھ نئیں ہوندا۔“(کچھ نہیں ہوتا۔)اس نے سکون کہا اور کمرے کی دیوار سے ٹیک لگالی۔پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد پوچھا

”تو مینوں اتھائیں کیوں لیے آئی اے۔“(تم مجھے یہاں کیوں لے آئی ہو؟)

”تاجاں۔!تم جتنی بھولی نظر آرہی ہو،اتنی ہو نہیں، یار کے لئے گھر سے بھاگ آئی ہو، یہ کوئی......“ نینا نے طنزیہ لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

”تینوں کیہہ پتہ پیار کی ہوندا اے،توں پیار کیتا ہوندا ،تاں پتہ ہوندا۔“(تجھے کیا پتہ پیار کیا ہوتا ہے،تو نے پیار کیا ہوتا تو پتہ ہوتا۔)اس نے دکھ سے کہا

”وہی تو میں کہہ رہی ہوں، پیار محبت تو کرنا آتا ہے، یار بھی پال لیتی ہو، پر تجھے یہ سمجھ نہیں کہ یہاں پر کیوں آئی ہو۔خیر، سن لو، یہ وہ جگہ ہے، جہاں تم اب رہو گی، یہاں کی جو ہیڈ ہے اس کی مرضی کے مطابق۔ماں باپ بھی نہیں لے جاسکتے ہیں تمہیں۔پر......“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئی ،جیسے وہ کہنا چاہتی ہو لیکن خاموش رہنا بہتر سمجھا ہو۔

”سوہنی سپاہین آ،گل نہ لکا، آکھ چا۔“(خوبصورت سپاہی عورت بات نہ چھپا، کہہ دے۔)اس نے دھیمی سی مسکان سے کہا

”بات نہیں، مشورہ ہے، واپس اپنے ماں باپ کے پاس چلی جا، گھر سے بہتر کوئی پناہ گاہ نہیں۔“

”گل تاں توں ٹھیک آہندی پئی اے، پر کیہ آکھاں، میں اتھاں رہیہ نہئی سکدی۔“(بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر کیا کہوں، میں یہاں رہ نہیں سکتی۔)اس نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا، وہ خاموش رہی تو تاجاں بولی،”چل مُڑ سُن،“(چل پھر سن۔)وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر کہتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

تاجاں ایک زمیندار گھر کی لڑکی تھی۔ان کی زرخیز زمین ہڑپہ شہر اور دریائے چناب کے درمیانی علاقے میں تھی۔وہ اپنی زمینوں ہی میں اپنے گھر بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔گھر کے ساتھ ہی ڈیرہ تھا۔جہاں وہ مویشی پالتے تھے۔باہر سے آئے مہمان ٹھہراتے اور اپنا غلّہ وغیرہ محفوظ رکھتے تھے۔ تاجاں دو بھائیوں کریم بخش اور اللہ بخش کی اکلوتی بہن تھی۔باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔اس لئے وہ تندھی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے۔ماں کو ان کی شادیوں کی فکر رہتی تھی۔اس نے اپنے دونوں بیٹوں کی منگنیاں کردی ہوئی تھیں۔جب تک اس کے بھائی بستی کے پرائمری سکول میں پڑھتے رہے، وہ بھی پڑھتی رہی۔ بھائی پانچویں کلاس کر گیا تو یہ چوتھی میں تھی، پھر اس کے بعد وہ سکول نہیں گئی۔یوں تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔یوں وہ بچپن کی منزلیں طے کرتی ہوئی لڑکپن میں آگئی۔انہی کی طرح اس کے چچازاد بھی اپنی ہی زمینوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔فلک شیر اس کے چچا کا بیٹا تھا۔وہ اکلوتا تھا، اس لئے اپنے باپ کا بہت لاڈلہ تھا۔وہ پڑھا لکھا نہ بلکہ بچپن ہی سے اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا تھا۔بڑا گھبرو جوان نکلا تھا۔ ان دونوں خاندانوں کا آپس میں بڑا اتفاق تھا۔ فلک شیر کے باپ نے لڑکپن ہی میں تاجاں کو مانگ لیا تھا۔ یوں وقت بہت اچھا گذرتا چلا جا رہا تھا۔

ان کی نزدیک ترین بستی فضل داد تھی ایک کلومیٹر کے فاصلے تھی۔جو اس علاقے کے سب سے بڑے زمیندار فضل داد کے نام پر ہی تھی۔ بستی میں زیادہ تر اس کے مزارع اور دوسرے لوگ ہی بیٹھے تھے۔

بستی فضل داد کے ساتھ درگاہ پر ہر سال میلہ لگا کرتا تھا۔ وہ بھی پنجاب کے عام میلوں کی طرح تھا۔ اس میں کبڈی ایک اہم کھیل تھا جو کھیلا جاتا تھا۔ علاقے بھر کے جوان اس دن کی مناسبت سے تیاری کرتے تھے۔ مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ پورے علاقے میں دھاک بیٹھ جائے۔ تاجاں کا بھائی بڑا بھائی کریم بخش بھی کبڈی کا بہت اچھا کھلاڑی تھا۔ میلے والے دن وہ بھی اپنی ٹیم کے ساتھ میدان میں اُترا تھا۔ انکے مقابلے پر زاہدداد کی ٹیم تھی۔

بستی میں موجود فضل داد کے بیٹے جوان ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ بڑا بیٹا صادق داد ذرا کم بدمعاش تھا، لیکن چھوٹا زاہدداد زمانے کا چھٹا ہوا تھا۔ لوگوں پر رعب، لڑائی اور بدمعاشی کے علاوہ وہ مزارعوں کی لڑکیوں پر نگاہ رکھتا تھا۔ وہ افسروں سے بنا کر رکھتا تھا۔ آئے دن ان کی دعوتیں کرتا تھا۔ میلے میں اس نے مقامی تھانے کے ڈی ایس پی کو بلوایا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ شہر کے چند اور علاقے کے بہت سارے معززین کو اس نے دعوت دی ہوئی تھی۔ اس دن اس کا خیال تھا کہ اسی کی ٹیم جیتے۔ جس کے بہانے وہ عیاشی کا سامان کر سکے، جس کی اس نے تیاریاں کر رکھی تھیں۔ وہ ہر حال میں سامنے والی ٹیم کو ہرانا چاہتا تھا۔ لیکن ویسا نہ ہوا، کریم بخش اور اس کے دو مزید ساتھیوں نے ایسا فنکارانہ کھیل پیش کیا کہ علاقے کے لوگ واہ واہ کرا اٹھے۔ انہوں نے زاہدداد کی ٹیم کو بری طرح ہرا دیا۔

جیتنے والی ٹیم انعام اکرام لے کر کریم بخش کے ڈیرے پر جمع تھے۔ وہیں انہوں نے کھانا کھایا اور رات آرام کے بعد صبح اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے زاہدداد کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ وہ اس وقت تو کچھ نہ کہہ سکا لیکن چند دن بعد ہی زاہدداد کے مزارع، کریم بخش کے ایک مزارع پر چوری کا الزام لگا کر اسے مارنے پیٹنے اس کے گھر آ گئے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ کریم بخش اس پر خاموش بیٹھ جاتا۔ جیسے ہی اس نے سنا وہ موقعہ پر پہنچا۔ لیکن اس وقت تک مزارع کو اس قدر مارا کہ اسے جان کے لالے پڑ گئے۔ اسے ہسپتال لے جایا گیا۔ جبکہ دوسری طرف اسی مزارع پر چوری کا پرچہ بھی کٹوا دیا۔ کریم بخش نے ہسپتال میں اس کی دیکھ بھال کے علاوہ تھانے میں بھی بات کی۔ اس کے ساتھ ہی چند دن بعد علاقے کے معززین کی پنچائت بلوا لی۔ اگلی شام پنچائت ہونا تھی۔ لیکن صبح ہی مزارع کی بیٹی کو اٹھوا لیا گیا۔ جس پر کریم بخش بھڑک اٹھا۔ یہی کچھ وہ چاہ رہے تھے۔ اس نے گن اٹھائی، اور اس لڑکی کو لانے چل دیا۔ مزارع کی وہ لڑکی زاہدداد کے ڈیرے پر سے ملی۔ کریم بخش اسے لے تو آیا، مگر اس کی چال سمجھ گیا۔ بڑے لوگوں کی پنچائت میں کیا ہوتا ہے سوائے صلح صفائی کے۔ وہ ہو گئی، بظاہر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ لیکن کریم بخش کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ زاہدداد نے اس کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔

آگ سلگ جائے تو اس کا دھواں ضرور اٹھتا ہے۔ چاہئے اس کا شعلہ کم ہی ہو لیکن دکھائی ضرور دیتا ہے۔ تب اسی آگ کو جانے انجانے بھڑکانے والے بہت سارے لوگ آ جاتے ہیں۔ دن بدن یہ آگ بھڑکتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اگلا میلہ آنے سے پہلے زاہدداد نے اپنے ہی ایک مزارع کو اندر کروا دیا، جو یہ فریاد کر رہا تھا کہ اس کی بیٹی کو زاہدداد نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اس کے گھر والے علاقے کے کئی لوگوں کے پاس فریاد لے کر گئے مگر ان زمینداروں کے ساتھ خواہ مخواہ کی دشمنی کوئی کیوں لیتا۔ وہ کریم بخش کے پاس آ گئے۔ وہ اسی انتظار میں بیٹھا تھا۔ وہ جھٹ ان کے ساتھ تھانے جا پہنچا۔

شام تک وہ تھانے سے اس مزارع کو نہ صرف چھڑوا لایا بلکہ اس کی بیٹی پر ہونے والی زیادتی کے لئے ایف آئی آر بھی درج کروا آیا۔ زاہد داد بھی تھانے میں تھا، جہاں ان دونوں کے درمیان تلخ کلامی بھی ہو گئی۔ ایک دوسرے کو دیکھ لینے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ زاہدداد کے خلاف جو ایف آئی آر درج ہوئی، وہ اس کے تھانے کے چلے جانے کے بعد ہوئی تھی۔ کریم بخش شہر میں اپنے جاننے والے لوگوں سے ملنے کے بعد شام ڈھلے جب واپس کار پر اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ اس کا راستہ زاہدداد نے روک لیا۔ کریم بخش اکیلا تھا۔ جبکہ زاہدداد کے ساتھ چند غنڈے تھے۔ کریم بخش نے کار روک لی۔ اسے یہ اندازہ تھا کہ زاہدداد اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے کار سے باہر آ کر بولا

”راستہ مت روک زاہدداد، مزارعوں کی لڑائی میں اپنی آگ مت بھڑکا۔“

''آگ بھڑکے یا طوفان آئے، میں یہ سب کچھ کر ہی تیرے لئے رہا ہوں۔'' زاہد داد نے کہا

''تو پھر مردوں کی طرح میرے ساتھ لڑ، یہ ان بچارے غریبوں کو تنگ کر کے کیا کر رہا ہے۔'' کریم بخش نے طنزیہ لہجے میں کہا

'' چل پھر تجھے بتا ہی دیتے ہیں کہ سیدھی طرح لڑائی ہوتی کیا ہے۔ پکڑ لو اسے۔'' زاہد داد نے کہا ہی تھا کہ اس کے پالتو غنڈے کریم بخش پر پل پڑے۔ کریم بخش جتنا بھی شہہ زور تھا، لیکن اکیلا تھا، وہ کافی دیر تک لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے سامنے کے کئی لوگ زخمی بھی کر دیئے۔ کریم بخش نے جب یہ دیکھا کہ وہ اسے اب ماردیں گے بخشیں گے نہیں، تب اس نے کار میں پڑی گن اٹھالی۔ اس نے پہلا فائر ہی زاہد داد پر کیا۔ وہ غافل نہیں تھا، اس نے بھی فائر کر دیا۔ ایک دم سے آمنے سامنے کی فائرنگ ہونے لگی، کریم بخش زیادہ دیر تک ان کا سامنا نہ کر سکا۔ اس کے کئی فائر لگے اور وہ موقعہ پر ہی دم توڑ گیا۔ وہ اس کی لاش وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

جس وقت کریم بخش کی لاس گھر آئی تو کہرام مچ گیا۔ اللہ بخش تو اسی وقت سب کو ختم کر دینے پر تل گیا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بھائی کی لاش کو دفنانے سے پہلے ہی فضل داد کی حویلی جا پہنچا۔ اس کے سامنے جو بھی آیا اس نے ماردیا۔ اس میں زاہد داد کا بڑا بھائی صادق داد سمیت فضل داد، اس کی ماں اور تین نوکر مارے گئے۔ قاتل پھر بھی نہ ملا۔ اللہ بخش فرار ہو گیا۔ اس نے حویلی میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تھا وہ زاہد داد کو مار کر ہی دم لے گا۔ اس کے بعد وہ خود کو پولیس کے حوالے کر دے گا۔ اور اگر کسی نے اس کے خاندان کی طرف انگلی اٹھانے کی کوشش کی تو وہ اسے بھی ختم کر دے گا۔ کریم بخش کو دفنا دیا گیا۔ لیکن اس کی دشمنی پیدا ہو گئی۔ زاہد داد کو بہت بھاری قیمت چکانا پڑی تھی۔

اگلا میلہ آ کر ختم ہو گیا۔ پولیس اللہ بخش کو پکڑنے کے لئے چھاپے مارنے لگی۔ مگر وہ ہاتھ نہیں آیا۔ گھر پر بوڑھی ماں ہوتی یا پھر تاجاں۔ وقت اور حالات نے تاجاں کو بہت کچھ سکھا دیا۔ دن تو جیسے تیسے گزر جاتا، لیکن رات ہوتے ہی اُن پر ایک عذاب اتر آتا۔ ماں گھر کے اندر جاگتی رہتی اور تاجاں گن لئے باہر پہرہ دیتی تھی۔ ایسے میں فلک شیر اس کے پاس آ جاتا۔ وہ دونوں ساری رات نہ صرف پہرہ دیتے، بلکہ باتوں میں ساری رات گذار دیتے۔

ایک دن فلک شیر کا باپ تاجاں کی ماں کے پاس آیا۔ اس نے اپنی بھابی کو یہی صلاح دی کہ اب تاجاں اور فلک شیر کی شادی کر دینی چاہئے۔ کیونکہ اب اللہ بخش کا نہیں پتہ کہ وہ اب واپس گھر کب آتا ہے۔ ماں تو مان گئی لیکن خود تاجاں نے انکار کر دیا کہ وہ اپنی ماں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر دشمنوں نے میری ماں کو ماردیا تو میں خود کو معاف نہ کر پاؤں گی۔ اگر اللہ بخش نہ مار سکا تو میں زاہد داد کو ماروں گی۔ تاجاں کا جواب فلک شیر کے باپ کو اچھا نہ لگا۔ وہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔ یہ پہلا وقت تھا، جب ان کے رشتوں میں دراڑ پڑی۔ اس نے گھر جاتے ہی فلک شیر کے سامنے اپنی بیوی کو ساری بات بتا کر کہا

''بھاگ وانے۔! اب تم انہیں یہ پیغام بھجوا دو کہ یہ منگنی اب ختم ہی سمجھیں۔ اب اس گھر میں فلک شیر کی شادی ممکن نہیں ہے۔''

''ابا، یہ کیا کہہ رہے ہو تم، ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں تاجاں کے بغیر کسی سے شادی نہیں کروں گا۔'' فلک شیر نے حتمی لہجے میں کہا تو اس کا باپ سمجھاتے ہوئے بولا

''اس طرح تو ساری عمر شادی نہیں ہو سکتی۔ یا تو پھر وہ تمہیں بیاہ کر یہاں سے لے جائے، تم ان کے گھر رہو، اور جس طرح اب ان کی دشمنی بن گئی ہے، ان کا ساتھ دو۔ میں اپنے پتر کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔''

''ابا، میری شادی ہوتی ہے یا نہیں، اسے چھوڑو، لیکن یہ دیکھو، وہ میرا خون بھی ہے، تیرا بھی خون ہے، اس وقت انہیں اکیلا چھوڑ دیں؟ یہ میری غیرت نہیں گوارا کر سکتی۔'' فلک شیر نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا

''پر پتر، بات صرف اتنی نہیں ہے، تاجاں جس طرح مرد بن کر اپنے گھر کی حفاظت کر رہی ہے نا، وہ اب تیری بیوی نہیں، تیری حاکم بن سکتی ہے۔ تیری ساری زندگی اب ان کی دشمنی کے ساتھ گذرے گی یا پھر اللہ بخش کو بچاتے ہوئے کچہریوں کے چکر لگائے، وہ بھی اگر اللہ بخش

پکڑا گیا تو ورنہ.....“ یہ کہتے ہوئے اس کا باپ کانپ گیا۔تبھی اس کی ماں نے ڈرتے ہوئے کہا

”مان لے اپنے باپ کی بات،ٹھیک کہہ رہا ہے۔“

”کچھ بھی ہو جائے میں اب انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔میرے ہوتے ہوئے انہیں کچھ ہو جائے ، کیا اس پر لوگ مجھ پر نہیں تھوکیں گے“ وہ ضدی لہجے میں بولا۔اس کے یوں کہنے پر ماں نے غصے میں کہا

”یہ تو غنیمت ہے کہ اب تک یہ راتوں کو چھپ کر ان کی پہرے داری پر جاتا ہے، اگر لوگوں کو یہ پتہ چل گیا کہ یہ اب راتیں اس کے ساتھ گذارتا ہے تو کیا عزت رہ جائے گی بھلا، شادی سے پہلے ہی تم ان کے گھر.....“

”پہرہ دینے جاتا ہوں ماں۔یہ میرا، میرے لہو کا فرض ہے۔“اس صاف لفظوں میں کہا اوران کے پاس سے اٹھ گیا۔

اسی رات تاجاں کو ساری بات پتہ چل گئی۔ اس نے فلک شیر سے کہا

”دیکھ پھلکو، ہماری قسمت میں تو اب یہی لکھا ہے، تو اپنی زندگی خراب نہ کر، چاچا ٹھیک کہہ رہا ہے، تو شادی کر لے اور اپنی زندگی ہنسی خوشی گذار۔“

”تاجاں۔! جو میں نے اپنے ماں باپ سے کہا، وہ سچ ہے، لیکن تو میری محبت بھی تو ہے، میں تمہیں کیسے چھوڑ دوں۔“ فلک شیر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے کہا

”جب میں کہہ رہی ہوں، تم تو اپنی زندگی سکون سے گذارو تو بھی نہیں۔“اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر کہا

”چل تاجاں۔! تُو میرے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ دے کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے، تو میں تیرا کہنا مان لوں گا۔“فلک شیر نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا تو تاجاں ایسا نہ کر سکی۔دونوں ہی جانتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں۔وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو نہیں چھوڑ سکتے۔

یونہی دن اور رات گذرت تین ماہ ہو گئے۔اللہ بخش پکڑا نہیں گیا۔بس اس کے بارے میں اطلاع ملتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ایک بار وہ اپنی ماں سے ملنے آیا تھا، وہ رات بھر یہاں رہا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے گھر پر آئے دن پولیس آنے لگی۔تاجاں اور اس کی ماں کو دھمکیاں ملنے لگیں۔

ایک رات دوسرا پہر ختم ہونے کو تھا۔ تاجاں اور فلک شیر گھر کی چھت پر چار پائی ڈالے بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں سے دن کے وقت تو انہیں دور تک راستہ نظر آتا تھا۔لیکن رات کے وقت اندھیرے میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔وہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ انہیں اپنی زمینوں کے راستے پر دو جیپوں کی روشنی دکھائی دی۔ ہر لمحے کے ساتھ وہ نزدیک ترین ہوتے چلی آرہی تھیں۔دونوں نے اپنی گنوں کو بولٹ مار لیا۔

وہ جیپیں ان کے دروازے کے سامنے آکر رکیں۔لکڑی کا پھاٹک بند تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک بندہ دیوار پر چڑھا اور اندر کود کر پھاٹک کھولنے لگا۔اس سے پہلے کہ وہ پھاٹک کھولتا، تاجاں نے ایک برسٹ مارا، وہ شخص پھاٹک کھولنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ باہر سے اندازہ لگا لیا گیا تھا کہ فائر کہاں سے ہوئے ہیں۔سامنے سے جوابی فائرنگ ہونے لگی۔شاید ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے گھر سے کوئی مزاحمت بھی ہو سکتی ہے۔فائرنگ کی آوازسن کر اُن کے مزارعے بھی گنیں لے کر نکل آئے تھے۔جیپیں واپس مڑنے لگیں تھیں۔لیکن ہر طرف کی فائرنگ سے وہ ایسا نہ کر پا رہے تھے۔کافی کوشش کے بعد وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔دن کی روشنی میں جب دیکھا تو وہاں تین لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

اس رات پورے علاقے میں خبر حیرت سے سنی گئی کہ گھر کے اندر سے تاجاں نے فائرنگ کی تھی۔اس کے ساتھ فلک شیر تھا۔وہ رات کو

پہرہ دیتا رہا تھا۔انہوں نے تین ڈاکو مار دیئے تھے جو ان کے ہاں حملہ کرنے آئے تھے۔ پولیس وہ لاشیں اٹھا کر لے گئی۔ان میں دو اشتہاری تھے۔اب مرنے والے یہ اقرار نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں بھیجنے والا کون ہے۔لیکن چند دن بعد ہی اللہ بخش نے شہر میں زاہد داد پر حملہ کر دیا۔

زاہد داد شہر میں کچہری گیا ہوا تھا۔اس نے آدھا دن وہیں گذارا تھا۔وہ اپنے کام ختم کر کے، اپنے گارڈوں کے ساتھ کچہری سے نکلا تھا، ایک سڑک پار کی تھی کہ اس کے سامنے اللہ بخش آ گیا۔اس نے کوئی بات نہیں کی۔سیدھی فائرنگ ہی کی۔جس میں وہ اپنے گارڈوں سمیت مارا گیا۔اسی دوپہر اللہ بخش نے اپنی گرفتاری دے دی۔

اس دشمنی میں اگر تاجاں کا کچھ نہیں بچا تھا تو فضل داد کا سارا خاندان تباہ ہو گیا تھا۔فضل داد کی صرف ایک بیٹی بچی تھی، جس کی شادی اس کے پھوپی زاد کے ساتھ ہوگئی ہوئی تھی۔ اب ساری جائیداد کی وارث وہ تھی۔اس کی طرف سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔یہاں تک کہ انہوں نے زاہد داد کے قتل کے بارے میں بھی کوئی ایف آئی آر نہیں کٹوائی۔وہ بالکل خاموش ہو گئے۔

وقت ذرا سا آگے بڑھا۔اللہ بخش کا یوں تو مقدمہ چل پڑا تھا۔لیکن اصل میں کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔جب مدعی ہی کچھ نہیں کر رہے تھے، تو فائلیں ہی آگے پیچھے ہو رہی تھیں۔یہ سارا کھیل پیسے کا تھا، جو تاجاں اور فلک شیر بہا رہے تھے۔

ایک دن فلک شیر اغواء ہو گیا۔وہ اپنی زمینوں پر تھا۔اس وقت وہ اپنے ڈیرے پر بیٹھا ہوا تھا۔اس سے کافی فاصلے پر اس کے مزارع کام کر رہے تھے۔کچھ لوگ اس کے پاس آئے، وہ تھوڑی دیر بیٹھے بھی رہے۔پھر اسے ساتھ لے کر چل پڑے۔اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہیں ملا، وہ کہاں غائب ہو گیا۔تاجاں نے اس کی تلاش شروع کر دی۔وہ خود نہیں نکلی، مگر اس کے ارد گرد کے لوگ، جگہ جگہ اسے تلاش کرنے نکل پڑے۔یہاں تک کہ انہیں پتہ چلا کہ فضل داد کے داماد نے سامنے آئے بغیر کسی طاقتور بندے کے ذریعے اسے اٹھوا لیا ہے۔

☆......☆......☆

"لیکن تم تو درگاہ پر فلک شیر کے انتظار میں بیٹھی تھی، یہ کیا ڈرامہ ہے؟" نینا نے کافی حد تک سمجھتے ہوئے پوچھا

"مینہوں ای پتہ اے اُوس نہی آونا ہا، پر میرے دشمناں نوں تاں پتہ لگ گیا ہوسی، میں اونہوں لبھن لئی نکل پئی آں۔" اس نے دھیمی سی مسکراہٹ سے کہا (مجھے بھی پتہ ہے کہ اس نے نہیں آنا، مگر میرے دشمنوں کو تو پتہ لگ گیا ہوگا کہ میں اسے تلاش کرنے نکل پڑی ہوں۔)

" کس نے اٹھایا فلک شیر کو، کون ہے وہ تیرا دشمن؟" نینا نے پوچھا

"مٹھن خان۔" تاجاں نے دانت پیستے ہوئے کہا تو نینا کے اندر دور تک سرور اُتر گیا۔وہ چند لمحے سوچتی رہی، اسے یہ اچھی طرح پتہ تھا کہ وہ تاجاں کے سامنے اپنا راز نہیں کھول سکتی ہے۔اگر اسے بی بی صاحب کی طرف سے فون نہ ملا ہوتا تو وہ یہی سمجھتی کہ یہ تاجاں اسے گھیرنے کے لئے ایک جال ہے۔لیکن وہ ایسی عورت کو یونہی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔اسے لگا جیسے یہ بھی ایک نئی نینا ہے جو معاشرے کے ان فرعونوں کے ہاتھوں ستائی ہوئی ہے۔بی بی صاحب نے اسے شاید اسی لئے تاجاں کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ اس نے یہ طے کر لیا کہ وہ ہر حال میں تاجاں کا اعتماد حاصل کرے گی۔بظاہر وہ جس طرح بھولی بھالی اور گنوار دکھائی دے رہی تھی، اندر سے وہ اتنی ہی شاطر تھی۔وہ بہت چالاکی سے اپنے دشمنوں کو بل سے نکالنا چاہتی تھی۔

"یہ تو بہت ظالم بندہ ہے۔" نینا نے سوچتے ہوئے کہا

"مینہوں پہلاں ای پتہ ہاں، مٹھن خان داناں سُن تے تیری بولتی بند ہو جاسی، پر کوئی نہی، میں آدے فلک شیر توں لبھ لیئسا۔" (مجھے پہلے ہی پتہ تھا، مٹھن خان کا نام سن کر تیری بولتی بند ہو جائے گی۔" اس نے مثبت انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا

"تجھے پتہ ہے، میں کیا ہوں، ایک معمولی سی ملازمہ ہوں، وہ اتنا بڑا بندہ، میں تو اس کے ڈیرے میں نہیں جا سکتی، بھلا میں کیا کر سکتی ہوں۔" نینا نے بالکل ہی مردہ سے لہجے میں کہا

''مڑ ٹھیک اے، توں سوجا، کل ویکھی جاسی جو ہوسی۔'' (پھر ٹھیک ہے، کل جو ہوگا، وہ دیکھا جائے گا۔) اس نے حتمی لہجے میں کہا۔اس نے اپنی چادر اُتار کر دائیں جانب رکھی، تو اس کی بھر پور جوانی کا احساس ہوا۔قیص کے اندر اپنے سینے میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا اور اپنے سرہانے رکھ لیا۔ پھر ایک انگڑائی لے کر میٹرس پر لیٹ گئی ۔

نینا نے اپنے سیل فون پر وقت دیکھا۔رات کا دوسرا پہر شروع ہونے کو تھا۔شعیب نے اس کے لئے فون پر پیغام بھیجا ہوا تھا۔وہ پوچھ رہا تھا کہ تم کہاں ہو؟ وہ فون پر ہی پیغام کے ذریعے اسے بتانے لگی کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کون ہے۔شعیب اس بارے بہت زیادہ پر جوش ہو گیا تھا۔اس نے جب یہ پوچھا کہ تاجاں کے پاس فون ہے، تب اس کے ذہن میں خیال آ گیا کہ وہ تاجاں کا اعتماد کیسے حاصل کر سکتی ہے۔

تاجاں کے پاس فون تھا لیکن نہ ابھی تک اس نے کسی کو کال کی تھی اور نہ ہی اسے کسی نے فون کیا تھا۔نینا کے لئے یہی مسئلہ یہی تھا کہ وہ تاجاں کو بتائے بغیر اس کے فون بارے پتہ کرے اور اس کا نمبر لے۔وہ پہلو بدل کر یہی سوچ رہی تھی کہ تاجاں نے ایک دم سے پوچھا

''توں کسے بندے نوں جانی اے، جہیڑا مٹھن خان دا وڈا دشمن ہووے۔'' (تم مجھے کسی ایسے بندے کے بارے میں بتا سکتی ہو جو مٹھن خان کا سب سے بڑا دشمن ہو؟)

''میں کچھ نہیں جانتی، چپ کر کے پڑی رہ، مجھے اپنی نوکری نہیں گنوانی۔'' نینا نے ڈرنے والے لہجے میں کہا تو وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی

''پتہ لگّا اے، اوس دے چھوہر نوں کوئی مار گیا اے، او کدرے لبھ جاوے نا، مڑ ویکھیں۔'' (پتہ چلا ہے، اس کے بیٹے کو کوئی مار گیا ہے، وہ کہیں مل جائے نا۔ پھر دیکھنا۔) اس نے حسرت سے کہا، پھر چند لمحے بعد اٹھ کر واش روم کی طرف چلی گئی۔ نینا کی نگاہ اس کے سرہانے پڑے فون پر پڑی۔ نینا نے ہاتھ بڑھایا، اور اپنے نمبر پر کال کی۔اس کا نمبر آ گیا۔تاجاں کے فون سے نمبر ڈیلیٹ کر دیا۔اس کام میں زیادہ سے زیادہ ایک منٹ لگا۔وہ مطمئن ہو گئی۔تاجاں واپس آ کر میٹرس پر لیٹ گئی۔

اس رات تقریباً چار بجے کا وقت ہوگا۔ نینا کو یوں لگا جیسے کہیں دور فائر ہوئے ہیں۔وہ کچی نیند میں تو پہلے ہی تھی، ایک دم سے پوری طرح جاگ اٹھی۔اس نے بہت غور کیا۔کسی کے جھگڑنے اور بحث کرنے کا پتہ چل رہا تھا۔اس نے سامنے پڑی تاجاں کو دیکھا، وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔وہ تیزی سے اٹھی تو تاجاں بھی اس کے پیچھے ہی اٹھ گئی۔وہ سر پر چادر لینا نہیں بھولی تھی۔ نینا نے انتہائی محتاط انداز میں دروازہ کھولا تو راہداری میں کوئی نہیں تھا۔وہ باہر نکل گئی۔کچھ فاصلے پر سیڑھیاں تھیں، اس نے وہاں جا کر نیچے لاؤنج میں دیکھا تو وہاں کا منظر عجیب سا تھا۔

دارالامان کی ہیڈ ایک صوفے پر خوف زدہ سی بیٹھی ہوئی تھی، اس کے سر پر ایک شخص نے پسٹل تانا ہوا تھا۔اس کے ساتھ دوسرا شخص کھڑا تھا، اس نے دھمکی آمیز لہجے میں پوچھا

''بتا کہاں ہے وہ، ورنہ بہت برا ہوگا؟''

''میری نوکری کا سوال ہے، میں نے اس کے بارے بتایا تو میری نوکری چلی جائے گی۔'' ہیڈ نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا تو وہی شخص بولا

''بکواس بند کر بڑھیا، ورنہ تیری زندگی چلی جائے گی۔''

اس سے پہلے کہ ہیڈ کوئی جواب دیتی، نینا کے پیچھے کھڑی تاجاں نے اونچی آواز میں پوچھا

''کہندا پچھدا پیا اے؟'' (کس کا پوچھ رہے ہو۔)

''وہ کھڑی۔'' ایک بندے نے کہا تو سبھی اوپر کی طرف دیکھنے لگے۔

''جے پیئو دے پوتر ہین تاں اُتے آ جا۔'' (اگر اپنے باپ کے بیٹے ہو تو اوپر آ جاؤ۔) تاجاں نے کہا تو ان سب نے اوپر کی جانب دیکھا۔پھر لمحہ بھر کے بعد وہ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب لپکے۔

یہی ان کی پہلی بے وقوفی تھی۔ سیڑھیاں اوپر کی جانب گھومتی ہوئی آتی تھیں۔ نینا سمجھ گئی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس نے ہیڈ کی جان چھڑوائی تھی۔ وہ تین تھے۔ تبھی تاجاں نے نیفے میں اڑسا ہوا پسٹل نکالتے ہوئے نینا سے کہا،''سپھن آ، ہن توایں بچ تے بھج جا۔ میں ویکھ لیئساں۔''(سپاہی عورت تم بچ کر بھاگ جاؤ، میں انہیں دیکھ لوں گی۔)

''نہیں میری ڈیوٹی ہے، مجھے تمہاری حفاظت کرنی ہے۔'' نینا نے کہا تو وہ بولی

''نوکری بچاندے، بچاندے زندگی نا گوا بیٹھیں۔'' اس نے کہا

''دیکھا جائے گا۔'' اس پر تاجاں نے ایک لمحہ کو سوچا، اپنا پسٹل نیفے میں اُڑستے ہوئے اوپر سے اچھی طرح چادر لے لی۔ نینا ہنس کر ایک طرف ہوگئی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تاجاں میں کتنا دم ہے۔ سیڑھیاں گھوم کر آتی تھیں۔ جیسے ہی وہ چند سیڑھیاں چڑھ کر وہ سامنے آئے، تاجاں نے زور سے کہا

''اُدا ئیں رکو، میں تھلے آندی پئی آں۔'' ادھر ہی رکو میں نیچے ہی آ رہی ہوں۔)

وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔ نینا بھی محتاط انداز میں اس کے پیچھے تھی۔ محکمے کی طرف سے کسی ہتھیار کی اجازت تو نہیں تھی، لیکن اس کے پاس اپنا ذاتی پسٹل تھا۔ وہ شاید دوبارہ لاؤنج میں چلے گئے تھے۔ جیسے ہی وہ نیچے آئیں، ایک لمبے قد والے شخص نے پسٹل کی نال سے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا

''تاجاں تمہارا ہی نام ہے؟''

''ہا، دس کیہہ آکھداں اے۔''(ہاں، کہو کیا کہتے ہو۔) اسنے بے خوف لہجے میں پوچھا

''تم ہو جو فلک شیر کو تلاش کر رہی ہو؟'' اس نے پوچھا

''تو گل کر جہیڑی کرنی اے۔''(تو بات کر جو کرنا چاہتا ہے) اس نے اکتائے لہجے میں کہا

''چل پھر میرے ساتھ، تجھے فلک شیر سے ملا دوں۔'' یہ کہہ کر وہ طنزیہ ہنس دیا۔ اس پر تاجاں اس کے پاس گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی

''فلک شیر تیرے پاس ہے؟''

''میرے پاس تو نہیں، لیکن......'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ تاجاں نے پوری قوت سے اس کی ٹھوڑی پر گھونسہ مارا۔ دوسرے ہاتھ سے اس کے پسٹل پر مارا، جو دور جا گرا، تیسرا اس نے اپنا گھٹنا اس کی ٹانگوں کے درمیان مار دیا۔ تاجاں تو حملے کے لئے تیار تھی لیکن وہ شاید یہ توقع نہیں کر رہا تھا کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ ایک عورت اس کے گلے یوں پڑ سکتی ہے۔ پسٹل گرتے ہی نینا نے جھپٹ کر وہ پسٹل اٹھا لیا۔ باقی دونوں کے ہاتھ میں پسٹل تھا مگر وہ اس افتاد کو ایک دم سے نہ سمجھ پائے۔ لمبا آدمی ٹانگوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کراہ رہا تھا کہ تب تک تاجاں نے دونوں ہاتھ باندھ کر اس کی گردن پر مارے، وہ ڈکارتا ہوا فرش پر گر گیا۔ نینا باقی دو پر پسٹل تان چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی تاجاں نے بھی اپنا پسٹل نکال لیا تھا۔ وہ دونوں ایک دم سے گھبرا گئے تھے۔

''ہتھیار پھینک دو، ورنہ گولی مار دوں گی۔'' نینا نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ انہوں نے اپنے پسٹل پھینک دیئے۔

''میں تھانے فون کرتی ہوں۔'' ہیڈ نے یوں کہا جیسے اسے ابھی ہوش آیا ہو۔ تبھی تاجان نے غراتے ہوئے کہا

''نہ، ہُنے ناں، ایندھے کولوں پچھ تاں لواں فلک شیر دا۔''(نہ ابھی نہیں، اس سے پوچھ تو لوں فلک شیر کے بارے میں۔) یہ کہہ کر اس نے پوری قوت سے لمبے شخص کی سر میں ٹھوکر ماری۔ وہ بلبلا اٹھا۔ تاجان پر جیسے جنون سوار ہو گیا، اسے اسے پیٹنے لگی، نینا دیکھ رہی تھی کہ اس میں جوش اور حوصلہ تو ہے، لیکن وہ لڑنے کے فن کو بالکل نہیں جانتی تھی۔

''بس کرو تاجاں۔ اور ادھر بیٹھ جاؤ، میں دیکھتی ہوں اب۔'' نینا نے کہا اور ہیڈ کو فون کرنے کا کہا۔ وہ فوراً اپنے آفس کی جانب بھاگی۔ اسی

دوران ان کی ذراسی غفلت پا کر ان دو میں سے ایک نے موقعہ دیکھا اور سیدھا نینا پر آ رہا۔ وہ اس کا پسٹل چھین لینا چاہتا تھا۔ نینا ایک دم سے گھوم گئی، وہ اس کے بالکل ساتھ مس ہوتا ہوا فرش پر گر گیا۔ نینا کو ایک دم سے تپ چڑھ گئی۔ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا

''تمہیں کہا تھا نا کہ آرام سے کھڑے رہو۔ اب بھگتو۔'' یہ کہہ کر اس نے فرش پر پڑے اس لڑکے کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور اٹھتے ہوئے لڑکے کے منہ پر گھونسہ مارا۔ پھر گھوم کر پاؤں کی ٹھوکر اس کے سینے پر ماری تو وہ دوہرا ہوتا چلا گیا۔ تاجاں دوبارہ اٹھ گئی تھی۔ وہ دھاڑتی ہوئی اٹھی اور اس نے پسٹل سیدھا کیا اور فائر دے مارا۔ فائر کی آواز سارے دارالامان میں پھیل گئی۔ اس لمحے تیسرے نے بھاگنے کی کوشش کی تو تاجاں اس کے پیچھے جا لپکی۔ اسے دروازہ پار نہیں کرنے دیا۔ اس کے پاؤں میں فائر دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ وہ اسے گھسیٹ کر لے آئی۔ وہ تینوں لاؤنج میں ڈھیر ہوئے پڑے تھے۔ ایسے میں دارالامان کی ہیڈ آفس سے نکلتے ہوئے زور سے بولی

''میں نے تھانے فون کر دیا ہے، پولیس آتی ہی ہوگی۔''

نینا نے اسکی بات سن لی لیکن کوئی تبصرہ کئے بنا لمبے قد والے شخص کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی

''بتا کس نے بھیجا ہے تمہیں، یہیں آرام سے بتا دے گا یا تھانے چل کر بتائے گا۔''

''تیرا داؤ چل گیا ہے، تھانے چل تجھے پتہ چل جائے گا۔'' اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا

''اچھا تو یہ بات ہے، اکڑتا ہے، میں نے تیرے ہی پسٹل سے تجھے ماردوں گی تو تھانے بھی نہیں جا سکے گا۔'' یہ کہہ کر وہ لحہ بھر کو رکی پھر اونچی آواز میں بولی، ''تاجاں مجھے دو اس کا پسٹل۔'' نینا نے کہا تو وہ گھبرا گیا۔ اس وقت تک تاجاں فرش پر پڑے دونوں لڑکوں کو ٹھوکریں مار چکی تھیں۔

''بتاتا ہوں۔'' لمبے قد والے شخص نے کہا

''بولو۔'' اس نے سرد سے لہجے میں کہا

''مٹھن خان کے منشی سلامت خان نے بھیجا ہے، فلک شیر اسی کے پاس ہے۔''

'' کتھاں ہے سلامت خان، بہن......'' تاجاں نے دانت پیستے ہوئے کہا انتہائی غلیظ گالی دی۔ تاجاں تو جو پاگل ہوئی سو ہوئی لیکن سلامت خان کا نام آتے ہی نینا کے اندر آگ بھڑک اٹھی۔ یہی وہ شخص تھا، جس نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے ننگا کیا تھا۔ فرحان خان نے اسے کہا تو وہ پوری خباثت کے ساتھ آگے بڑھا تھا اور اسی نے اس کا لباس تار تار کیا تھا۔ وہ یہی سوچتی بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سامنے پڑے لڑکے پر پل پڑی۔ وہ وحشیوں کی طرح اسے مارنے لگی تھی۔ اس دوران دارالامان کی بہت ساری لڑکیاں اور عورتیں وہاں آن موجود ہوئی تھیں۔ وہ سب پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ ہیڈ نے آگے بڑھ کر کہا

'' بس کرو اوران غنڈوں کو باندھ دو رسیوں سے۔''

اس کا یہ کہنا تھا کہ اگلے چند منٹ میں نجانے کہاں سے رسیاں آ گئیں اور انہیں باندھ دیا گیا۔ تبھی تاجاں نے اپنا فون نکالا اور نجانے کس کے نمبر ملا کر اسے یہ سب بتانے لگی۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ اس کے منہ سے گالیاں نکل رہی تھیں، اس کے ساتھ وہ یہ بتا رہی تھی کہ ابھی انہیں لے کر تھانے جانا ہے۔ ممکن ہے وہاں کوئی چکر چل جائے۔ اس لئے پوری قوت سے یہ معاملہ دیکھنا ہے۔

اس وقت تک سورج نمودار ہوا تھا۔ جب وہ مختلف گاڑیوں میں تھانے کی طرف جا رہے تھے۔ نجانے نینا کو یہ ڈر کیوں تھا کہ وہ تھانے نہیں جا پائیں گے۔ راستے میں ضرور کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انسپکٹر تو مٹھن خان ہی کا بندہ تھا، وہ کس طرح چاہے گا کہ سلامت خان کا نام آئے سلامت خان کے نام آنے کا مطلب سیدھے سیدھے مٹھن خان کا سامنے آ جانا تھا۔ ان تینوں لڑکوں کے ساتھ کیا ہوتی، یہ تو وہی بہتر جانتے ہوں گے، لیکن ممکن ہے کہ وہ وہاں تھانے میں جا کر اس نام ہی سے مکر جائیں۔ یہ معاملہ تو تب پیش آتا نہ کہ اگر وہ تھانے پہنچ جاتے ہیں۔ اگر اس سے پہلے ہی سلامت خان انہیں چھڑوانے کے لئے اپنے بندے بھیج دیتا ہے تو کیا ہوگا؟ سیدھی سی بات ہے

کہ پولیس والے سکون سے وہ بندے دے دیں گے تاکہ سارا مدعا ہی غائب ہو جائے۔پھر حاصل کیا ہوگا؟ اس دوران اگر ایک آدھ بندہ پھڑک ہی جاتا انہیں کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا، سچی مچ کا پولیس مقابلہ بن جاتا۔اور پھر جس طرح اس نے ان لڑکوں کو پکڑا تھا، وہ فرض شناسی کی بجائے اس کا جرم بن جاتا۔تاجاں نے جو انہیں بل سے نکالنے کیلئے اتنا بڑا رسک لیا تھا، وہ رائیگاں جائے گا؟ وہ کسی بھی موقع ہنگامے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی۔راستے میں کہیں بھی مدبھیڑ ہو سکتی تھی۔یہ سب کچھ اس نے چلنے سے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔اس لئے اس نے شعیب کو فون کیا اور ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

''میں نکلتا ہوں ابھی، ذرا فاصلے پر رہوں گا۔کوئی بھی ایسی صورت ہوئی تو نپٹ لیں گے۔''شعیب نے اسے حوصلہ دیا تو وہ گاڑی میں آبیٹھی تھی۔لیکن یہ سب اس کا وہم ثابت ہوا۔وہ تھانے پہنچ گئے۔

تھانے میں انسپکٹر کے کمرے میں چند لوگ موجود تھے جنہیں نینا نہیں جانتی تھی۔وہ انسپکٹر کے آفس کے باہر ہی رک گئی۔ وہ آفس میں جانے سے پہلے ہی مٹھن خان کے ڈیرے سے فلک شیر بارے معلومات لے لینا چاہتی تھی۔اس لئے وہ ایک خالی کمرے میں چلی گئی۔ اس نے ڈیرے پر موجود اپنے سورس سے پوچھا کہ فلک شیر کہاں ہے اور اس کی بابت کیا ہو رہا ہے۔سورس نے یہی بتایا کہ کچھ دیر پہلے سلامت خان یہاں ڈیرے پر آیا ہے۔اسے مٹھن خان کا فون آیا تھا۔اس نے ایک بندے کو لے جانے کا حکم دیا ہے۔اس بندے کو شہر لے جانا ہے، وہ ابھی برآمدے میں بیٹھا ہوا ہے۔سلامت خان اندر ہے۔شاید اس کے بعد وہ اس بندے کو لے کر شہر والی کوٹھی میں جائیں یا جہاں بھی۔اس کا مجھے نہیں پتہ۔وہ تیزی سے سوچنے لگی۔اس نے شعیب کا نمبر ملایا اور اسے تازہ صورت حال کے بارے میں بتا دیا۔وہ ابھی بات مکمل نہیں کر پائی تھی کہ اس کا بلاوا آ گیا۔

''مجھے کسی بھی وقت آفس میں بلایا جا سکتا ہے۔میں کال بند نہیں کروں گی، تم سنتے رہنا۔پھر بعد میں بات کرتے ہیں۔''اس نے کہا اور کمرے سے نکل آئی۔اس نے اپنا فون چھپا لیا تھا۔وہ آفس میں جا پہنچی، جہاں چند اجنبی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے کن اکھیوں سے انہیں دیکھا اور سلیوٹ مار کر ایک جانب کھڑی ہو گئی۔ تاجاں بڑے ٹھسّے سے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ سبھی لوگ اس کے جاننے والے تھے۔اس کے ساتھ ہی تینوں بندے وہاں لائے گئے، جنہیں دیکھتے ہی انسپکٹر نے پوچھا

''اوئے، کیوں گئے تھے دارالامان؟''

''اس لڑکی کو اٹھانے۔'' لمبے قد والے شخص نے اعتماد سے کہا تو وہاں موجود دو بندوں نے گھوم کر انہیں دیکھا

''کیوں گئے تھے؟''

''مجھے اپنے وکیل سے بات کرنے دیں، پھر جو بیان بھی ہوگا ہم دے دیں گے۔'' لمبے قد والے شخص نے کہا تو ان میں سے ایک بندہ بھنّا کر اٹھا لیکن دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔

''میری بات کا جواب دو؟''انسپکٹر نے کہا

''کوئی جواب نہیں ہے۔''اسی نے پھر نڈر لہجے میں کہا تو انسپکٹر کے ماتھے پر تیوریاں آ گئیں۔وہ بندے ابھی تک خاموش تھے۔لیکن اس کے یوں جواب دینے پر ان میں سے ایک نے کہا

''تھانے دار جی، آپ نے ابھی تک ایف آئی آر تو نہیں لکھی نا، اس لئے ہم انہیں ہم اپنے ساتھ لے کر جا رہے ہیں، وہ فلک شیر دے جائیں گے تو انہیں لے جائیں۔دیکھتے ہیں کون ہیں وہ، اب ہم خود ان تک پہنچ جائیں گے۔''

''نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے، یہ اب ہمارے پاس.....''اس نے کہنا چاہا کہ انسپکٹر کا فون بج اٹھا۔وہ اسکرین دیکھ کر اٹھ گیا۔چند لمحے کسی سے باتیں کرتا رہا پھر واپس آ کر بولا''دیکھو، کچھ دیر میں فلک شیر آ جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہی بندہ خود لے کر آئے، جس نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، بتا دو اسے۔'' اسی بندے نے کہا تو انسپکٹر نے گھبراتے ہوئے کہا

''آپ اپنا بندہ لے جائیں، چھوڑیں۔ختم کریں۔''

''میں جانتا ہوں، وہ مٹھن خان کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، لیکن ذرا مل تو لیں، آپ اسے بتا دیں۔''

''جانے دیں، پھر کسی وقت ملاقات رکھ لیں گے۔ میں کروا دوں گا ملاقات۔'' انسپکٹر نے صلح جو انداز میں کہا پھر نینا کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ سلیوٹ مار کر آفس سے باہر آ گئی۔ اس سے رہا نہیں جا رہا تھا۔ اس لئے بے تابی سے سوچ رہی تھی کہ مٹھن خان کو ذہنی جھٹکا دے۔ وہ ابھی کوارٹر نہیں جانا چاہتی تھی۔ نینا نے سلامت خان کو دیکھا ہوا تھا۔ اسے شہر والی کوٹھی کے بارے میں بھی پتہ تھا۔ اس نے شعیب کو فون کیا۔ وہ جیسے اس کے انتظار میں تھا۔

''ٹھیک تو ہو نا۔'' اس نے بے تابی سے پوچھا

''میں ٹھیک ہوں لیکن ایک بڑا کام پڑ سکتا ہے۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

''وہ کیا؟'' اس نے پوچھا تو اس نے انتہائی مختصر انداز میں سارا واقعہ بتا کر کہا

''اگر ہم سلامت خان کو مروا دیں؟'' اس نے کہا تو شعیب نے پوچھا

''کب اور کیسے؟''

'' ابھی ایک گھنٹے کے اندر اندر، وہ ڈیرے سے اپنے گھر جائے گا یا کسی طرح بھی نکلے گا وہاں سے، فلک شیر کو لے، اگر وہاں کوئی دوسرا سورس ہے تو پوچھو، پوری اور اعتماد والی انفارمیشن چاہئے، راستے ہی کام کر دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا پلان دیا۔

''ابھی بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تقریباً پانچ منٹ کے اندر اندر اسے فون مل گیا کہ وہ ڈیرے سے نکل پڑے ہیں۔ فلک شیر ان کے ساتھ ہے۔ انہوں نے آپس میں طے کیا اور فون بند کر دیا۔ نینا کے بدن میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ وہ سیدھی منشی کے پاس گئی۔

''سر جی، میں کوارٹر جا رہی ہوں۔'' اس نے بتایا

''ابھی کچھ دیر ٹھہر جاؤ، صاحب چلے جائیں تو پھر جانا۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''اچھا، پھر میں یہیں ہوں۔ جب صاحب چلا جائے تو میں نکل جاؤں گی، نیند بہت آ رہی ہے۔'' اس نے کہا

''اچھا جا جو مرضی کر۔'' منشی نے کاغذوں میں الجھتے ہوئے کہا تو وہ خالی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

اس نے خالی کمرے میں ایک چکر لگایا اور وہاں سے نکل پڑی۔ وہ ٹہلتے ہوئے تھانے کے باہر آ گئی۔ آدھے منٹ سے بھی کم وقت میں اس کے پاس شعیب کی کار آن رُکی۔ وہ تیزی سے اس میں بیٹھی تو شعیب نے کار بھگاتے ہوئے کہا۔

''وہ سفید کار میں نکلے ہیں اور راستے میں ہوں گے۔ میرا خیال ہے شہر پہنچتے ہی فلک شیر کو چھوڑ دیں گے۔''

''اس سے پہلے ہم نے ان کے پاس پہنچنا ہے۔'' نینا نے کہا اور پچھلی سیٹ پر پڑی چادر اٹھا لی۔ اس کے نیچے گن پڑی ہوئی تھی۔ اس نے وہ اٹھائی، تیزی سے میگزین چیک کیا۔ ایک میگزین بیلٹ میں اُڑ سا تب اس دوران شعیب نے کہا

''نیچے ہینڈ گرنیڈ بھی ہیں۔ وہ اگر......''

''لیتی ہوں۔'' اس نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر دونوں ہینڈ گرنیڈ اٹھا لئے۔ وہ پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔ تبھی اس نے تیزی سے کہا، ''اپنا چہرہ ڈھک لو شعیب، کچھ بھی ہو جائے، تم نے سامنے نہیں آنا، میں دیکھ لوں گی۔ کام ہوتے ہی نکلنا ہے، وقت نہیں ہو گا ہمارے پاس۔''

''کیا تم نے یہ سوچ لیا ہے انہیں روکنا کیسے ہیں، روکنا بھی ہے یا......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی

''بیچ سڑک میں کار روک دینا۔ ہیڈ لائیٹس بند نہ کرنا،لیکن سنو۔!واپسی کے لئے تیار رہنا،کسی بھی حالت میں اپنا آپ نہ دکھانا۔میں چاہئے مر جاؤں۔''

''اوکے۔''شعیب نے تیزی سے کہا اور رفتار بڑھا دی۔وہ ابھی شہر سے نکلے ہی تھے کہ سامنے سے ایک سفید کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ شعیب کے منہ سے بے ساختہ نکلا،''مجھے لگتا ہے یہی ہیں۔''

''روکو،سامنے روک دو۔''اسی تیزی سے نینا نے کہا تو شعیب نے ایک دم سے بریک لگا دیئے۔سامنے کی کار بھی بہت مشکل چند گز کے فاصلے پر آکر رک گئی۔ چند لمحے یونہی گذر گئے۔ممکن ہے سامنے والی یہی سوچ رہے ہوں کہ کار سائیڈ سے گذرے گی یا کوئی مسئلہ ہو گیا۔اتنی دیر میں نینا نے دروازہ کھولا اور سڑک پر گرتے ہی رولنگ کرتی ہوئی نشیب میں اتر گئی۔ جہاں مکمل اندھیرا تھا۔تقریباً تین منٹ بعد سامنے کی کار کے پچھلے دروازے ایک ساتھ کھلے۔ ان میں سے دو آدمی باہر نکل آئے ان کے ہاتھوں میں جدید گنیں تھیں۔ان میں سے ایک نے اونچی آواز میں کہا

''اُو،راستہ چھوڑو،کون ہو تم ؟''

اس کے ساتھ ہی شعیب نے کار کو بیک گیئر لگایا اور کار کو کافی سارا پیچھے کیا ہی تھا کہ نینا کی آواز گونجی

''اوئے،فلک شیر کو باہر نکالو۔''

''کون ہو تم ؟''ایک بھاری مردانہ آواز گونجی،جس میں میں انتہائی حیرت تھی۔

''تاجاں۔''نینا نے اونچی آواز میں کہا

''تاجاں......یہ یہاں کیسے؟''یہ کہہ کر خاموشی چھا گئی،اگلے چند لمحوں بعد آواز پھر آئی۔''ہم اسے شہر لے جا رہے ہیں،وہیں دیں گے۔''

''یہیں چھوڑ دو،تھانے لے جانے کی ضرورت نہیں۔''

''یہ غلط بات ہے،اسے ہم تھانے ہی لے کر......''

''میں کہہ رہی ہوں اسے یہیں چھوڑ دو اور واپس چلے جاؤ میں اسے یہیں لے لوں گی۔''اس کے یوں کہنے پر چند لمحے خاموشی رہی،پھر کسی نے کہا

''اچھا ٹھیک ہے۔''

نینا کے لئے یہ ایک جوا تھا۔اسے فلک شیر سے کوئی سروکار نہیں تھا۔اگر حقیقی فلک شیر اس کے ہاتھ لگ جاتا تو بھی اس کا مقصد سلامت خان ہی کو قتل کرنا تھا۔اور اگر حقیقی نہ ملتا تو بھی اس کا پلان یہی تھا کہ سلامت خان کو قتل کرے۔اس میں اگر فلک شیر ختم بھی ہو جاتا تو پھر بھی اس کا کوئی نقصان نہیں تھا۔آواز کی بازگشت میں ہی کار میں سے ایک آدمی باہر نکلا،اس نے چادر اور کرتا پہنا ہوا تھا۔وہ تیزی سے سامنے والی کار کی جانب بڑھا۔تبھی نینا نے زور سے کہا

''فلک شیر۔!میری طرف آؤ۔''

وہ مڑ کر اندھیرے کی سمت چل پڑا۔وہ اس کے پاس آ گیا،مگر اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔اس نے صرف آواز کی جانب رخ کیا تھا۔وہ نینا سے فاصلے پر تھا۔تب تک نینا نے ایک ہینڈ گرنیڈ کی پن نکال کر کار کی جانب یوں پھینک دی کہ وہ کار تک جا پہنچے۔فلک شیر اس تک پہنچا ہی تھا کہ نینا نے کہا

''یہیں کھڑے رہو۔''

دوسری کار والے بیک گیئر لگا چکے تھے۔کار ذرا سی پیچھے ہٹی تھی کہ بلاسٹ ہو گیا۔ایک دم سے کار کو آگ لگ گئی۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے

جب ہر کوئی اپنی جان بچاتا ہے۔ کار سے بدحواسی میں جو بھی نکلا، نینا نے گن سیدھی کی ہوئی تھی۔ اس نے فائر کرنا شروع کر دیا۔ آدھے منٹ میں وہ چاروں زمین پر گر چکے تھے۔ فلک شیر اس کے سامنے نہیں تھا۔ نینا انتہائی تیزی سے پلٹی اور پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ شعیب کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے بھی اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کے بیٹھتے ہی شعیب کار گھمائی۔ جس کے ساتھ ہیڈ لائیٹ کی روشنی بھی گھومی۔ تبھی فلک شیر اندھیرے میں دکھائی دیا۔ وہ انہی کی طرف بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ قریب آیا۔ تبھی نینا کی آواز گونجی

’’ فلک شیر ہو نا تاجاں والا؟‘‘

’’جی جی، میں فلک شیر۔‘‘ اس کا لہجہ حیرت زدہ تھا۔

’’ سامنے دیکھتے رہو، پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ تاجاں سے کہنا، میں اسے فون کروں گی۔ پہلا تحفہ لے لو۔‘‘

’’جی،‘‘ وہ ہنوز اسی لہجے میں بولا

’’ٹھیک ہو اب تم جاؤ،‘‘ نینا نے کہا اور شعیب کو چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ فلک شیر کو وہیں چھوڑ کر چل دیئے۔ نینا اپنے اندر وہی سکون محسوس کر رہی تھی، جو اس نے پہلے دن چار بندوں کو مار کر کیا تھا۔ سلامت خان کو مارنے سے جو اس کے اندر سے جذبات ابھرے تھے، وہ صرف وہی جانتی تھی۔ وہ اپنے اندر کے جذبات پر قابو پا رہی تھی۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا کب شہر آ گیا ہے۔ جیسے ہی وہ شہر کے قریب پہنچے تبھی شعیب نے پوچھا

’’میں یہ کار فارم ہاؤس میں چھپا دوں گا، تم کہاں......‘‘

’’میرے کوارٹر کے قریب اتار کر، پھر نکل جانا، میرے لئے وقت بہت اہم ہے۔‘‘ نینا نے کہا تو شعیب بولا

’’دو دن تک ہم نہیں ملیں گے۔ فون ہے نا جو ٹریس نہیں ہوتا، اسی سے بات کر لیا کرنا۔‘‘

’’اوکے۔‘‘ اس نے کہا اور سامنے دیکھنے لگی۔ شعیب تیز رفتاری سے بڑھتا چلا گیا۔ کوارٹر کے پاس آ کر نینا نے چادر اتاری، گن واپس رکھی، ادھر ادھر دیکھ کر کار سے اتر گئی۔

اس وقت سورج نکلنے کو بے تاب تھا۔ ملجگا اندھیرا چھٹ رہا تھا، جب وہ اپنے کوارٹر کے سامنے تھی۔ کوارٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو وہاں کوئی لڑکی جاگ رہی تھی اور کوئی ابھی سو رہی تھی۔ وہ سیدھی واش روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے نکلی اور اپنے بستر پر جا گری۔ اس کا بدن اب تک سنسناہٹ میں تھا۔ وہ اس وقت کی سنسنی میں الجھی ہوئی تھی، جب سلامت خان کے مرنے کی خبر پھیل جانی تھی۔ کچھ دیر بعد آپی فوزیہ اس کے پاس آ گئی۔ اسے دیکھ کر بولی

’’ یونیفارم تو اُتار لیتی۔‘‘

’’آپی ساری رات ہو گئی جاگتے ہوئے، اور پھڈا بھی بہت بڑا پڑ گیا تھا، قسم سے دماغ گھوم گیا ہے۔‘‘ اس نے سنسنی خیز لہجے میں آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ شاید اس وقت اس کا لہجہ اس قدر فطری تھا کہ آپی فوزیہ نے اس کے پاس ہی بیٹھ کر حیرت سے پوچھا

’’ہوا کیا؟‘‘

اس کے یوں پوچھنے پر نینا ساری روداد سنا کر بولی

’’بس میں نے منشی سے کہا اور سیدھی ادھر آ گئی، انگ انگ دکھ رہا ہے آپی۔ اُسے پتہ نہیں، وہ شاید اب بھی مجھے تھانے میں ہی سمجھ رہا ہو گا۔‘‘

’’اچھا چل میں ابھی جا کر کہہ دوں گی اگر اس نے پوچھا تو، سونا ہے، تو سو جا۔‘‘

’’کچھ کھا پی تو لوں، بھوکے پیٹ تو نیند بھی نہیں آئے گی۔‘‘ اس نے ترسے ہوئے انداز میں کہا تو آپی اٹھتے ہوئے بولی

''کچن میں دیکھ لے اگر کچھ ہے،ورنہ چائے بنالے۔''

وہ چلی گئی تو نینا نے ایک لڑکی کو بلایا اور اسے چائے بنانے کا کہا۔خود وردی اتارنے لگی۔وہ ایسا صرف اس لئے کر رہی تھی کہ وہاں موجود لوگوں کو یہ تاثر دے سکے کہ وہ نارمل ہے۔

اس وقت وہ چائے پی رہی تھی۔جب انہیں یہ خبر مل گئی کہ سلامت خان سمیت دو بندے اور ایک ڈرائیور قاتلانہ حملے میں ہلاک ہو گئے ہیں۔اس کے ساتھ جو خبریں تھیں،ان سے یوں لگا جیسے پورا شہر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا ہو۔

اس وقت دن کے نو بجے کا عمل تھا۔نینا کو خاص طور پر تھانے میں بلایا ہوا تھا۔وہ نئی یونی فارم پہن کر وہاں جا پہنچی۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ سو نہ سکی تھی۔اس لئے قدرتی طور پر اس کے چہرے پر تھکن اور اکتاہٹ تھی،کچھ اس نے خود بنالی ہوئی تھی۔نینا کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے جو بلوایا گیا ہے، بلاشبہ کوئی اہم بات ہی ہوگی۔

تھانے میں کافی سارے لوگ تھے۔وہ منشی کے پاس گئی تو اس نے نینا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔پھر کوئی بات کئے بغیر اس نے آفس میں جا کر بتایا۔کچھ دیر بعد ہی اُسے بلوا لیا گیا۔کمرے میں انسپکٹر کے علاوہ تین لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ان کے ایک جیسے رائل بلیو سوٹ تھے۔ایک ہی گہرے میرون رنگ کی ٹائیاں تھیں،جیسے انہوں نے بھی یونیفارم پہن رکھا ہو۔ان کے ساتھ دارالامان کی ہیڈ بیٹھی ہوئی تھی۔وہ سمجھ گئی کہ یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔اس پر نگاہ پڑتے ہی انسپکٹر نے ہتک آمیز لہجے میں پوچھا

''رات کیا ہوا تھا دارالامان میں؟''

'' سر۔!میں نے آپ کو پوری تفصیل بتادی تھی۔''

''پھر سے دہراؤ۔''انسپکٹر نے اسی ہتک آمیز لہجے میں حکم دیا،جس سے نینا کا دماغ ایک بار گرم ہوا لیکن اگلے ہی لمحے وہ موقع کی نزاکت بھانپ گئی۔اس لئے تیزی سے وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی جو اس نے صبح بتایا تھا۔

''کیا تجھے اتنا بھی پتہ نہیں چلا کہ تاجاں کے پاس پسٹل ہے۔''ان میں سے ایک شخص نے پوچھا

''جی نہیں، مجھے تو اس کے ساتھ دارالامان بھیجا گیا تھا۔''نینا نے بات گول کرتے ہوئے کہا۔حالانکہ وہ تاجاں کو دربار سے پکڑ کر لائی تھی۔ وہیں اس کی تلاشی بھی بنتی تھی۔وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔شاید انسپکٹر کسی شدید دباؤ میں تھا،اس لئے اسے یہ خیال ہی نہیں آیا۔سو خاموش رہا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یہاں تلاشی لی ہی نہیں گئی اور اگر تلاشی لی گئی تھی تو جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا۔''دوسرے شخص نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا

''یہاں کوئی نہ کوئی ایسا بندہ ہے،جو تاجاں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ اب وہ کون ہو سکتا ہے،ظاہر ہے جس نے تلاشی لی۔''تیسرے نے فیصلہ دے دیا

''اس سے کچھ اور پوچھنا ہے؟''پہلے نے کہا

''نہیں۔''دوسرے نے حتمی لہجے میں کہا تو انسپکٹر نے یوں نینا کی طرف دیکھا جیسے اس نے جان بوجھ کر اس کی بے عزتی کرادی ہو۔پھر ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے اس سے بولا

''اب جاؤ۔''

''جی سر۔''یہ کہتے ہوئے اس نے سیلوٹ مارا اور واپس چل دی۔ اس کے اندر انسپکٹر کے خلاف ابال اٹھ رہا تھا۔اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اسے بھی شوٹ کر دے۔لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ وہ جو سوچے وہ پورا بھی ہو جائے۔وہ وہاں سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں بیٹھ گئی۔ اسے انسپکٹر کے کمرے میں ہونے والی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

وہاں جو تین لوگ موجود تھے، یہ وہی لوگ تھے، جو مٹھن خان نے اپنے بیٹے کے قاتل کو پکڑنے کے لئے بلوائے تھے۔ وہ اس قاتل کو تو کیا پکڑتے۔ سلامت خان والا واقعہ ہو گیا۔ کہاں وہ فلک شیر کو اغوا کر کے بیٹھے ہوئے تھے اور کہاں سلامت خان بھی جا تا رہا۔ اس وقت یہ تینوں تفتیشی یہی معلوم کرنے کی فکر میں تھے کہ یہاں کون ایسا بندہ ہے جس نے تاجاں کے ساتھ ہمدردی کی؟ انسپکٹر کو یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے اور کیا نہ کہے۔ اسے مٹھن خان کی یہ تابعداری مہنگی پڑ رہی تھی۔ ساری بحث کے آخر میں اس نے کہا

''یہاں کوئی نہیں ہے، میرے خیال میں، لیکن اب شک ہو گیا ہے تو آپ بھی دیکھیں، میں بھی دیکھتا ہوں۔ میں آپ سے پہلے بھی پورا تعاون کر رہا ہوں، اب بھی کروں گا۔''

''ٹھیک ہے، ہمیں یہاں کی پوری انفارمیشن چاہئے، خاص طور پر تاجاں کے معاملے بارے جو لوگ بھی اسے پکڑ کر لائے تھے۔ ہم سب سے بات کریں گے۔'' ان میں سے کسی ایک نے کہا تو نینا کے دماغ میں الارم بج گیا۔ وہ اگر سوچ رہے تھے تو ٹھیک ٹریک پر جا رہے تھے۔ ظاہر ہے وہ اس معالمی کی پوری جانچ کریں گے۔ اتنا زیادہ وقت بھی نہیں تھا، شام سے صبح تک کا دورانیہ تھا۔ نہ ہی یہ اتنا پرانا واقعہ تھا۔ اس دورانیہ کی تفتیش میں انہیں کہیں بھی شک ہو گیا تو وہ اسے بخشیں گے نہیں۔ دوسری بات وہ چونکہ پہلے بھی ڈیرے پر ان سے نفرت کا اظہار کر چکی ہے اس لئے کڑی سے کڑی ملانا ان کے لئے مشکل نہیں تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ دشمن اس کی طرف بڑھ آیا تھا۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس کے ساتھ والی لیڈی کانسٹیبل وہیں آ گئی جو اس کے ساتھ تاجاں کو پکڑنے گئی تھی ۔اس نے آتے ہی سرگوشی میں تلخی سے کہا

''اب یہ نئی مصیبت آ گئی ہے۔ ایک سرکار کا کام کریں، اوپر سے شک میں تفتیشیں بھی ہوں۔''

''تو پھر کیا ہوا۔ ہم نے کون سا جرم کیا ہے، جو سچ ہے وہی بتا دیں گے، بلکہ میں تو ابھی پیشی بھگت کے آئی ہوں۔ پھر بلائیں گے تو پھر چلی جاؤں گی۔'' نینا نے لاپرواہی سے کہا

''مجھے تو تیری سمجھ نہیں آتی، تو اللہ میاں کی گائے ہے، بدھو اور بے وقوف ہے یا پھر حد درجہ چالاک ہو۔ نارمل نہیں ہو، تجھے پتہ ہے کہ ان کے شک ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟'' وہ حیرت سے بولی

''شک تو تب کریں گے نا، اگر ہم نے کچھ کیا ہو، تاجاں کو بچانے میں جو کچھ مجھ سے ہوا میں نے کیا۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔'' نینا نے پھر لاپرواہی سے کہا، اصل میں اس وقت وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس افتاد سے نکلا کیسے جائے۔ وہ خوامخواہ کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتی تھی ۔اس کے اندر سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ صرف اپنے آپ سے خوف زدہ تھی۔

''لیکن انہیں بھی تو چاہئے نا کہ ہمارا ساتھ دیں۔ یہ محکمے والے ہی ہمیں ان کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں۔'' اس لیڈی کانسٹیبل نے دکھ سے کہا

''کر دیں یار اب کیا کریں۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں

''تمہیں نیند آ رہی ہے؟'' لیڈی کانسٹیبل نے پوچھا

''تو اور کیا ساری رات تو اس تاجاں کے ساتھ رہی ہوں، پھر یہیں تھانے میں۔ کوارٹر گئی تھی کہ پھر واپس بلا لیا۔ مشکل سے وردی بدل سکی ہوں'' اس نے کہا اور کرسی سے ٹیک لگا لی۔ وہ لیڈی کانسٹیبل کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی رہی پھر اٹھ گئی۔ وہ بھی وہیں بیٹھی رہی۔ اس وقت بھی اس کے پہلو میں پسٹل میں موجود تھا۔ اگر اس کی تلاشی لے لی جاتی تو یہ انکشاف بھی اسے پکڑوانے کے لئے کافی تھا۔

اس وقت دن کے آٹھ بجے تھے، دن کافی نکل آیا تھا۔ ایسے میں جب وہ تینوں تفتیشی ایک دم سے اٹھے اور آفس سے باہر نکل گئے۔ وہ اپنی کار میں بیٹھے اور نکل پڑے۔ جیسے ہی وہ انسپکٹر کے آفس سے نکلے، منشی سمیت چند دست راست قسم کے اہلکار آفس میں گھس گئے۔

''کیا ہوا سر جی، یہ ایک یوں کیسے چلے گئے؟'' ایک حیرت زدہ سی آواز ابھری، جسے وہ جانتی تھی

''یار فون آیا انہیں مٹھن خان کا۔اسے پتہ چل گیا ہے کہ قاتل کون ہے؟'' انسپکٹر کی آواز آئی تو نینا نے سانس روک لیا۔اس کی ساری سماعتیں اسی جانب لگ گئیں۔

''کون ہے سر، کچھ پتہ چلا؟'' دوسری آواز ابھری

''کوئی گولی نام کی عورت ہے یا مرد ہے۔اس کا نام پہلے بھی سن چکا ہوں۔'' انسپکٹر نے تجسس آمیز لہجے میں کہا

''اوہ۔!سر یہ تو بڑی مصیبت پڑنے والی ہے؟'' ایک اہلکار کی تشویش زدہ آواز آئی

''ہاں ہے تو ایسا ہی۔یہ مٹھن خان کے کوئی اپنی دشمن داری ہے،اب بھگتنی ہمیں پڑے گی۔'' انسپکٹر نے کہا

''وہی تو کہہ رہا ہوں،اب دیکھو کیسے ناک کے نیچے سب ہو گیا،اور ہم کچھ نہیں کر سکے،تاجاں کے ساتھ آنے والے لوگ بھی ڈاہڈے تھے۔'' منشی بولا تو انسپکٹر نے چند لمحے رک کر اعتراف کیا

''ڈاہڈے تو تھے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر بولا ''اچھا یار،فی الحال تو میں جا رہا ہوں گھر،واپس آؤں گا تو بات کریں گے،ساری رات ہو گئی دماغ خراب کر ہو رہا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ آفس سے نکلتا چلا گیا۔نینا کے لئے وقتی طور پر خطرہ ٹل گیا تھا۔لیکن نینا تیزی سے سوچ رہی تھی۔یہ سب ہو کیسے گیا؟ کہیں یہ طوفان سے پہلے والی خاموشی تو نہیں؟

دوپہر کے بعد وہ کہیں اپنے کوارٹر پلٹ سکی۔وہ واپس آ کر سوئی نہیں، بلکہ مسلسل سوچتی رہی۔ایسا بالکل ناممکن ہے کہ وہ یہیں رہے اور مٹھن خان سے انتقام بھی لے سکے۔وہ بے پناہ وسائل رکھنے والا شخص تھا اور اس کے پاس سوائے شعیب کے دوسرا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔اس نے اب تک اگر کسی سے کام لیا تھا تو وہ خود اپنی ذات کے ساتھ سامنے نہیں آ سکی تھی۔جس دن اس کے بارے میں پتہ چل گیا،اس کا مقصد ادھورا رہ جائے گا۔شعیب جو اس کا ساتھ دے رہا تھا،اسے اگر کچھ ہو گیا تو خود کو کبھی معاف نہیں کر پائے گی۔وہ شعیب جس کے لئے اس کے من میں میٹھی میٹھی کسک جاگ اٹھی تھی،اس کا ساتھ اس لئے بھی اچھا لگتا تھا کہ وہ اسے اپنا لگتا تھا۔اب تک جو اس نے کر لیا تھا،یہ اتنا کچھ تھا کہ عام حالات میں وہ میں ساری زندگی بھی لگی رہتی تو مٹھن خان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔تو پھر اسے کیا کرنا چاہئے؟

اسی سوال کا جواب اسے نہیں مل رہا تھا۔لیکن اس سے پہلے اُسے یہ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ سلامت خان کو مارنے والی ''گولی'' ہے، مٹھن خان کو کیسے پتہ چلا؟ شام تک وہ یہی سوچتی رہی، پھر اس نے شعیب کو فون کر دیا۔وہ اس وقت اپنے والد کے ساتھ اپنی حویلی کے لان میں تھا۔حال احوال کے بعد اس نے اپنی سوچیں اس کے سامنے رکھ دیں تو وہ بولا

''تم کیوں فکر کرتی ہو، میں جو ہوں نا تیرے ساتھ، میں نے تیرے بارے میں سب سوچ لیا ہوا ہے۔''

''سچ۔!کیا سوچا۔'' اس نے خود سپردگی سے پوچھا

''یہی کہ دو چار دن تک سکون کرو۔کچھ بھی نہ کرو۔یہاں تک کہ تمہارا دشمن بھی تمہارے سامنے آ جائے۔'' اس نے کہا

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔کچھ تو بتاؤ۔'' اس نے زچ ہوتے ہوئے کہا تو شعیب ہنستے ہوئے بولا

''فارم ہاؤس پر ملو گی نا سب بتا دوں گا۔''

''دیکھ لو، میں نے تم سے ملنا ہے،مگر تم نے یہ کہہ کر بھاگ جانا کہ ٹھرکی کہیں کی۔'' یہ کہہ کر وہ زوردار انداز میں ہنس دی

''اچھا چل ٹھیک ہے، دیکھ لیں گے۔اس وقت تم سکون کرو۔میں فارم ہاؤس......'' اس نے کہنا چاہا تو نینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا

''وہ گولی بارے کیسے، کچھ سمجھ آتی ہے؟''

’’یاراس پر زیادہ سوچنے والی کیا بات ہے۔فلک شیر نے جا کر تاجاں کو بتایا ہوگا اور تاجاں سے بات نکل گئی ہوگی جو مٹھن خان تک پہنچ گئی ہے۔‘‘یہ کہہ کراس نے ایک لمحہ کو رک کر کہا،’’تم ایسے کرو، گولی بن کر تاجاں سے بات کرو، سب پتہ چل جائے گا۔‘‘

’’یہاں کا ماحول نہیں، مجھے کہیں اور بندوبست کرنا پڑے گا، خیر میں دیکھ لیتی ہوں۔‘‘اس نے سوچتے ہوئے کہا

’’اوکے پھر،تم یہ بات کرو، میں تمہیں کال کرتا ہوں۔‘‘شعیب نے کہا اور فون بند کر دیا۔

نینا کچھ دیر سوچ کر اپنے خیالوں اکھٹا کرتی رہی پھر اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔کوارٹر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔شام کے کھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، کسی نے گانا لگایا ہوا تھا، آپی کے کمرے میں ٹی وی چیخ رہا تھا۔باہر سامنے کھلا میدان تھا۔شام اُترنے کو تھی۔اس کے دور دور تک کوئی نہیں تھا۔بس کوارٹروں کی لائین میں کوئی ایک دولوگ آجا رہے تھے۔وہ ایک درخت کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔چند لمحے بیٹھی رہی، پھر اس نے تاجاں کا نمبر ملا لیا۔کافی دیر تک بیل جاتی رہی لیکن فون نہیں رسیو کیا گیا۔اس نے کچھ دیر ٹھہر کر فون کیا تو پہلی بیل پر ہی فون رسیو ہو گیا۔

’’ہیلو۔کون گل کردا پیا اے۔‘‘(ہیلو، کون بات کر رہا ہے۔) تاجاں نے تیزی سے پوچھا تھا۔نینا اس کی آواز پہچان گئی تھی۔اس لئے وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی

’’تاجاں، تجھے تیرا پیار مل گیا ہے نا۔‘‘

’’اوہ گولی۔!تواِیں گل کردی پئی اے نا۔‘‘(تم ہی بات کر رہی ہونا) وہ پرجوش لہجے میں بولی

’’ہاں، میں ہی بات کر رہی ہوں۔‘‘اس نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔اس کے ساتھ ہی تاجاں شروع ہوگئی۔جس سے نینا کو سب پتہ چل گیا۔

جیسے ہی انہوں نے فلک شیر کو جانے کے لئے کہا، وہ وہاں سے پیدل چلتا ہوا شہر کی طرف چلا گیا۔شہر زیادہ دور نہیں تھا۔وہیں سے اسے ایک موٹر سائیکل والا مل گیا جو تھانے کی طرف جا رہا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ تھانے میں جاتا، تاجاں اور دوسرے لوگ تھانے سے باہر آ چکے تھے۔انہوں نے فلک شیر کو سنبھال لیا۔اس کے بعد وہ سیدھے اپنے گاؤں جا پہنچے۔وہاں جا کر اس نے خود مٹھن خان کو فون کیا کہ وہ فلک شیر کو لے آئی ہے۔اب اگر اس میں ہمت ہے تو دوبارہ اسے لے جا کر دکھائے۔کیونکہ اب گولی اس کے ساتھ ہے، جس نے تمہارا بیٹا مار دیا ہے۔اس پر وہ خاموش ہو گیا اور پھر زیادہ بات نہیں کی۔

’’جب بھی تجھے میری ضرورت پڑے، مجھے کہہ دینا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔‘‘نینا نے کہا

’’پر تیرا تو نمبر ہی نہیں یہاں آیا، میں تجھے کیسے......‘‘

’’میں پوچھ لوں گی تم سے۔‘‘نینا نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اس پورے علاقے میں تاجاں ایک ایسی عورت تھی جو اس کی دشمن نہیں مددگار ثابت ہو سکتی تھی، یہ اندازہ اس نے لگا لیا تھا۔وہ بڑی ڈاہڈی عورت تھی۔

☆......☆......☆

تین دن بڑے سکون سے گذر گئے تھے۔تیسرے دن کی شام اس نے آپی سے چھٹی مانگ لی۔

’’گاؤں میں تیرا اپنا تو کوئی رہا نہیں، جانا کس کے پاس ہے۔‘‘آپی نے تجسس سے پوچھا

’’میری ایک سہیلی ہے، اس کے پاس۔‘‘وہ منمنا کر بولی

’’سیدھی طرح بکواس کیوں نہیں کرتی ہو، سہیلا پال لیا ہے تو نے؟‘‘

’’چل یہی سمجھ آپی، ویسے ایک ہی ہے، تیری طرح ایک ہی وقت میں تین تین نہیں رکھے۔‘‘اس نے ہنستے ہوئے کہا تو آپی نے کھسیاتے

ہوئے گالی دے دی۔

''مجھے بلیک میل کرتی ہو؟''اس نے آنکھیں نکال کر پوچھا تو نینا نے اس کے کاندھے پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا

''جو خود طوفان میل ہو، اس کے سامنے کیا کالا، کیا گورا، کیا گندمی۔''

''چل بدتمیز، دفعہ ہو جا۔''آپی سمجھ گئی کہ وہ کن کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

''کل دوپہر تک آؤں گی، چھٹی بھی تو ہے نا۔''نینا نے اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا، جب وہ ایک رکشہ پر مارکیٹ پہنچی۔ وہ وہیں کہیں گم ہو جانا چاہتی تھی۔ وہ کچھ دیر وہاں پھرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کہ اسے شعیب دکھائی دیا۔ دونوں نے نظروں ہی نظروں میں طے کیا اور آگے پیچھے چل دیئے۔ دونوں ایک ساتھ کار تک پہنچے اور پھر وہاں سے چل دیئے۔

اس رات وہ اپنے دوست کے فارم ہاؤس پر پہنچے تو وہاں کا مہیب سناٹا ڈرا دینے والا تھا۔

''کوئی نہیں ہے یہاں؟''نینا نے پوچھا

''میں نے سب کو بھگا دیا ہے، بس تم اور میں، کوئی نہیں ہوگا ہمارے درمیان۔''اس نے خمار آلود لہجے میں کہا تو نینا ہنس دی۔ پھر پیار بھرے لہجے میں بولی

''کاش یہ وقت کبھی ختم نہ ہو، آؤ جلدی چلو اندر۔''

''مجھے پتہ تھا، تم آگے سے یہی کہو گی۔ ابھی آ جائے گا چوکیدار اور اس کی بیوی۔ وہ گاؤں میں گئے ہوئے ہیں۔''شعیب نے یوں کہا جیسے اس کا سارا موڈ خراب ہو گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ تبھی نینا اس کے ساتھ بڑھتے ہوئے بولی

''لیکن آج کی رات تو ہماری ہے نا، ہم جیسے گذاریں۔''

''کسی کام کی بات ہی کے لئے گذارنی ہے، ایویں فضول باتوں کے لئے تو نہیں۔''وہ لاؤنج میں آ گیا۔

''ہائے، محبت سے بڑھ کر اور کیا کام ہو سکتا ہے، میرے بھولو، تیری محبت مجھے مل جائے تو اور مجھے کیا چاہئے۔''نینا بالکل اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی

''اچھا، تمیز سے وہاں سامنے بیٹھو، بلکہ یوں کرو، کھانا گرم کرو، کھاتے ہیں، چائے میں بناؤں گا۔''شاید شعیب نے اس کا دھیان بٹانے کو کہا تو وہ منہ بناتی ہوئی اٹھ گئی۔

کھانے کے بعد وہ اوپری منزل کے بیڈ روم میں تھے۔ شعیب ایک صوفے پر بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا، جبکہ نینا کھڑکی میں کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ کافی دور ایک پول پر بلب جگمگا رہا تھا۔ جس کی روشنی زیادہ دور تک نہیں جا رہی تھی۔ اس میں سڑک کا ایک کنارہ اور لان کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ آگے تک تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ تبھی چائے کا آخری سپ لے کر نینا مڑی اور سامنے پڑے بیڈ پر پھیلتے ہوئے کہا

''کیا سوچا پھر تم نے میرے بارے میں؟''

''نوکری چھوڑ دو۔ کیونکہ تھوڑے عرصے کے لئے تمہیں چھٹی تو ملنے والی نہیں۔''شعیب نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''اس کے بعد کیا ہوگا؟''نینا نے پوچھا

''پھر تم اس دنیا میں گم ہو جاؤ گی۔ کوئی تجھے پوچھنے والا نہیں ہوگا، نہ کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہوگی، جو چاہے مرضی کرنا، آزاد ہوگی تم۔''شعیب نے کہا

''تم ٹھیک کہتے ہو، میں بھی یہی سوچ رہی تھی لیکن......'' نینا نے کہنا چاہا تو وہ بولا

''میں نے سب پلان کرلیا ہے۔تمہارا کیا مطلب ہے، میں نے کچھ بھی نہیں سوچا؟''

''کیا سوچا؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی

''وہ میں تمہیں سب بتاتا ہوں،لیکن ایک اعتراف میں تم سے کرلوں،ممکن ہے تمہیں بعد میں پتہ چلے اور تم بدگمانی کرو۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا

''ایسا کیا اعتراف ہے؟'' نینا نے تجسس سے پوچھا

''میں نے سب کچھ اپنے بابا کو بتادیا ہے۔'' اس نے نینا کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''کیوں؟'' اس کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہوگیا

''اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، وہ چار قتل جو ہوئے، اس پر بابا کو شک ہوگیا تھا، مٹھن خان کوئی بے وقوف بندہ نہیں کہ اسے پتہ نہ چلے۔اس نے یہ کھوج نکال لیا تھا کہ جو کچھ ہوا، اسکا تعلق مجھ سے ضرور ہے۔اس کے لوگ بابا تک آتے رہے، یہ تک کہا گیا کہ بتادیں، آگے کی کوئی کاروائی نہیں ہوگی۔بابا بہت پریشان ہوگئے تھے۔انہوں نے مجھ سے نہیں پوچھا لیکن میں نے خود بتادیا کہیں وہ لاعلمی میں پھنس نہ جائیں۔'' اس نے تفصیل سے بتادیا

''تو پھر......؟'' نینا کو اپنا آپ ڈولتا ہوا محسوس ہوا۔

''تو پھر فائدہ ہی ہوا۔بابا نے پورے اعتماد سے انہیں کسی دوسرے ہی ٹریک پر لگادیا۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ مٹھن خان نے ہمیں فری چھوڑ دیا۔وہ اب بھی اسی تاک ہے، خیر۔! بابا نے مجھے پورا اختیار دے دیا کہ میں جو مرضی کروں، جس قدر چاہوں، اور جیسی چاہوں، بابا کی مدد لوں۔اور انہوں نے ایسا کیا۔''

''کیا کیا انہوں نے؟''

''وہ اس وقت ہماری ڈھال بن چکے ہیں۔جس وقت میں سلامت خان کے لئے تمہارے پاس گیا تھا، میں انہیں بتا کر آیا تھا۔اور انہوں نے جو کار مجھے دی وہ میری نہیں تھی، چوری کی تھی، جسے اب تک ٹھکانے لگادیا گیا ہے۔جو اسلحہ لے کر گیا، وہ گھر سے لے کر گیا، ہینڈ بم کا آئیڈیا بابا نے ہی مجھے دیا تھا، تم نہ بتاتی تو میں تجھے یہی مشورہ دینے والا تھا۔مطلب، وہ ہماری پوری طرح سے سپورٹ کریں گے، یہاں تک کہ مٹھن خان ختم ہوجائے۔'' شعیب نے کہا تو نینا کو چپ لگ گئی، جس پر وہ بولا، ''اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ بابا نے ایسا اپنے فائدے کے لئے تو تم ٹھیک سوچ رہی ہو۔ جب تک مٹھن خان ہے، بابا کا بھی اس علاقے پر رعب نہیں رہے گا، وہ اپنی ساکھ تک ختم کرچکے ہیں۔کبھی وہ اس علاقے سے اسمبلی ممبر ہوتے تھے، اب نہیں، ان کی سوچ بھی عام جاگیرداروں والی ہے، بابا میں بھی کچھ نیا نہیں، لیکن۔! نینا، میں ایک وعدہ کرتا ہوں۔'' شعیب نے آخری لفظ بڑے جذباتی لہجے میں کہے تو نینا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا

''نہیں، تم کوئی وعدہ نہیں کروگے، مجھے تم پر ویسے ہی اعتبار ہے، تیری ہر بات میرے لئے وعدہ ہے۔''

یہ سن کر شعیب چند لمحے صوفے پر بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اٹھ کر اس کے پاس بیڈ پر آگیا۔اس نے نینا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ہولے سے پوچھا

''اتنا اعتماد کیوں؟''

''تم مجھے میرے اپنے ہو، تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ مجھے تم پر اتنا بھروسہ ہے کہ مرنے کے لئے کہو گے تو فوراً جان دے دوں گی، آزما لینا۔'' نینا نے کہا اور اس کے کاندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔شعیب اس کے بال سہلاتا رہا۔نینا کا دل رونے کو چاہ رہا تھا، لیکن ایک بھی آنسو اس کی آ

نکھ میں نہیں تھا۔وہ چند لمحے یونہی دم سادھے بیٹھے رہے، پھر شعیب نے ایک دم سے الگ ہو کر کہا

’’یہ ہم جذباتی کیوں ہو رہے ہیں؟‘‘

یہ کہتے ہی وہ اٹھنے لگا تو نینا نے اسے کاندھوں سے پکڑ لیا اور پھر بیڈ پر اسے پھینک کر اس کے اوپر بیٹھ گئی

’’بکواس کرتا، وہاں سے اٹھ کر تم یہاں آئے ہو، مجھے اپنے ساتھ لپٹایا اور اب پارسا بنتے ہو۔‘‘ نینا نے کہا اور اپنا چہرہ اسکے چہرے کے بالکل پاس لے گئی۔

’’میرا وہ مطلب تو نہیں تھا جو تم سمجھ رہی ہو۔‘‘ شعیب نے ہنستے ہوئے کہا

’’جھوٹا کہیں کا، بہانے کیوں بناتا ہے، میں خود جب ...... یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ماتھا اس کے ماتھے کے ساتھ لگا دیا۔وہ سمجھ گیا کہ نینا کیا کرنے والی ہے، وہ اپنا چہرہ دائیں بائیں کرتے نیچے سے نکلنے کے لئے زور لگانے لگا۔مگر وہ نینا کے ہاتھوں میں جکڑا گیا تھا۔کچھ دیر بعد زور لگا کر تھک گیا تو نینا نے مسکراتے ہوئے اس کے لبوں پر لب رکھ دیئے۔وہ ایک دم سے تڑپ اٹھا۔نینا بیڈ پر ایک طرف جا گری تو پھولے ہوئے سانسوں سے بولا

’’نہیں، یہ سب نہیں ہو گا نینا، میں......‘‘ لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ نینا اچانک اچھلی اور پھر اس پر جا پڑی، اسے دبوچ کر بولی

’’بھاگ کے دکھا۔‘‘

’’نہیں بھاگ سکتا۔‘‘ وہ بہ مشکل پھولی سانسوں میں کہا تو نینا نے اسے چھوڑ دیا، پھر اسکی حالت دیکھ کر بولی

’’تیرا تو سٹیمنا بالکل نہیں ہے، تم تو مرد ہو؟‘‘

’’میں تیری طرح کسرت نہیں کرتا۔‘‘ وہ بولا

’’تو کیا کرو نا۔‘‘ اس نے ہنستے ہوئے کہا

’’آنے والے دنوں میں جو میں نے پلان کیا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ میں نہ صرف اپنا سٹیمنا بناؤں بلکہ اور بہت کچھ سیکھنا ہے مجھے۔‘‘ شعیب نے سکون سے بیڈ پر ٹیک لگاتے ہوئے کہا

’’وہ پلان کیا ہے، وہ تو بتاؤ نا؟‘‘ اس نے تجسس سے پوچھا

’’تم چند دن میں یہ جاب چھوڑ دو گی۔اس کے بعد تم ایک گھر میں رہو گی، سکون سے، تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں سوائے ایک کام کے؟‘‘ اس نے بتایا

’’وہ ایک کام؟‘‘ اس نے پوچھا

’’مٹھن خان کا خاتمہ، بس۔‘‘ شعیب نے کہا تو نینا کی آنکھوں میں ایک دم سے چمک بڑھ گئی۔

وہ اس بابت بہت سوچا کرتی تھی۔نوکری کی پابندی اسے کچھ بھی نہیں کرنے دیتی تھی۔اس پر وہ کھل کر کسی کو فون بھی نہیں کر سکتی تھی۔تھانے یا کوارٹر میں ہر وقت لوگوں کے درمیان رہنے سے وہ کئی لوگوں سے رابطہ چھوڑ چکی تھی۔وہ یہی سوچتی رہتی تھی کہ اگر اسے آزاد زندگی مل جائے تو وہ کیا کچھ کر سکتی ہے۔ وہ وقت اب آنے والا تھا۔

’’اوکے، میں ایک ہفتے کے اندر نوکری چھوڑ دوں گی۔‘‘ نینا نے ایک دم سے کہا

’’گڈ گرل،‘‘ شعیب نے کہا اور سکون سے لیٹ گیا۔تبھی نینا نے اس کے پہلو میں لیٹتے ہوئے کہا

’’تمہارا کیا خیال ہے، تاجاں کچھ کرے گی مٹھن خان کے خلاف؟‘‘

’’وہ صرف دفاع کر سکتی ہے۔ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ بڑھ کر وار کر سکے۔‘‘ اس نے اپنا خیال بتایا تو نینا نے شرارت سے کہا

''یار دل کرتا ہے کہ مٹھن خان کو چھیڑوں۔''

''تو چھیڑلو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔تب نینا اٹھی،اس نے اپنے پرس میں سے فون نکالا اور کال کرنے کے لئے نمبر پُش کر دیئے۔چند بیل بعد اس نے فون رسیو کرتے ہوئے کہا۔

''ہیلو۔''

''سلامت خان کا تحفہ کیسا لگا؟''

''تم جو بھی ہو،مجھ سے بچ نہیں سکتی ہو،تمہیں جس نے بھی یہاں بھیجا ہے، میں اس سے وہ انتقام لوں گا جسے دنیا یاد رکھے گی۔'' وہ غصے میں یوں بولا جیسے خود پر بڑی مشکل سے قابو پا رہا ہو۔

''تم زندہ بچو گے تو انتقام لوگے،تم نہیں جانتے،تم ہر وقت میرے نشانے پر ہو۔میں جب چاہے،تمہیں مار دوں۔'' نینا نے یوں کہا جیسے اس کا مذاق اُڑا رہی ہو

'بلف کر رہی ہو تو مان لیتا ہوں، ایک بار سامنے آجا،پھر تو بچ نہیں سکتی۔تجھے اور اُسے دونوں کو......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی

''کوئی یونہی کروڑوں نہیں لگا دیتا،میں جانتی ہوں تیرا دوسرا بیٹا لندن سے ادھوری تعلیم چھوڑ کر آ گیا ہے۔اُسے بچا،میں......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹتے ہوئے دھاڑ کر بولا

''اوئے......اپنی زبان کو لگام دو،اگر ہمت ہے تو میرے بیٹے کی طرف انگلی کر کے دیکھو،جو حشر میں تم سب کا کرنے والا ہوں،وہ تم بھی جانتی ہو اور تیرا وہ کتا بھی جس نے بھونکنے کے لئے تجھے چھوڑ دیا ہے۔''

''بھونک میں نہیں رہی،تم بھونک رہے ہو اس وقت۔میں تو کاٹتی ہوں،اور اس طرح کہ بندہ مرجاتا ہے۔گنتی کرو،اتنے قتل اتنے دنوں میں۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی

''بہت جلد میں......'' اس نے کہنا چاہا تو نینا نے پھر اس کی بات کاٹ دی اور بولی

''وہ جو تین کارٹون منگوائے ہیں نا تم نے،وہ میری گرد بھی نہیں پا سکتے،البتہ میں ان کا کام کر دینے والی ہوں۔ ''

''جہاں سے تم آئی ہو،وہیں سے اور بھی آ رہے ہیں،بس چند دن،اب جب بھی تم سامنے آئی،پھر بچ کر نہیں جا سکتی ہو۔'' اس نے کہا تو نینا نے فون بند کر دیا۔تبھی شعیب نے کہا

''یہ تمہیں کسی باہر کے ملک کی سمجھ رہا ہے اور وہ بندہ بھی باہر رہتا ہے،جس نے تمہیں بھیجا ہے۔''

''وہ بھی بلف کرا رہا ہے،یا حقیقت میں ایسا ہی سمجھ رہا ہے،جو بھی ہے،ابھی اسے پتہ نہیں،میں کون ہوں،لیکن میں یہ بتا دوں اس کے بات کرنے کی سنجیدگی سے لگ رہا ہے کہ اسے ایک پل چین کا بھی نہیں ہے۔'' وہ گہرے لہجے میں بولی

''خیر جو بھی ہے،سمجھ لو کہ وہ ایک زخم خوردہ شخص ہے،اور اپنا زخم چاٹ رہا ہے۔وہ بہت بھیانک ہو رہا ہے۔'' اس نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تو نینا کے اندر کہیں دور تک سکون اُتر گیا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح وہ اپنے کوارٹر پر تھی۔آپی فوزیہ کے علاوہ صرف ایک لڑکی وہاں پر تھی،باقی سب اپنے گھروں کو چلی گئی تھیں۔آپی فوزیہ بھی اس وقت کہیں باہر جانے کو تیار ہو رہی تھی۔وہ جا کر اس کے پاس بیٹھی تو پہلے اس نے غور سے نینا کو دیکھا،پھر مسکراتے ہوئے پوچھا

''تم نے تو آج آنا ہی نہیں تھا۔''

''بس آ گئی ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی

’’کیوں، اس سہیلے سے لڑائی ہوگئی ہے کیا؟‘‘ وہ طنزیہ لہجے میں بولی

’’آپی، یقین جانو، وہ کوئی مرد نہیں ہے، میری دوست ہے، ایک بڑے گھر کی ہے۔‘‘ نینا نے یوں کہا جیسے اسے بہت دکھ ہورہا ہے۔اس پر آپی نے چند لمحے اسے دیکھا اور پھر پوچھا

’’تو پھر، کیا......؟‘‘

’’وہ میری شادی کروادینا چاہتی ہے۔اس کا ایک کزن ہے، دوبئ میں ہوتا ہے۔ میری سہیلی کو تو پتہ ہے کہ میں یہاں پولیس میں جاب کرتی ہوں لیکن اس کے کزن کو نہیں۔ اگر اب میں شادی کرتی ہوں تو مجھے جاب چھوڑنا ہوگی۔‘‘

یہ سن کر آپی چند لمحے سوچتی رہی، پھر انتہائی گیرے لہجے میں بولی

’’اگر تمہیں شادی کا آپشن مل رہا ہے، اور وہ بھی دوبئ میں کام کرنے والے کیلئے تو ایک منٹ بھی مت لگاؤ۔ جاب چھوڑو اور شادی کر کے اپنا گھر بسالو۔‘‘

’’اور اگر......‘‘ نینا نے بے چارگی سے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

’’دیکھو، تم حسین ہو، خوبصورت ہو، ہزاروں لڑکیوں میں سے ایک ہو، یہی ایک تیری خوبی ہے، جس پر کوئی بھی فریفتہ ہوسکتا ہے۔اس کے علاوہ تیرے پاس کیا ہے؟ یہی ایک جاب، جسے کوئی پوچھتا نہیں۔ چند برس بعد تیری یہی اکلوتی خوبی بھی ختم ہوجائے گی۔ پھر نہ کوئی تمہیں پوچھے گا اور نہ تیری جاب کو، زیادہ سے زیادہ اے ایس آئی بن جاؤں گی۔‘‘ آپی فوزیہ نے بے چارگی سے کہا

’’آپ بھی تو ہیں، آپ نے شادی کر کے جاب کی۔‘‘ نینا نے کہا

’’میں کوئی غربت کا رونا نہیں روؤں گی اور نہ میں حالات کا دکھڑا سناؤں گی۔ وہ وقت ایسا تھا، نہ میں تمہارے طرح حسین تھی اور نہ ہی میں کوئی مضبوط لڑکی تھی۔ میں کب کی نوکری چھوڑ چکی ہوتی، اگر میں اور میرا خاوند اس قابل ہوتے کہ اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلواسکتے اور اچھی جگی شادیاں کرسکتے، یہی نوکری میری اولاد کے آڑے آرہی ہے۔‘‘ اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا

’’کیوں، نوکری کیوں؟‘‘ نینا نے پوچھا

’’ہم جو مرضی کرلیں، ہمارے معاشرے میں جو عورت کو مقام ہے نا، وہ گھر ہی ہے۔ گھر سے باہر نکل کر جو بھی ہے، اس کی عزت نہیں ہے۔ وہ چاہے کسی جاب میں بھی ہو۔ میرا محکمہ تو پھر پولیس ہے۔‘‘ وہ دکھی لہجے میں بولیں

’’آپ ٹھیک کہتی ہیں آپی۔ یہ معاشرہ ہے ہی منافق، وہ کسی خاتون کو عزت نہیں دے سکتا، اسے گھر کی دہلیز پر روزگار نہیں دے سکتا، اس کی کسی طرح کی کفالت کا ذمہ دار نہیں، تو ایسے معاشرہ عورت کو بے عزت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اسے قسم کی روک ٹوک کا بھی حق نہیں۔‘‘ نینا جذباتی ہوگئی۔ اسے اپنا وقت یاد آ گیا۔

’’لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اسی معاشرے کے ساتھ رہنا ہے۔ بھاگ کر کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ دن بدن پاؤں میں بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔‘‘ آپی بھی دکھی ہوگئی

’’نہ ڈالے بندہ بیڑیاں۔‘‘ نینا بولی

’’نہ ڈالے، لیکن ہم خود ہی اس کے ذمے دار بن جاتے ہیں، سب سے پہلے تحفظ چاہئے ایک عورت کو۔ ورنہ اکیلی عورت مردار کی ہوتی ہے، جس پر لوگ گدھوں طرح آجھپٹنا اپنا حق سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ دوسرا ہمارے اپنے ہی بدن کی پکار ہمیں خود سے اجنبی کردیتی ہے۔ کب تک اس پکار کو نظرانداز کرسکتے ہیں، ایک کمزور لمحہ، صرف ایک کمزور لمحہ ہمیں نجانے کہاں سے کہاں تک لے جاسکتا ہے۔ مرد تو ہمیشہ کنوارا رہتا ہے لیکن، عورت ایک بار ہی کنواری رہتی ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہونا‘‘ آپی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''آپ ٹھیک کہتی ہو، مجھے یہ چانس گنوانا نہیں چاہئے۔'' نینا نے کہا تو وہ تیزی سے بولیں

''بالکل،کبھی بھی نہیں۔''

''ٹھیک ہے، آپ پھر کریں نا بات، میں خاموشی سے یہ نوکری چھوڑ کر چلی جاؤں، پلٹ کر اگر کوئی پوچھے بھی تو میرا پتہ نہ چلے۔'' نینا نے بے چارگی سے کہا

''میں کرتی ہوں بات۔تم چپ چاپ چلی جانا۔'' آپی نے کہا تو اس نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کب تک ہو جائے گا؟''

''آج تو چھٹی ہے،کل پہلا کام ہی یہی ہوگا۔بس ہیڈ کو ایک درخواست دینی ہے، تمہاری کون سی اتنی نوکری ہے، دو سال ہی تو ہوئے ہیں، ایک دو دن بس۔'' آپی نے اسے بتایا

''مطلب، پھر یہی ہوگا کہ میں خاموشی کے ساتھ اپنی دنیا میں چلی جاؤں گی؟'' نینا نے پر جوش لہجے میں پوچھا

''ہاں ہاں، مشکل تو تب ہوگی نا کہ اگر تم نے کوئی جرم کوئی ہو، تمہارا تو کیس ہی نہیں، ایک سادہ درخواست اور پھر کلیئرنس، بات ختم، اس کے بعد جو مرضی کرنا۔'' آپی نے کہا تو ایک دم سے خوش ہوگئی۔

''اچھا چل مجھے آج بازار جانا ہے، آ کے باتیں کرتی ہوں۔'' آپی نے اٹھتے ہوئے کہا تو بھی اٹھ کر اپنے بستر پر آ گئی۔اس کے دماغ سے آپی کی باتیں نہیں نکل رہی تھیں۔اسے یہ اچھی طرح احساس تھا کہ وہ اس وقت بہت مجبور عورت ہے۔اس نے من ہی من میں فیصلہ کر لیا کہ اگر اسے موقعہ ملا تو وہ ضرور اس کی مدد کرے گی۔وہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔یہی سوچتے ہوئے نجانے کب سوگئی۔اُس کی آنکھ جب کھلی تو کوارٹر میں شام اتر آئی تھی۔

اگلی صبح وہ اپنی درخواست لے کر ہیڈ آفیسر کے پاس چلی گئی۔اس نے سلیوٹ مارا اور اپنی درخواست میز پر رکھ دی۔ہیڈ نے بڑے غور سے پڑھا، چند لمحے سوچتا رہا، پھر اس سے چند عام سے سوال پوچھ کر اس کی درخواست پر دستخط کر دیئے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ نوکری سے چلی جائے گی۔

''پولیس میں ہوتا ہے، لڑکیاں آتی کم اور جاتی زیادہ ہے، یہ کوئی اتنی انہونی بات نہیں ہے۔اب بس تو لائین میں متعلقہ آفیسر سے کلیئرنس لے اور ختم۔'' آپی نے کہا تو وہ بجائے تھانے کے لائین میں چلی گئی۔شام تک اس نے کوارٹر سے اپنا بوریا بستر اٹھا لیا تھا۔اس نے کوارٹر میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی تھی، جس سے اس کے بارے میں کوئی پتہ چلے۔ وہ جب وہاں سے چلی تو آپی رو پڑی تھی۔وہ بھی بھاری دل سے چل پڑی۔

اس وقت دن غروب ہو چکا تھا، جب وہ اپنا سامان لئے اپنے گاؤں چلی گئی۔اگرچہ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔اس کے بھائی گھر بار بیچ کر نجانے کہاں چلے گئے تھے۔اس نے وہ سارا سامان گاؤں کی ایک غریب عورت کو دے دیا۔چند گھنٹے وہاں اس کے پاس رہی۔اور پھر جیسے ہی شعیب کی کال آئی وہ گاؤں سے نکل پڑی۔وہ سڑک پر آئی تو چند لمحے بعد شعیب کی کار اس تک آن پہنچی، وہ اس میں بیٹھی تو اس نے کار بڑھا دی۔

''کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' شعیب نے پوچھا تو وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بڑے ہی جذباتی لہجے میں بولی

''یوں لگتا ہے جیسے میں اپنی ساری اُترن یہاں پھینک دی ہے، یا پھر اپنا خالص پن یہاں چھوڑ کر جا رہی ہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''اوہ۔!تو اس وقت تم جذباتی ہو رہی ہو۔'' شعیب نے سنجیدگی سے کہا

''ہاں، میں اس وقت اپنے آپ میں نہیں ہوں۔''

''او کے، تم آج سو جاؤ، کل باتیں کریں گے۔'' وہ گہرے لہجے میں بولا

’’کہاں سونا ہے، کوئی جگہ ہے تمہارے پاس، دیکھو ، میں کیا ہوں، ایسی عورت، جس کے پاس اپنے رہنے کو بھی گھر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ سونے کو بھی جگہ نہیں ہے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔ اس پر شعیب خاموش رہا۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ بھی خاموش ہو گئی۔ یہاں تک کہ شہر کے شمالی علاقے میں ایک نئی پوش کالونی میں موجود بنگلے کے آگے کار روک دی۔ ہارن بجتے ہی گیٹ کھل گیا۔ وہ کار لئے پورچ میں چلا گیا۔ کار سے اتر کر خود داخلی دروازہ کھولا اور اسے اندر آجانے کا اشارہ کیا۔ وہ اتر کر اندر چلی گئی۔

ایک بڑا سا ر الاؤنج تھا۔ جو بیش قیمت اشیاء سے سجا ہوا تھا۔ وہ یہی دیکھ رہی تھی کہ شعیب نے دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہلکے سے کہا

’’یہ سب تمہارا ہے۔ آؤ، بیڈ روم دکھاؤں۔‘‘ نینا اس پر خاموش رہی، اس کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ اوپر کی منزل میں ایک کمرہ کھول کر اسے اندر لے گیا۔ کمرے میں ہر طرح کی جدید سہولیات تھیں۔ ’’نینا! یہ تمہارا بیڈ روم ہے، وارڈ روب دیکھو، شاور لو اور تیار ہو کر نیچے آجاؤ، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔‘‘

’’میں بہت ڈسٹرب ہوں شعیب، آج......‘‘

’’جیسے کہہ رہا ہوں، ویسا کرو، پلیز۔‘‘ اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد جب وہ تیار ہو کر نیچے گئی تو سادہ سا حسن سیدھے شعیب کے دل میں اُتر گیا۔ وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ شعیب نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ اسے لا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ تبھی اس نے آواز دی۔

’’باغ علی۔‘‘ اس کی آواز کی بازگشت میں ایک ادھیڑ عمر مضبوط بدن والا شخص نمودار ہوا تو اس نے کہا، ’’یہ جو میرے ساتھ بیٹھی ہیں، میری بیوی ہیں، میں نے ان سے شادی بابا سے چھپ کر کی ہے، جیسے ہی میں نے سمجھا کہ انہیں بتا دوں تب ہی یہ راز کھلے گا۔ یہ راز یہاں سے نکلنا نہیں چاہئے۔‘‘

’’نہیں نکلے گا۔‘‘ باغ علی نے سر ہلاتے ہوئے کہا

’’یہ مجھے، خود سے بھی زیادہ پیاری ہیں، مزید تم سمجھ دار ہو۔‘‘ شعیب نے کہا تو وہ بولا

’’سمجھ گیا۔‘‘

’’اب ڈنر۔‘‘ شعیب نے کہا تو باغ پلٹ گیا۔ نینا کو یہ سب اچھا لگا تھا۔ وہ جو اداسی اس پر طاری ہو گئی تھی، ایک دم ہی سے ختم ہو گئی۔ تبھی باغ علی کے جاتے ہی نینا نے اپنی بانہیں شعیب کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا

’’واہ! کیا بات ہے تمہاری، خود ہی پھنس گئے ہو میرے جال میں، جب چاہوں تجھے پیار کر سکتی ہوں۔‘‘

’’زیادہ نہیں پھیلنا، سمجھی تم ٹھرکی کہیں کی۔‘‘ اس نے آرام سے اس کی بانہیں اپنے گلے سے نکال دیں۔

’’دیکھ لو؟‘‘ نینا نے مسکراتے ہوئے دھمکی دی۔

’’دیکھ لیا۔ اب سنو، ہم چند دن یہاں رہیں گے۔ صرف اتنے دن جتنے دن میں تمہارا پاسپورٹ نہیں بن جاتا، اور دوبئی کا ویزا نہیں لگ جاتا۔ کم از کم دو ماہ وہیں دوبئی میں گذاریں گے، اس وقت تک یہاں معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا، ہمیں بھی کچھ سوچنے کا موقع مل جائے گا اور مٹھن خان نے جو بھی کچھ کیا ہو گا ’’گولی‘‘ کو پکڑنے کے لئے اس کا بھی پتہ چل جائے گا۔‘‘ اس نے تفصیل سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

’’مگر میرا خیال ہے کہ ہم اتنی جلدی یہاں سے نکل نہیں پائیں گے۔‘‘ نینا نے سنجیدگی سے کہا

’’وہ کیوں؟‘‘ شعیب نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے پوچھا

’’میرا اچانک نوکری چھوڑ دینا، یہاں سے جانا غائب ہونا، یہ سب انہیں سمجھا دے گا، جس دن بھی انہیں میرے بارے شک ہوا، میرا ماضی سامنے آجائے گا اور پھر انہیں ساری بات سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔‘‘ نینا نے وہ نکتہ بتایا، جو اس کی کمزوری تھی۔

''تو کیا تم ان کے سامنے رہنا چاہتی ہو؟''سعیب نے پوچھا تو وہ بولی

''نہیں، اس طرح تو انہیں میرے بارے میں جاننے کا موقع مل جائے گا، میرا مطلب یہ ہے کہ کام ادھورا نہیں رہنا چاہئے، یہاں رہیں گے، چاہیں چھپ کر رہیں، ان کے بارے میں پتہ چلتا رہے گا۔ جہاں بھی ان پر وار کرنے کا موقع ملا، کر دیں گے، اسے سکون نہیں ملنا چاہئے۔''وہ کہہ رہی تھی تو اس کے لہجے میں نفرت عود کر آئی تھی۔

''دیکھو نینا۔! ہم صرف دو ہیں، اور وہ لاؤ لشکر رکھتا ہے، دولت ہیں وسائل ہیں، یہ تم جانتی ہو۔ جس طرح تم سوچ رہی ہو، یہ پوری ایک گینگ کا کام ہے۔ اور......''وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے شدت سے کہا

''مگر ہم نے دو ہوتے ہوئے بھی ان کے کتنے بندے پھڑکا دیئے ہیں۔''

''یاد رکھو، کسی چور یا ڈاکو کو صرف یہ فوقیت ہوتی ہے کہ وہ ارادہ کر کے آتا ہے، سوچ کے وار کرتا ہے۔ جس کے ہاں چوری یا ڈاکا پڑنے والا ہو، وہ بے خبر ہوتا ہے۔ وار ہو جائے یا نہ ہو، لیکن یہ ارادے اور بے خبری کا کھیل ہے۔ اب تک جو بھی ہوا، وہ ان کی بے خبری تھی، چاہئے وہ کسی صورت میں بھی تھی۔ اب وہ محتاط ہی نہیں ہوشیار بھی ہیں۔ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پوری انفارمیشن کے ساتھ کریں، جو بھی کرنا ہے۔ ورنہ اب تو وہ گھات لگا کر بیٹھے ہیں۔''شعیب نے سمجھایا

''تمہارا کیا مطلب ہے، پہلے ایک گینگ بنائیں، انکے مقابلے کا، ارے میرے مُنّے، یہ بناتے تو ہم بوڑھے ہو جائیں گے، کچھ اور سوچنا ہو گا۔''نینا نے اس کی بات سمجھتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا۔ وہ یہ سمجھ گئی تھی کہ شعیب جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ ٹھیک ہے۔

''وہ سوچ لیتے ہیں۔''وہ بولا

''میں یہ بات سمجھتی ہوں کہ اُن کے درمیان جو بھی لوگ ہیں، جن سے انفارمیشن مل سکتی ہے۔ انہیں زیادہ مضبوط کیا جائے، جب تک ان کے اندر کوئی بندہ پیدا نہیں ہو گا، تب تک ہم وہ کچھ نہیں کر سکتے جو ہمیں کرنا ہے۔''نینا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو انہیں باغ علی آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ قریب آ کر بولا

''جناب۔! ڈنر لگ گیا ہے۔''

''ہم آ رہے ہیں۔''شعیب نے جواب دیا۔ وہ پلٹ کر چلا گیا تو یہ دونوں اٹھ گئے۔

☆......☆......☆

صبح کا اُجالا پھیل چکا تھا۔ نینا جب بیدار ہوئی تو ابھی ملجگا اندھیرا تھا۔ وہ فریش ہو کر آئی تو اس کی نگاہ وارڈروب پر پڑی۔ جہاں رات شعیب نے اسے سنہرے رنگ کا ورام اپ سوٹ دکھایا تھا۔ وہ اس طرف بڑھی۔ اس نے وہ سوٹ اٹھا اور واپس واش روم میں پلٹ گئی۔ واپس آئی تو اس کے گلابی بدن پر وہ سنہرا سوٹ یوں لگ رہا تھا، جیسے کسی مجسمے پر پینٹ کیا گیا ہو۔ اس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ پہلی بار خود کو کسی اجنبی کی نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے آئینے میں کوئی دوسرا کھڑا ہے۔ وہ اپنے بدن کے خدوخال دیکھنے لگی، اسے احساس ہوا کہ اس کا بدن تراشیدہ ہے۔ اگر وہ اسے مزید تراش لے تو قیامت برپا کر سکتی ہے۔ وہ زیر لب مسکرا دی۔ بہت عرصے بعد اسے ایکسائیز کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے بعد کے سارے اعضاء کی ورزش کے بعد خود میں نئی توانائی محسوس کرنے لگی۔ اس وقت دھوپ ہر طرف پھیل چکی تھی، جب وہ ناشتے کی میز پر تھی۔ اس نے ایک بہترین تراش کا ہلکے کاسنی رنگ کا شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ شعیب رات چلا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک جاگتی رہی تھی۔ اس نے اپنے ذاتی سیل فون سے سم نکال کر ایک جانب رکھ دی اور جو دوسری سمیں تھیں، وہ ایک ایک کر کے فون میں لگاتی رہی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی اس دنیا کو پھر سے آباد کر لے گی۔

وہ اس رات اپنی اس دنیا میں چلی گئی، جہاں ایک نیا جہان آباد تھا۔ کہنے کو وہ صرف آوازیں ہی تھیں، لیکن وہاں ایک سے ایک کمینہ پڑا

تھا۔اس کے ذہن میں ایک لڑکی تھی۔جس کا نام اس کے ذہن سے تو نکل گیا تھا،مگر وہ اسے یاد تھی۔کچھ دیر کوشش کے بعد اس کا جیسے ہی نام پتہ چلا،وہ اس کی تلاش میں لگ گئی۔کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ لائین پر تھی۔

اس لڑکی کا نام اصل میں کیا تھا،نہ اس نے بتایا اور نہ کسی کو پتہ تھی،مگر وہ اپنے حلقے میں بلیو کیٹ کے نام سے جانی جاتی تھی۔کوئی بندہ بھی یہ دعوی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس کے بارے میں پوری طرح جانتا ہے۔وہ جس کسی کے ساتھ بات کرتی،اسے بتا دیتی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔دنیا کی کسی جدید سے جدید شے کی معلومات لینی ہو تو اس سے لی جا سکتی تھی۔جنسی گفتگو سے لے کر جرم تک بات کرتی تھی۔اس کی بری عادت یہ تھی کہ وہ بولتی بہت گندہ تھی۔

''بہت عرصے بعد کال کی ہے،لگتا ہے کوئی کام آ پڑا ہے لونڈی کو،بول کیا کہتی ہے۔''بلیو کیٹ نے عام سے انداز میں کہا تو وہ بولی

''کوئی بات نہیں یار،بس دل سے دل اچاٹ ہو گیا۔''

اسی سے ان دونوں کی بات چلی تو پھیلتی چلی گئی۔یہاں تک کہ رات گہری ہو گئی۔ان کے درمیان دوبارہ رابطہ بحال ہو گیا تھا۔اس نے واپس اپنی سم نہیں ڈالی اور سو گئی تھی۔

شعیب سے رابطہ ہمیشہ سے اس کے دیئے ہوئے فون پر ہوتا تھا۔اس نے صبح بتا دیا تھا کہ وہ دوپہر سے پہلے ہی آ جائے گا۔وہ ناشتہ کر کے واپس بیڈ روم میں آ گئی۔وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔وہ ٹی وی آن کرنے کا سوچ رہی تھی کہ اس کی نگاہ،سرہانے پڑے فون پر پڑی۔اس نے بڑھ کر فون اٹھایا۔پرانی دونوں سموں کو فون ہی میں رکھ کر اپنی والی سم لگائی۔جیسے ہی اس نے فون دوبارہ آن کیا تو اس کے ساتھ ہی کئی سارے پیغام آ گئے۔اس نے وہ کھولے تو سارے کے سارے آپی فوزیہ کی طرف سے تھے۔ان سب میں یہی تھا کہ جب بھی فون آن کرے تو اسے فون کر لے۔

''کچھ نہ کچھ ضرور ہو گیا ہے۔''وہ بڑبڑاتے ہوئے کال ملانے لگی۔ایک منٹ سے بھی کم وقت میں رابطہ ہو گیا۔جیسے ہی اس کی کال ملی،آپی نے تیزی سے پوچھا

''کدھر ہو تم؟''

''میں گاؤں میں ہوں،کیا ہوا آپی،اتنے میسج؟''اس نے بے تابی سے پوچھا

''نینا،تم کون ہو؟کہیں تم نے کوئی جرم تو نہیں کیا۔مطلب کوئی جرائم پیشہ.....''اس نے تیزی سے پوچھا تو وہ بولی

''آپی یہ آپ کیا کہہ رہی ہو،میں نے کیا جرم کیا؟ڈیوٹی کی ہے جتنی بھی ہو سکی،اب اسے اگر جرم سمجھا جائے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔پر ہوا کیا،کچھ بتائیں گی بھی؟''

''کل شام سے تمہارے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔سمجھو تفتیش چل رہی ہے۔پتہ نہیں یہ کب سے چل رہی تھی لیکن کل اس وقت یہ پتہ چلا جب تمہارے بارے میں سنا گیا کہ تم نوکری چھوڑ گئی ہو۔رات مجھے انسپکٹر نے مجھے بلایا تھا اور تمہارے بارے میں پتہ کرتا رہا،بے شمار سوال کئے۔اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ تم کسی خطرناک گروہ سے تھی اور......''وہ تیزی سے کہتی چلی جا رہی تھی،جبکہ نینا سمجھ گئی کہ بات کیا ہو سکتی ہے۔جو اس کا شک تھا،وہی بات ہو گئی۔اس کا دماغ اسی رفتار سے چلنے لگا۔جبکہ وہ کہتی چلی جا رہی تھی،''پھر تمہارا فون بند تھا۔دوسرا وہ مٹھن خان نے جو باہر سے تفتیشی بلائے ہیں،وہ بھی وہیں تھے۔انہوں نے بھی تمہارے بارے میں بہت کچھ پوچھا۔''اس نے تیزی سے بتایا

'' کون سا گروہ،انہیں کوئی وہم ہو گیا ہے۔یہ تو اچھا نہیں ہوا آپی،میں نے ایسا کیا کر دیا؟''اس نے جان بوجھ کر بے چارگی سے کہا

''انسپکٹر نے مجھے کہا کہ تم سے رابطہ کروں اور تمہیں تھانے بلاؤں،اگر تم معصوم ہوئی تو آ جاؤ گی،ورنہ نہیں۔''وہ اپنی رُو میں کہتی چلی گئی۔تب

اس نے ایک دم سے کہا

’’میں آجاتی ہوں تھانے، میں نے کون سا جرم کیا ہے۔‘‘

’’نہیں نہیں، مت آنا، وہ تجھے بہت ذلیل کریں گے۔انہیں کوئی بندہ نہیں مل رہا جس پر یہ ڈال دیں قتل۔‘‘ وہ ڈرے ہوئے لہجے میں بولی

’’جب میں نے قتل کیا ہی نہیں۔‘‘ اس نے کہا تو آپی بولی

’’اچھا سن میں تجھے بتاتی ہوں، انہوں نے رات کیا کیا باتیں کیں ہیں، تم خود سمجھ جاؤ گی کہ اصل میں بات کیا ہے۔‘‘

جیسے ہی اس نے یہ کہا، نینا کے دماغ میں ایک دم سے یہ بات آگئی کہ آپی فوزیہ تو وہ ہے جو زیادہ لمبی بات نہیں کرتی، یہ تفصیل کیوں سنانے بیٹھ گئی ہے۔اگلی ہی لمحے وہ سمجھ گئی کہ اسے ٹریپ کیا جا رہا ہے۔تبھی اس نے کہا

’’آپ تھانے ہی میں ہونا، میں ابھی آدھے گھنٹے میں ادھر پہنچ جاتی ہوں۔وہیں باتیں ہوں گی۔‘‘

’’اچھا رک بات سن، میں آجاتی ہوں، تم خدا کے لئے یہاں نہ آنا۔‘‘ اس نے کہا تو نینا نے تحمل سے کہا

’’آپی فکر مت کر، میں آرہی ہوں، چل پہلے کوارٹر میں آتی ہوں، وہیں بات کرتے ہیں، خدا حافظ۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے کچھ بھی سنے بغیر فون بند کر دیا۔

وہ اپنے فون کی طرف دیکھنے لگی تھی۔یہی فون اس کا پھندا بن جانے والے تھا۔فون پر خواہ مخواہ کی لمبی بات سے اس نے جو اندازہ لگایا تھا، وہ ٹھیک لگ رہا تھا۔وہ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔وہ انسپکٹر کی کال تھی۔اس نے فون رسیو کر لیا، لیکن باہر کی جانب چلتی چلی گئی۔

’’جی سر۔‘‘ وہ مودبانہ لہجے میں بولی

’’اوئے تو نے بتایا ہی نہیں اور ایویں سکّی بھاگ گئی او، تو نے نوکری چھوڑ دی؟‘‘ انسپکٹر نے یوں بے تکلفانہ انداز میں کہا جیسے وہ اس کے بارے میں عام سی بات کر رہا ہو۔

’’بس سر، چھوڑ دی۔‘‘ اس نے منمناتے ہوئے کہا

’’اوئے ایسے کیسے چھوڑ دی، تیری پارٹی وارٹی کرتے، تجھے عزت احترام سے رخصت کرتے۔‘‘ اس نے کہا

’’بس سر۔‘‘ وہ پھر منمنائی اور باہر والا داخلی دروازہ پار کر کے پورچ میں آگئی۔وہاں پر موجود لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔اس سے کچھ فاصلے پر باغ علی بھی یوں دیکھ رہا تھا، جیسے اسے سمجھ نہ آرہی ہو۔جبکہ نینا اسے گاڑی نکالنے کا اشارہ کر رہی تھی۔وہ اشارہ سمجھ گیا۔وہ تیزی سے ادھر بڑھ گیا۔

’’اچھا یہ بتاؤ، کیوں چھوڑی یہ ملازمت؟‘‘ انسپکٹر نے کہا تو وہ سمجھ گئی کہ وہ بات کو طول دینا چاہتا ہے۔تبھی اُس نے کہا

’’سر جی، میں ایک گھنٹے تک تھانے ہی آرہی ہوں، آپی فوزیہ کو مجھ سے کوئی کام ہے۔وہیں آکر ساری باتیں کرتی ہوں۔‘‘ اس نے بے چارگی سے کہا

’’ٹھیک ہے، آجاؤ، ہم تیرے لئے پارٹی کا بندوبست کرتے ہیں۔‘‘ انسپکٹر نے کہا

’’اوکے سر آرہی ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

اس وقت تک کار اس کے پاس پورچ میں آچکی تھی۔اس نے بیٹھتے ہی ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔

اس کا خیال تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ اس سیل فون سے نجات حاصل کر لے۔اس نے بیٹھتے ہی سم نکالی اور فون ڈیڈ کر دیا۔اتنے میں گاڑی گیٹ سے باہر جا چکی تھی۔

’’میڈم کدھر جانا ہے۔‘‘ ڈرائیور نے پوچھا

''مارکیٹ۔'' اس نے کہا تو ڈرائیور نے گاڑی دائیں جانب موڑ کر تیز کرتا چلا گیا۔ اگلے ہی موڑ پر مڑتے ہی وہ دھک سے رہ گئی۔

باقی آئندہ ان شاء اللہ

اس کے سامنے کا منظر وحشت ناک تھا۔ سامنے چوراہے پر دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ایک فور وہیل میں چند لوگ تھے، اور دوسری طرف کار کھڑی تھی، جس میں سے وہ تینوں تفتیشی باہر نکل کر کھڑے تھے۔ انہوں نے سیاہ سوٹ پہنے ہوئے تھے، آنکھوں پر چشمہ لگائے وہ تینوں مختلف سمتوں کی جانب منہ کئے کھڑے تھے۔ نینا ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ گئی کہ وہ لوگ جان گئے ہیں کہ ''گولی'' کہاں ہو سکتی ہے؟ ایسا کیسے ہو گیا؟ بلاشبہ وہ اپنے اسی فون سے پکڑی گئی تھی۔ ان لوگوں کو اس کی لوکیشن کا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس علاقے میں ہے، لیکن کہاں پر ہے؟ یہ ابھی انہیں پتہ نہیں چلا تھا۔ وہ اسی تلاش میں تھے۔ چونکہ اس نے فون بند کر کے سم نکال دی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے انہیں پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ اب تک وہ اس پر ہاتھ ڈال چکے ہوتے۔ ان کے ساتھ پولیس پوری طرح مل گئی ہوئی تھی؟ وہ اب تک چھپی رہی تھی، اسے تلاش کیسے کیا گیا؟ یہ ابھی تک اس کے لئے معمہ تھا۔ مگر یہ وقت معمے حل کرنے کا نہیں، بلکہ ان سے بچ کر نکل جانے کا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ کار ان کے نزدیک ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے اپنا آنچل تھوڑا بڑھا لیا مگر چہرہ پوری طرح نہیں چھپایا۔ ممکن تھا کہ اس طرح انہیں شک ہو جاتا۔ کار بالکل ان کے نزدیک پہنچ گئی، اس نے اپنا سر ذرا سا جھکا لیا۔ ڈرائیور کو کسی بھی صورت حال کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اِس لئے وہ بڑے اطمینان سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے دائیں جانب مڑ گیا۔ وہ سیدھا مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا، جو وہاں سے آدھا کلومیٹر سے بھی کم فاصلے پر تھی۔ وہ ان کے قریب سے گذر کر آگے چلی گئی تھی۔ تبھی اس نے اپنا فون نکالا اور تیزی سے پیغام لکھ کر شعیب کو بھیج دیا۔

جس وقت وہ مارکیٹ پہنچی اس وقت تک شعیب کا فون آ گیا۔ اس نے کار سے اُتر کر فون رسیو کر لیا۔ اس نے کم سے کم لفظوں میں اسے ساری بات بتا دی۔ شعیب نے ساری بات سن کر تیزی سے کہا

''میں ادھر ہی آ رہا ہوں۔ تم وہیں مارکیٹ میں ٹھہرو، میں ابھی وہیں پہنچتا ہوں۔''

''لیکن تم یہاں آ کر کیا کرو گے۔ میں تو یہاں سے نکل رہی ہوں۔ میں کہیں......'' اس نے کہا تو وہ بولا

''تم وہیں ٹھہرو، بلکہ کسی بھی شاپ میں چلی جاؤ۔''

''اوکے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس وقت تک وہ شاپنگ سنٹر میں چلی گئی تھی۔ وہ ایک گارمنٹس کی دوکان تھی۔ نینا مختلف لباس دیکھنے لگی، مگر اس کا دھیان دوکان میں شیشے کے پار تھا، جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔ وہ دیکھنا یہ چاہتی تھی کہ وہ صرف سم کو ٹریس کرتے ہوئے اس تک پہنچے تھے یا ان کے پاس کوئی ایسا آلہ بھی ہے جو اس کے خالی فون کو بھی ٹریس کر سکتا ہے۔ لیکن ابھی تک وہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ وقتی طور پر خطرہ ٹل گیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد شعیب کا فون آ گیا۔ وہ اسے باہر بلا رہا تھا۔ وہ باہر نکل کر شعیب کی کار میں جا بیٹھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کار بڑھا دی۔

''فون کہاں ہے؟'' سڑک پر کار سیدھی کرتے ہوئے شعیب نے پوچھا

''میرے پاس ہے، پرس میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اُوشکر ہے، مجھے لگا شاید تم نے اسے کہیں پھینک نہ دیا ہو۔'' اس نے اطمینان سے کہا

''کیوں، اُسے تو پھینک دینا چاہئے تھا، مجھے موقع نہیں ملا ورنہ میں نے تو اس سے جان چھڑا لینا تھی۔'' نینا نے کہا

''یہ بہت کام آئے گا۔'' شعیب نے کہا

''وہ کیسے؟'' نینا نے تجسس سے پوچھا

''یاد ہے تمہیں، جب پہلی بار مٹھن خان کے لوگوں سے آمنا سامنا ہوا تھا، اور اس وقت ایک فون ہمارے ہاتھ لگا تھا اور میں نے ہی تمہیں وہ

فون پھینک دینے کو کہا تھا۔‘‘اس نے تفصیل سے بتایا

’’ہاں مجھے یاد ہے۔‘‘وہ سوچتے ہوئے بولی

’’اس کے بعد میں نے ایسے ہی کسی فون سے کام لینے کا سوچا اور اس پر تجربات کئے ہیں۔میرا تجربہ کامیاب رہا ہے۔اب دیکھنا ٹھیک دو گھنٹے بعد یہ فون وہی لوکیشن بتائے گا،جو ہم دکھانا چاہیں گے۔‘‘ شعیب نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے انتہائی حیرت سے پوچھا

’’کیا ایسا ہو جائے گا؟‘‘

’’تم دیکھنا۔‘‘وہ مسکراتے ہوئے بولا

’’ اب ہم جا کہاں رہے ہیں؟‘‘نینا نے پوچھا

’’ہم اپنے فارم ہاؤس جا رہے ہیں،جہاں باغ علی پہنچ چکا ہے ہماری خدمت کے لئے،وہاں کے سارے ملازم بابا نے حویلی واپس بلا لئے ہیں۔‘‘اس نے پھر تفصیل سے بتایا

’’لیکن میرے دماغ میں کچھ اور آ رہا ہے،پہلے مجھے یہ بتاؤ،وہ لوکیشن والی جو بات کہی تھی،وہ فون اس وقت تیرے پاس ہے ادھر؟‘‘نینا نے پوچھا

’’نہیں،ادھر فارم ہاؤس کی لیب میں پڑا ہے،میں تجربہ وہیں کرتا رہا ہوں،اب میں نے سوچا تھا دو چار مزید بنالوں۔‘‘شعیب نے بتایا تو اس کا چہرہ لٹک گیا،پھر چند لمحوں بعد وہ بولی

’’اچھا چل،فارم ہاؤس چل،بتاتی ہوں کیا کرنا ہے۔‘‘

شعیب نے سر ہلایا اور کار بھگا دی۔

☆......☆......☆

نینا کے ہاتھ میں پرانا فون تھا۔اس نے تاجاں کے نمبر ملائے اور رابطے کا انتظار کرنے لگی۔چند لمحوں بعد تاجاں بولی

’’ہیلو،کون اے؟‘‘

’’میں ہوں،گولی۔‘‘اس نے بالکل ہی بدلی ہوئی آواز میں کہا تو تاجاں نے ایک دم سے خوشی میں کہا

’’اوئے جی صدقے،میں واری،سچی تینوں بڑا یاد کر دی پئی ہاسو۔‘‘(اوئے جی صدقے،میں واری جاؤں۔سچ میں تجھے بہت یاد کرتی رہی تھی۔)وہ بے تابی سے بولی تو نینا نے گہری سنجیدگی سے کہا

’’میں تجھے شاید اب بھی فون نہ کرتی،لیکن تجھے اطلاع دینا بہت ضروری تھا۔‘‘

’’اوہ کہئی؟‘‘(وہ کون سی؟)اس نے تجسس سے پوچھا

’’سنو!مٹھن خان اب پولیس کے ذریعے تجھے پکڑنے کا طے کر چکا ہے۔وہ سلامت خان کا قتل تجھ پر ڈال رہا ہے۔اس لئے اس کے بندے اور پولیس تجھے پکڑنے آ رہے ہیں، اپنا بندوبست کر لے۔‘‘اس نے یوں کہا جیسے اسے یہ بتاتے ہوئے بڑا دکھ ہو رہا ہو۔

’’کھبر پکی تے ہے نا؟‘‘(خبر پکی تو ہے نا؟)تاجاں نے پوچھا

’’اگر خبر سن کر تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے،یا تم ڈر گئی ہو،تو فکر مت کرنا،میں وہیں ہوں گی۔‘‘گولی نے غصے میں بھرے ہوئے لہجے سے کہا تو تاجاں بولی

’’تینوں قسم اے تیرے پیر فقیر دی،تو نہ آویں،میں آپ ای اُونا نوں......‘‘(تمہیں قسم ہے تمہارے پیر کی تم نے نہیں آنا،میں خود ہی انہیں......)

’’نہیں تاجاں۔میں ہوں گی وہاں،لیکن دکھائی نہیں دوں گی،ورنہ ان کا قتل بھی تم پر پڑ جائے گا۔فکر نہ کر حوصلے سے ان کا سامنا کرنا،باقی میں دیکھ لیتی ہوں۔‘‘اس نے تاجاں کو غصہ دلاتے ہوئے کہا تو وہ جوش سے بولی

’’توں بھانویں آ،یا مُڈھوں نہ آ۔میں و یکھ لیئساں۔‘‘(تم آؤ یا چاہے نہ آؤ،میں انہیں دیکھ لوں گی)۔

’’چل پھر ملتے ہیں۔‘‘اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔اس نے وہ فون رکھا اور وہ نیا فون لے لیا جس پر شعیب نے لوکیشن سیٹ کر دی تھی۔وہ فون کرنے لگی تو ایک دم سے رک گئی۔شعیب کی طرف دیکھ کر بولی

’’یار میں رسک نہیں لینا چاہتی،ہم یہاں سے نکلتے ہیں،دیکھا جائے گا،جو ہوگا،باہر نکل کر فون کرتے ہیں۔‘‘

’’ہم زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے تک تاجاں کے گاؤں کے پاس ہوں گے۔وہ جتنی بھی جلدی نکلیں گے،ہم سے پہلے نہیں پہنچ سکتے۔‘‘ شعیب نے اسے سمجھایا

’’کوئی بات نہیں اگر پہلے پہنچ جائیں گے تو،یہ رسک تو نہیں ہوگا نا کہ اگر فون درست لوکیشن نہ بتا سکا تو یہ جگہ ٹریس نہیں ہوگی،تم چلو۔‘‘ نینا اضراری انداز میں اٹھ گئی۔تبھی اس کے ساتھ شعیب اٹھتے ہوئے بولا۔

’’ٹھیک،تمہیں یقین نہیں،کچھ دیر بعد ہو جائے گا۔‘‘

’’اچھا،تم کار نکالو،میں ایک فون کر کے آتی ہوں۔‘‘

’’اوکے۔‘‘شعیب نے کہا اور باہر چل دیا۔اسی دوران نینا نے اپنا فون نکالا اور بی بی صاحب سے رابطہ کیا۔اس نے موجودہ صورت حال بتائی۔اپنا پلان بتایا،جس پر بی بی صاحب نے اس سے کہا

’’تم جو بھی کرو،ٹھیک کرو گی۔تمہارا پلان ٹھیک ہے۔چونکہ اس میں رسک زیادہ ہے،اس لئے میں تمہارے ساتھ ہوں۔میری نگاہیں تمہیں دیکھتی رہیں گی۔‘‘

’’ٹھیک ہے،میں نکل رہی ہوں۔‘‘اس نے کہا اور فون بند کرتے ہوئے پورچ میں آگئی۔شعیب کار کے پاس کھڑا اس کا منتظر تھا۔وہ دونوں اس میں بیٹھ کر چل دیئے۔

وہ تاجاں کے گاؤں بستی فضل داد کی جانب چل پڑے تھے۔کم از کم دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نینا نے آپی فوزیہ کا نمبر ملا دیا۔چند لمحوں ہی میں اس کی کال رسیو کر لی گئی۔

’’کہاں ہو تم،ابھی تک پہنچی نہیں ہو؟‘‘آپی نے بے تابی سے پوچھا تو سہمے ہوئے لہجے میں بولی

’’آپی......میں اغوا ہو گئی ہوں۔‘‘

’’کیا؟‘‘دوسری طرف حیرت سے کہا گیا۔

’’میں گاؤں سے سڑک پر آئی،تو ایک کار میں چند لوگوں نے مجھے اٹھا لیا،اب پتہ نہیں یہ کون سی جگہ ہے۔کہتے ہیں تجھے مار دیں گے۔‘‘وہ روہانسا ہو کر یوں بولی جیسے رونے لگی ہے۔

’’تم حوصلہ رکھو،میں کرتی ہوں کچھ۔‘‘آپی نے تیزی سے کہا تو وہ ڈرے ہوئے انداز میں بولی

’’آپی،جو کرنا ہے جلدی کرنا۔‘‘

’’کوئی اندازہ ہے کہاں ہو تم؟‘‘اس نے پوچھا

’’وہ نام تو تاجاں کا لے رہے ہیں،اب پتہ نہیں۔‘‘اس نے مزید سہمے لہجے میں کہا

’’تیری تلاشی نہیں لی انہوں نے،کوئی ہتھیار ہے تیرے پاس؟‘‘آپی نے پوچھا

''آپی میں تو آپ کے پاس آ رہی تھی، اب میرے پاس ہتھیار کہاں ہوتا ہے۔ مجھے کیا پتہ کیا ہونے لگا ہے، انہوں نے مجھے یہاں لا پھینکا ہے، اب پتہ نہیں کیا کرتے ہیں، فون میرے سینے......'' یہ کہتے ہوئے وہ خاموش ہوگئی۔ تبھی شعیب نے آواز بدل کر دور سے کہا

''اوئے اس کے پاس فون ہے اوئے۔ پکڑ......''

اس کے ساتھ ہی نینا نے وہ فون اپنے ہاتھوں میں چند بار جھلایا اور پھر فون بند کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی

''اب دیکھتے ہیں وہ کیا کرتے ہیں؟''

''اسے دیکھنے کیلئے ہمیں کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا، یہ ہم نہیں جانتے۔'' وہ انتہائی کوفت سے بولا

''یہ انتظار تو کرنا پڑے گا بابو۔'' نینا نے کہا اور اس کی طرف جھک کر اس کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔

''دیکھ مجھے گاڑی چلانے دے۔'' وہ دھیمے سے بولا

''ہم بستی فضل داد کی طرف جانے والی کسی جگہ پر بیٹھتے ہیں، اُن کی آمد بارے پتہ چل جائے گا۔'' نینا نے یونہی سر رکھے کہا، اس پہ وہ کچھ نہ بولا، سامنے دیکھ کر ڈرائیونگ کرتا رہا۔

وہ راستہ بستی فضل داد کی طرف جاتا تھا۔ انہوں نے وہاں سے ہٹ کر نشیب میں کار کھڑی کی، جہاں سے سڑک پر چلنے والوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس طرف جھاڑیاں، درخت اور پودے اُگے ہوئے تھے۔ سڑک سے ہٹ کر مٹی کی بڑی بڑی ٹیکریاں بھی تھیں۔ جہاں جھاڑیوں میں اگر کوئی چھپ کر بیٹھ بھی جائے تو دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

سہ پہر ڈھل کر شام کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اچانک انہیں دور سے تین گاڑیاں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ پہلے ایک کار تھی، اس کے پیچھے پولیس کا ''ڈالا'' اور اس کے پیچھے ایک مزید کار تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ وہ تیزی سے اپنی کار کی جانب بڑھے، کار میں بیٹھ کر جب وہ ان کے پیچھے چلے تو وہ کافی فاصلہ طے کر چکے تھے۔ انہوں نے چند منٹ مزید انتظار کیا۔ ان گاڑیوں کے پیچھے اور کوئی نہیں گاڑی نہیں آئی۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلتے چلے گئے۔ انہیں بستی فضل داد کے پاس سے ہو کر جانا تھا۔ اس لئے کافی محتاط تھے۔ نینا کا خیال یہ تھا کہ کہیں وہ اس بستی میں مدد لینے کے لئے نہ رُک جائیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا وہ چلتے چلے گئے۔ ایسے میں نینا نے تاجاں کو کال ملا دی۔

''اے تاجاں۔! تیرے مہمان پہنچنے والے ہیں، کوئی بندوبست کیا ہے ان کا؟'' نینا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا

''اوتاں میں کر لیئا اے۔'' (وہ تو میں نے کر لیا ہے۔) اس نے بھی ہنستے ہوئے کہا

''تو پھر کیا خیال ہے؟'' نینا نے پوچھا

جس پر تاجاں نے ایک موٹی سی گالی دیتے ہوئے کہا

''لگدا اے مینوں اشتہاری بننا ای پؤسی۔''

''گھبرانا نہیں، میں ہوں تیرے ساتھ۔'' نینا نے کہا اور کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا۔

شعیب نے تاجاں کے ڈیرے سے کچھ فاصلے پر کار روک دی۔ نینا نے جیکٹ پہنی، جس میں اس کی ضرورت کا سارا اسلحہ تھا۔ پھر اس نے گن اٹھائی اور چل پڑی۔ دوسری طرف سے شعیب اتر آیا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ چل دیا۔

نینا نے ایک بڑے سے درخت کا انتخاب کیا اور تیزی سے اس کے اوپر چڑھ گئی۔ اُسے وہاں سے تاجاں کا گھر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ بجلی کے قمقموں میں اس کے گھر کا صحن روشن تھا۔ شعیب وہیں جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا۔ نینا درخت پر بیٹھی سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔ تاجاں صحن میں کھڑی ہوئی تھی۔ پولیس کے چند سپاہیوں نے گھر کو گھیرا ڈال لیا تھا۔ انسپکٹر اور تینوں تفتیشی ان کے گھر کے گیٹ پر تھے۔ لیکن کافی پیچھے ہٹ کر کھڑے تھے۔ دو سپاہی آگے بڑھے اور جیسے ہی انہوں نے گیٹ بجایا۔ صحن میں کھڑی ہوئی تاجاں گیٹ کی جانب بڑھتی چلی آئی۔ اس

نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا اور اندر ہی سے ان کے ساتھ کوئی بات کی۔ جس پر وہ سپاہی اندر صحن میں داخل ہو گئے۔انہوں نے تاجاں کو قابو کرنا چاہا، جس پر تاجاں نے گھوم کر فائر کر دیا، بلاشبہ پسٹل اس کے ہاتھ میں تھا۔ جو اس نے اپنی چادر میں چھپایا ہوا تھا۔اس کے ساتھ ایک سپاہی کی چیخ بلند ہوئی اور وہ اپنی ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔اس کے ساتھ ہی گھر کی چھت سے اور دوسری طرف ڈیرے کی چھت سے فائرنگ ہونے لگی۔ یہ ایک طرح سے دھمکی تھی کہ وہ خاموشی کے ساتھ واپس چلے جائیں ورنہ انہیں سخت مقابلے سے گزرنا ہو گا۔

انسپکٹر پاگل نہیں تھا کہ وہ چند لوگوں کی نفری کے ساتھ وہاں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ پہلی نگاہ میں تو یہی لگتا تھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ وہاں آ گیا ہے۔لیکن اگلے ہی لمحے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ کس زعم میں میں وہاں آ گیا تھا یا پھر اسے مجبور کر کے یہاں لایا گیا تھا۔وہ تینوں تفتیشی چیتے کی سی تیزی سے گیٹ کے اندر داخل ہو گئے۔ وہ ایک دم ہی سے تین اطراف میں بٹ گئے۔تاجاں کی توجہ ایک طرف ہی ہو سکتی تھی۔ایسے میں فلک شیر بھی صحن میں آ گیا۔اس نے بھی گن تان لی ہوئی تھی۔تبھی انسپکٹر بھی صحن میں چلا گیا۔وہ تفتیشی انہیں باتوں میں الجھانے لگے۔ نینا سمجھ گئی کہ وہ اسے اچانک جھپٹ کر پکڑ لیں گے۔وہ خود پر قابو کئے سامنے دیکھ رہی تھی۔تبھی تاجاں نے پسٹل تان لیا۔وہ ٹھٹک کر رُک گئے۔وہ انہیں گھر سے باہر نکل جانے کا کہہ رہی تھی جو اُس کے اشاروں سے پتہ چلتا تھا۔وہ پیچھے ہٹنے لگے، اچانک ایک تفتیشی ہوا میں اُچھلا اور وہ تاجاں پر جا پڑا، اور اسے لیتے ہوئے زمین پر گر گیا۔اسی دوران دوسرے نے بھی فلک شیر کو قابو میں کر لیا۔وہ دونوں قابو میں آ گئے تو اب ان کے اردگرد جتنی بھی گنیں یا حفاظتی انتظامات تھے، وہ ختم ہو کر رہ گئے۔وہ انہیں تیزی سے باہر کی جانب لانے لگے تھے۔لیکن تاجاں مزاحمت کر رہی تھی۔انہوں نے پسٹل اس سے چھین لیا اور اسے گھسیٹنے لگے تھے۔یہی وہ موقع تھا، جب نینا نے شعیب کو مخاطب کرنے کے لئے منہ سے سیٹی بجائی، اس میں ایک خاص پیغام بھی تھا۔نینا نے اپنی گن کا رُخ اس تیسرے تفتیشی کی جانب کر لیا جو تیزی سے گاڑیوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔نینا نے اس کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔گولی اس کے سینے میں لگی تھی، لیکن نینا کو پتہ تھا کہ اس نے بلٹ پروف جیکٹ پہنی ہوئی ہو گی۔ یہ دیکھنے کا وقت نہیں تھا، اس نے اگلا فائر کر دیا جو سیدھا اس کے چہرے پر لگا۔وہ چکرا کر گر پڑا۔وہ لوگ ابھی گاڑیوں تک نہیں پہنچے تھے، گیٹ کے پاس ہی تھے۔ نینا کو کسی کے ساتھ ہمدردی نہیں تھی۔اس نے دوسرے تفتیشی کو نشانہ بنایا تو وہ بھی فلک شیر کو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔تیسرے نے تاجان کو نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ساتھ لپٹ کر پسٹل اس کے سر پر رکھ لیا، یہی اس کی حفاظت تھی۔ نینا اس کا نشانہ نہیں لگا سکتی تھی۔اسی دوران شعیب اپنا کام کرنے نکل پڑا تھا۔اس نے گاڑیوں کے نیچے یا اُن میں ہینڈ گرنیڈ پھینکنا تھے۔اس نے اپنا کام کر کے اپنی کار کے پاس پہنچ جانا تھا۔اب اتنے وقت میں نینا سے جو ہو سکتا، اس نے وہی کرنا تھا۔نینا نے دیکھا، انسپکٹر بدحواس ہو چکا ہے۔اس نے انسپکٹر کو نشانے پر رکھا اور یکے بعد دیگرے کئی فائر کر دیئے، وہ بھی تڑپنے لگا۔کھیل کا پانسہ بدلتے ہوئے دیکھ کر تاجاں کے جو لوگ تھے، وہ چھتوں سے فائر کرتے ہوئے نکل آئے۔لاشعوری طور پر پولیس والوں کو اپنی حفاظت کا خیال تھا۔اب نینا کیلئے مزید درخت پر رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔وہ انتظار کر رہی تھی کہ کب گاڑیاں دھماکے سے پھٹتی ہیں۔چند لمحے ہی گذرے ہوں گے، تبھی پہلی کار پھٹی تو نینا نے درخت سے اترنا شروع کر دیا۔جب دوسری پھٹی تو وہ زمین پر تھی، تیسری گاڑی پھٹتے ہی وہ اپنی کار کے پاس پہنچ چکی تھی۔اس نے گن کار کی پچھلی نشست پر پھینکی اور اگلا دروازہ کھول کر جیسے ہی وہ بیٹھی، شعیب نے کار بڑھا دی۔انہی بالکل خبر نہیں تھی کہ تاجاں کے ساتھ کیا ہوا؟ تیسرے تفتیشی کے ساتھ کیا ہوا؟ تاجاں کے ساتھی اسے بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے یا نہیں، تاجاں مر گئی؟ انہیں کچھ پتہ نہیں تھا۔انہیں خوف صرف یہی تھا کہ بستی فضل داد کے لوگ راستے میں نہ آ جائیں، ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی۔شعیب نے ڈرائیونگ کی ساری فن کاریاں آزمانا شروع کر دیں، اس سے پہلے کہ بستی کے لوگ باہر نکلتے، وہ وہاں تک جا پہنچے۔تبھی نینا نے پہلے جیکٹ اتاری، پھر اپنا پسٹل اور اس کے بعد گریبان میں ہاتھ ڈال کر فون نکال کر انہیں ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھتے ہوئے کہا

”شعیب۔! مجھے یہاں اُتار دو۔“

''دیکھ لو، تم بہت بڑا رسک لے رہی ہو۔'' وہ بولا

''یہ وقت بحث کا نہیں ہے میری جان، تم وہی کرو، جو ہم میں طے ہو چکا ہے۔ وقت ضائع مت کرو۔'' نینا نے زچ ہوتے ہوئے کہا تو شعیب نے کار روک دی۔ اس نے نگاہ بھر کر شعیب کی طرف دیکھا، ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ چھوا اور اترتی چلی گئی۔ شعیب نے بھی اُسے دیکھا اور کار بڑھا دی۔ دو منٹ میں وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

نینا کے سامنے اندھیرا تھا، جس سے کچھ فاصلے پر موجود بستی کی روشنیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑے وارم اپ ہوئی اور پھر اس نے دوڑ لگا دی۔ وہ جیسے ہی بستی کے قریب گئی، سامنے سے بہت سارے لوگ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ گرتی پڑتی ان تک جا پہنچی۔ اس کا سانس کچھ حقیقی پھولا ہوا تھا۔ کچھ اس نے خود سے ظاہر کیا، یوں جیسے ابھی وہ گر کر بے ہوش ہو جانے والی ہے۔ لوگوں نے جب ایسے ایک اکیلی لڑکی کو بھاگ کر آتے دیکھا تو ٹھٹک گئے۔ تبھی وہ ان کے قریب جا کر گر گئی۔ کچھ دیر تک تو کوئی اس کے قریب نہ آیا، نیم دائرے میں کھڑے اسے دیکھتے رہے، ایک بندے نے اسے ٹارچ کی روشنی میں لیا ہوا تھا۔ ایسے میں ایک ادھیڑ عمر سا بندہ اُس کے پاس آیا اور کڑک کر پوچھا

''کون ہو تم؟''

نینا نے اس کی طرف دیکھا، بولنا چاہا، لیکن اُس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ گر کر زمین سے لگ گئی۔

''یار دیکھو، کہیں مر نہ گئی ہو۔'' ایک شخص نے کہا تو اسی ادھیڑ عمر آدمی نے اسے کاندھے سے ہلایا۔ نینا نے آنکھیں کھول دیں تو اس نے پوچھا

''کون ہو تم، کہاں سے آئی ہو؟''

''وہ......قتل......بم......مار دیا......سب کو......'' اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا

''تم تاجاں کے ڈیرے سے آئی ہو؟'' اس شخص نے پوچھا تو نینا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تبھی بڑبڑاہٹ میں کئی سوال ہونے لگے۔

''ادھر بڑی فائرنگ ہوئی، دھماکے بھی ہوئے۔''

''یہ ادھر کیا کر رہی تھی، کون ہے یہ؟''

''یار اسے ہوش دلاؤ۔''

''یہی سب بتائے گی، ادھر کیا ہوا۔''

یہ سب سن کر نینا نے پھر اٹکتے ہوئے کہا

''مجھے نہیں پتہ...... مجھے تو......وہاں......اغوا کر کے......لایا گیا تھا......میں تو......ڈیرے کے ایک......کمرے میں تھی......اچانک......فائرنگ......ہونے لگی۔ بم بھی چلے......میں وہاں سے......بھاگ نکلی۔''

''اوہ، تو یہ بات ہے۔'' اسی ادھیڑ عمر نے کہا

''آؤ، وہاں پتہ کرتے ہیں۔'' کسی کی آواز ابھری

'' بالکل نہیں، ادھر خطرہ ہے۔'' کسی نے کہا

''چلو اسے تو گھر لے چلیں۔ کہیں اس کا......'' کوئی بولا

''نہیں......میں کہیں نہیں......جاؤں گی......مجھے تھانے تک......پہنچا دو پلیز۔'' نینا نے تیزی سے کہا

''تھانے......؟'' اس ادھیڑ عمر نے پوچھا

''ہاں، تھانے......یا پھر......وہاں اطلاع کر دو...... یا میری بات کرا دو۔'' نینا نے بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہا

”اچھا ٹھیک ہے، کچھ کرتے ہیں۔لیکن پہلے تمہاری طبعیت ٹھیک ہو جائے، چلتے ہیں۔“اسی ادھیڑ عمر نے تیزی سے کہا، پھر اٹھ کر کسی سے کہنے لگا کہ وہ کار لے کر آئے۔وہ وہاں زمین پر ہی بیٹھی رہی۔کچھ لوگ اس کے ارد گرد کھڑے رہے۔چونکہ اس کے سر پر چادر نہیں تھی، وہ اپنے بالوں اوٹ ہی میں دیکھ رہی تھی۔اسی ادھیڑ عمر نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔وہ اسے لے کر ایک قریبی گھر میں چلے گئے۔جہاں اسے چار پائی پر اسے لٹا کر اس پہ چادر پھیلا دی گئی۔اسے دودھ دیا گیا۔ جسے پی کر وہ چپ چاپ لیٹ گئی۔کچھ ہی دیر بعد کسی نے آ کر تاجاں کے ڈیرے کے حالات کی تفصیل بتائی وہ کچھ یوں تھی۔

وہاں پولیس نے چھاپا مارا،لیکن تاجاں نے مزاحمت کی۔پولیس اس کے گھر میں داخل ہو گئی تو سامنے سے فائرنگ ہونے لگی۔ہینڈ گرنیڈ بھی چلے۔وہاں پولیس کے بہت سارے بندے مارے گئے۔تاجاں خود تو بھاگ گئی ہے،فلک شیر مر گیا ہے۔دو بندے اور مر گئے ہیں۔شہر کی پولیس پہنچ گئی ہے۔وہ وہاں اپنی کاروائی کر رہے ہیں۔ڈی ایس پی آیا ہوا ہے۔اس کی نگرانی میں سب ہو رہا ہے۔تبھی نینا نے کہا

”انہیں اطلاع دے دیں کہ میں یہاں ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“اسی ادھیڑ عمر نے کہا اور کسی کو ہدایات دینے لگا۔پھر زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ کمرے کے باہر ہلچل سی مچی۔اس کے ساتھ ہی ڈی ایس پی اور دو سفید کپڑوں والے وہاں آ پہنچے۔جیسے ہی ڈی ایس پی کی نگاہ نینا پر پڑی تو وہ یوں بھونچکا رہ گیا، جیسے کسی بھوت کو دیکھ لیا ہو۔وہ چار پائی سے اٹھ گئی۔اس نے اپنا رویہ وہی رکھا جو ایک ماتحت کا آفیسر کے ساتھ ہوتا ہے۔

”تم......؟“ڈی ایس پی نے حیرت سے کہا

”جی، میں۔“وہ یوں بولی جیسے برسوں کی بیمار ہو۔

”تم یہاں کیسے پہنچ گئی ہو؟“اس نے پھر اسی لہجے میں پوچھا۔نینا سمجھ رہی تھی، جس عورت کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہو کہ دراصل گولی وہی ہے اور اسے پکڑنے کے لئے جانے والوں کے ساتھ اتنا بڑا ہاتھ ہو جائے،اسے سامنے دیکھنے والے کی حالت کیا ہو گی۔

”ان لوگوں نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔“اس نے اپنے ساتھ لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اسی ادھیڑ عمر شخص نے تفصیل بتائی

”ہم یہیں بستی میں تھے کہ ہمیں تاجاں کے ڈیرے کی طرف سے فائرنگ اور پھر بم دھماکوں کی آواز سنائی دی۔ہم پتہ کرنے کے لئے نکلے تو یہ لڑکی ادھر سے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ہم نے اسے سہارا دیا۔اس نے بتایا کہ انہوں نے اسے اغوا کیا ہوا تھا۔ہم نے اسے کہا کہ تجھے تیرے گھر لے جاتے ہیں،لیکن اس نے یہی کہا کہ آپ کو اطلاع دیں،اور پھر آپ یہاں آ گئے۔“

”اوہ۔!تم بیٹھو،ادھر بیٹھو۔“ڈی ایس پی نے یوں کہا جیسے اسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ وہ کیا کہے۔پھر اس نے پیچھے کھڑے ماتحت کی طرف دیکھ کر کہا،”ان لوگوں کے نام پتے لکھ لو۔“

یہ سنتے ہی ماتحت چل دیا۔اس کے ساتھ وہ لوگ بھی چل دیئے۔تبھی ڈی ایس پی نے اپنے ساتھ کھڑے ان دو لوگوں کی طرف دیکھا جو بہت غور سے نینا کو دیکھ رہے تھے۔

”سر جی، مجھے ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے، پلیز مجھے ہسپتال جانے کی اجازت دی جائے۔“نینا نے کراہتے ہوئے کہا

”ٹھیک ہے ابھی چلتے ہیں۔“یہ کہہ کر اس نے ان سفید کپڑوں والوں کی طرف دیکھ کر کہا

”آپ اسے لے آئیں گے؟“

”جی، ہم لے آتے ہیں۔“اس نے کہا تو ڈی ایس پی باہر نکل گیا۔وہ بھی ان کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔باہر ایک سرکاری جیپ کھڑی تھی۔انہوں نے نینا کو اس میں بٹھایا، جب وہ بیٹھے تو دو گارڈ بھی ان کے ساتھ جیپ میں آ بیٹھے۔

تقریباً پونے گھنٹے بعد وہ تھانے کے گیٹ پر تھے۔نینا کار سے اتری تو اس کے ساتھ آئے دونوں لوگ بھی اتر کر تھانے کے اندر چلے گئے

۔تھانے میں لگتا تھا، جیسے اُلو بول گیا ہو۔کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔وہ ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھی تو انسپکٹر کے کمرے میں کچھ لوگ دکھائی دیئے۔وہ اندر گئی۔ڈی ایس پی ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اے ایس آئی کھڑا تھا، ساتھ میں دو لوگ مزید بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو چہرے ہی سے غنڈے دکھائی دے رہے تھے۔

’’سر جی اگر مجھے ہسپتال......‘‘ نینا نے کراہتے ہوئے کہا تو ڈی ایس پی بولا

’’میں ڈاکٹر یہیں بلوا لیتا ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے فون اپنا فون نکالا اور کیسی ڈاکٹر سے بات کرنے لگا۔پھر مطمئن انداز میں فون بند کر دیا۔’’ ڈاکٹر آ رہا ہے۔تم مجھے یہ بتاؤ، کیا ہوا تھا؟‘‘

’’سر جی، میں اپنے گاؤں میں تھی کہ آپی فوزیہ کا فون آیا کہ مجھے تھانے میں بلوایا جا رہا ہے۔میں نے فوری آنے کا کہا اور گاؤں سے شہر تھانے آنے کے لئے سڑک پر آئی۔میں وہیں کھڑی تھی۔‘‘

’’تم رات گاؤں میں تھی؟‘‘ ان سفید کپڑوں والے ایک شخص نے پوچھا

’’جی میں رات ادھر ہی تھی۔‘‘ نینا نے پورے اعتماد سے جواب دیا تو اس نے پوچھا

’’اگر اس کی تصدیق کرنا چاہئیں تو......؟‘‘

’’کر لیں۔‘‘ نینا نے پھر اسی اعتماد سے جواب دیا۔

’’اچھا پھر۔‘‘ ڈی ایس پی نے پوچھا

’’میں وہاں سڑک پر کھڑی تھی، ایک کار آئی، اس میں دو مرد اور ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔انہوں نے کار میرے پاس روکی۔ان کی عورت نے مجھ سے راستہ پوچھا۔میں ابھی بتانے والی تھی کہ مرد نے پچھلا دروازہ کھولا اور اچانک میرا بازو پکڑ کر مجھے اندر کھینچ لیا، میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔میں اندر سیٹ پر گر گئی۔انہوں نے کار بھگا لی، میں شاید مزاحمت کرتی لیکن تیز کلوروفارم کی وجہ سے بے ہوش چکی تھی۔‘‘ یہ کہہ کر وہ سانس لینے کو رکی تو ڈی ایس پی نے پوچھا

’’پھر کیا ہوا؟‘‘

’’پھر مجھے ہوش اس وقت آیا، جب میں کسی ڈیرے پر تھی۔کچھ دیر بعد ایک مرد آیا، اس سے میں نے پوچھا، باتوں میں یہی پتہ چلا کہ وہ تاجاں کا ڈیرہ ہے، جس نے چند دن پہلے یہاں ہنگامہ کیا ہوا تھا۔‘‘ نینا نے بتایا

’’تم نے فون بھی کیا؟‘‘ اسی سفید کپڑوں والے پوچھا

’’جی، فون میرے پاس یہاں تھا۔‘‘ اس نے اپنے گریبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا، پھر بولی ’’انہوں نے مجھے فون کرتے ہوئے دیکھا اور مجھ سے چھین لیا۔‘‘

’’پھر تم وہاں سے نکلی کیسے؟‘‘ اسی سفید کپڑوں والے پوچھا جبکہ دوسرا ابھی تک خاموش تھا

’’وہ مجھے کھانا دے کر گئے، ابھی میں نے وہ کھایا نہیں تھا کہ ایک دم سے فائرنگ ہونا شروع ہو گئی۔پھر کچھ ہی دیر بعد یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے۔وہاں تو افراتفری مچ گئی۔میں نے سوچا یہی موقعہ ہے یہاں سے نکل جانے کا۔میں باہر نکلی، وہاں چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔مجھے یوں لگا جیسے وہاں پر پولیس ہے۔لیکن میں نے وہاں رکنے کی بجائے، وہاں سے بھاگنے کو ترجیح دی۔میں ان لوگوں کے پاس پہنچی اور پھر آپ لوگ مجھے یہاں لے آئے۔‘‘ نینا نے پوری تفصیل بتا دی۔چونکہ نینا کا یہی پلان تھا اور یہاں تک کامیاب ٹھہرا تھا۔اس لئے وہ بڑی پر اعتماد تھی۔اسے کچھ وقت چاہئے تھا، جو وہ ہسپتال جانے کے لئے مانگ رہی تھی۔جبکہ ڈی ایس پی کے موڈ سے لگتا تھا کہ وہ اسے وقت نہیں دینا چاہ رہا ہے۔

''بی بی،ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' دوسرے سفید کپڑوں والے پہلی بار لب کشائی کی۔

''جی پوچھیں۔''اس نے کہا

''آپ نے جاب کیوں چھوڑی،اچانک؟''اس نے بڑے گھمبیر لہجے میں پوچھا تو وہ اعتماد سے بولی

''پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے اچانک جاب نہیں چھوڑی،کیوں چھوڑی،یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

''ذاتی معاملہ.....''دوسرے نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا اور ڈی ایس پی کی طرف دیکھا۔اتنے میں ایک ڈاکٹر تیزی سے کمرے کے اندر داخل ہوا۔اس کے ساتھ دو لوگ مزید بھی تھے۔ ان میں ایک نرس تھی اور دوسرا شاید کمپاؤڈر تھا۔ سلام دعا کے بعد ڈاکٹر نینا کو دیکھنے لگا۔کچھ دیر بعد اس نے کہا

''ظاہری چوٹ تو کوئی نہیں ہے،انہیں آرام کی ضرورت ہے۔فی الحال میں انجکشن دے دیتا ہوں۔دوا لینے کے بعد یہ نارمل ہو جائیں گی۔ اگر پھر بھی یہ ٹھیک نہ ہوں تو ہسپتال میں لے آئیں،وہاں چیک اپ کر لیں گے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ساتھ آئے لوگوں کو انجکشن کے بارے میں بتایا۔انہوں نے کچھ دیر بعد اسے انجکشن دے دیا۔ ذرا سی دیر ٹھہر کر وہ لوگ چلے گئے۔اس دوران ڈی ایس پی کو بار بار فون آتے رہے،اور وہ ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔

''اب اس کا کیا کرنا ہے؟''ان دو غنڈہ نما آدمیوں میں سے ایک نے کہا تو ایک سفید کپڑوں نے کہا

''یہ ہماری تحویل میں رہے گی۔''

''مگر خان صاحب نے کہا ہے کہ اسے.....''اس نے کہنا چاہا،جسے سفید کپڑوں والے نے اسکی بات کاٹ کر کہا

''نہیں،بعد میں،ابھی نہیں۔''

''بعد میں کا کیا مطلب،ہم اسے ابھی لے کر جائیں گے،ساری تفتیش ڈیرے پر ہوگی۔ہم پوچھیں گے اس سے۔''ان میں سے ایک نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔اس وقت نینا کو پتہ چلا کہ یہ لوگ مٹھن خان کی طرف سے وہاں پر تھے۔

''دیکھو،میں آرام سے کہہ رہا ہوں کہ پہلے ہم تسلی کریں گے،اس کے بعد جو بھی کرنا ہوگا،اس کا فیصلہ کریں گے۔''ایک سفید کپڑوں والے نے سکون سے کہا۔اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ نہ تو مٹھن خان کے نام سے خائف تھا،اور نہ ہی اس غنڈہ نما شخص کے رعب میں آیا تھا۔یوں دال گلتی ہوئی نہ دیکھ کر اس غنڈے نے ڈی ایس پی سے پوچھا

''کیا میں خان صاحب کو فون کر دوں کہ اس لڑکی کو ہمارے ساتھ نہیں بھیج رہے ہیں؟''

''دیکھو۔!تم خان صاحب سے کہو یا نہ کہو،اب یہ معاملہ میرے بس کا نہیں ہے،تم شاید ان دونوں صاحبان کے بارے میں نہیں جانتے ہو۔'' ڈی ایس پی نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا تو دوسرے سفید کپڑوں والے نے ان دونوں سے کہا

''تم چلو یہاں سے جاؤ،تمہارا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔''

اس پر ان دونوں نے یوں حیرت سے دیکھا،جیسے اس طرح کے رویے کی انہیں توقع نہ رہی ہو۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے،کمرے کے باہر کافی ہلچل ہوئی۔جس کے ساتھ ہی دھیما دھیما شور ہونے لگا۔ایسے میں منشی اندر داخل ہوا اور آتے ہی سلیوٹ مارتے ہوئے تیزی سے بولا

''سر باہر پریس ہے،انہیں کسی نے کہہ دیا ہے کہ سلامت خان کی قاتل پکڑی گئی ہے اور وہ اس وقت تھانے میں ہے۔''

''کسی نے کوئی بات کی؟کچھ بتایا یا نہیں؟''ڈی ایس پی نے پوچھا تو منشی نے کہا

''میری اتنی ہی بات ہوئی ہے،میں اندر آ گیا ہوں۔''

''اچھا انہیں اندر بھیجو میرے پاس۔''ڈی ایس پی نے سوچتے ہوئے کہا۔یہ سنتے ہی منشی باہر چلا گیا۔ذرا سی دیر میں چند صحافی اور ان کے

ساتھ کیمرہ مین اندر آ گئے ۔

”سر۔! کیا یہی ہے وہ قاتل لڑکی، جس نے سلامت خان کو قتل کیا تھا؟“ ایک نوجوان سے تیز طرار صحافی نے تیزی سے پوچھا تو ڈی ایس پی نے نہایت تحمل سے پوچھا

”آپ کی تعلیم کیا بیٹا؟“

اس پر اس نوجوان نے گڑبڑاتے ہوئے کہا

”میرے سوال کا تعلیم سے کیا تعلق سر جی؟“

”اس لئے کہ تمہارے سوال سے لگا کہ تم ان پڑھ قسم کے جاہل بندے ہو۔“ ڈی ایس پی کے آخری لفظوں میں طنز تھا

”کیا مطلب؟“ وہ چونکتے ہوئے بولا

”تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ لڑکی قاتل ہے؟“ ڈی ایس پی نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا

”ہمیں پتہ چلا ہے کہ تھانے میں اس وقت......“ اس نے کہنا چاہا تو ڈی ایس پی نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا

”پہلے اچھی طرح تصدیق کرتے ہیں، پھر اپنا سوال سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ لڑکی ہمارے سٹاف سے ہے۔ یہ لیڈی کانسٹیبل ہے۔ تمہیں تو یہ بھی پتہ نہیں ہوگا کہ جدید صحافت میں ”لیڈی“ بھی نہیں کہتے۔ یہ اخلاقیات ہے۔“

یہ سنتے ہی چند لمحے خاموشی رہی، پھر ایک دوسرا صحافی انتہائی طنز سے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا

”تو پھر سر جی، وہ تاجاں کا کیا بنا جس نے اتنے لوگوں کو قتل کر دیا؟ وہ فرار ہوگئی، اس کا کیا جرم تھا کہ اس پر ریڈ کیا گیا؟ سنا یہ گیا ہے کہ یہ ریڈ غیر قانونی تھا، جو صرف ایم این اے کے کہنے پر ہوا؟ ان میں جو غیر اخلاقی سوال ہے وہ نکال دیں؟“

”آپ لوگوں کو جس نے بھی یہ خبر دی، وہ غلط ہے۔“ ڈی ایس پی نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا، پھر سانس لے کر بولا، ”بات صرف اتنی ہے کہ تاجاں سے پوچھ تاچھ کے لئے اس کے ڈیرے پر انسپکٹر گیا تھا۔ جس پر مشتعل ہو کر سامنے سے فائرنگ کر دی گئی۔ جس کے نتیجے میں اتنا بڑا سانحہ ہو گیا۔ ابھی تک چونکہ ہم معاملے کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے وقت سے پہلے کچھ نہیں کہہ سکتے، ہم باقاعدہ پریس ریلیز جاری کریں گے۔ آپ انتظار کریں۔“ ڈی ایس پی نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے کہا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی سوال کرتے رہے جن کا وہ جواب دیتا رہا۔ کچھ بھی مزید معلومات نہ پا کر وہ چل دیئے۔

”آپ لوگ بھی جائیں۔“ ڈی ایس پی نے مٹھن خان کے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ آپی فوزیہ کمرے میں داخل ہوئی اس نے سیلوٹ مارا تو ڈی ایس پی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

”اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، شاید ہسپتال جانا پڑے۔“

”اوکے سر۔“ آپی فوزیہ نے سیلوٹ مارتے ہوئے کہا تو نینا اٹھ گئی۔ وہ کافی حد تک سمجھ گئی تھی کہ یہ سارا سین کیا چل رہا ہے۔ اس لئے وہ اطمینان سے آپی فوزیہ کے ساتھ چل دی۔

☆......☆......☆

رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔ نینا کوارٹر میں ایک نرم بستر پر پڑی سو رہی تھی۔ ایسے میں کسی نے اسے کاندھے سے پکڑ کر اٹھایا۔ وہ گہری نیند میں نہیں تھی۔ اس لئے اس نے فوراً ہی پلکیں نہیں کھولیں، بلکہ احساس کیا کہ اُسے جگانے والا کون ہے؟ دوسری دفعہ جگانے پر وہ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے آپی فوزیہ کھڑی تھی۔ نینا نے اٹھتے ہوئے پوچھا

”ہاں آپی کیا بات ہے؟“

''چلو، تمہیں صاحب نے بلایا ہے۔'' آپی نے کہا

''اوہ، وہ کیوں؟'' نینا نے بھولپن سے پوچھا

''مجھے کچھ نہیں پتہ، وہی بتائیں گے۔'' آپی نے اُکتاتے ہوئے کہا تو وہ اُٹھ گئی۔ اس نے واش روم کا رخ کیا۔ چہرے پر پانی کے چھپکے مارے، اور پھر فوراً ہی تیار ہو کر چل دی۔ وہ دونوں ہی پیدل چل پڑی تھیں۔ ان کا رخ لائین ہی میں موجود ایک عمارت کی طرف تھا۔ وہ دونوں خاموش تھیں، لیکن نینا تیزی سے سوچ رہی تھی۔ رات جب آپی کے ساتھ وہ کوارٹر میں آئی تھی تو اس کے ساتھ بہت ساری باتیں ہوئیں تھیں۔ آپی نے بڑی تفصیل سے نینا کو معلومات دے دیں تھیں۔ آپی ہی نے بتایا کہ کل ڈی ایس پی نے اسے بلایا اور نینا کے بارے میں پوچھا۔ تب آپی کو جو بھی نینا کے بارے میں پتہ تھا وہ اس نے بتا دیا۔ پھر اس سے فون کروایا گیا۔ ان سب کا یہی شک تھا کہ نینا ہی دراصل وہ لڑکی ہے، جس نے فرحان، سلامت خان کے ساتھ دوسروں کو مارا ہے۔ وہی قاتل ہے۔ یہ بات ان تینوں تفتیشیوں نے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ حالات و واقعات بھی اس کے خلاف جا رہے تھے۔ سو وہ نینا کی تلاش میں تھے۔ تب سے نینا سوچ رہی تھی کہ اب اس کا اصل امتحان شروع ہونے والا ہے۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ لائین ہی کی ایک بارک میں وہ دونوں چلی گئیں۔

وہ ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ کمرے کے درمیان میں ایک بڑا سا رامیز اور کرسی پڑی تھی، جس پر تیز روشنی تھی۔ اس میز کے ساتھ چند کرسیوں پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں سمیت اندھیرے میں تھے۔ بس ملگجی روشنی میں ان کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ نینا کو ان لوگوں کے سامنے سامنے پڑی خالی کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ یہاں بہت مضبوط اعصاب والا ہی کسی حد تک سامنا کر سکتا ہے۔ یہاں اگر انہیں ذرا سا بھی شک ہو گیا تو پھر اس پر تھرڈ ڈگری آزمائی جانی تھی۔ جو اس بھی بھیانک مرحلہ تھا۔ یہی وہ وقت تھا، جس میں وہ کم سے کم یہ باور کرا سکتی تھی کہ وہ ''گولی'' نہیں ہے۔ تبھی ایک شخص نے بڑے گھمبیر لہجے میں سوال کیا

''تم نے اچانک نوکری کیوں چھوڑی؟''

''نوکری میں نے اچانک نہیں چھوڑی، میں نے تقریباً تین ماہ اس پر سوچا، مشورہ کیا اور پھر نوکری چھوڑی۔'' اس نے سکون سے کہا

''کن کن لوگوں سے مشورہ کیا؟'' اسی آواز نے پوچھا

''سب سے پہلے تو یہی آپی فوزیہ ہیں۔'' اس نے جواب دیا تو آپی کی گواہی لی گئی۔ پھر گھما پھرا کر بہت سارے سوال پوچھنے کے بعد یہ بتانے کو کہا گیا کہ وہ کیا وجہ تھی، جس کی بنا پر اس نے نوکری چھوڑی۔

''میں شادی کر کے اپنے شوہر کے ساتھ دوبئی چلے جانا چاہتی تھی۔'' اس نے سکون سے کہا

''کیا ہم تمہارے ہونے والے شوہر سے بات کر سکتے ہیں؟'' اسی آواز نے پوچھا

''اگر آپ میرا مستقبل داؤ پر لگانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اگر آپ اپنے طور پر یہ تفتیش کر لیں یا جیسے بھی آپ مطمئن ہوں،'' نینا نے اداکاری کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا

''مٹھن خان کے ڈیرے پر تمہاری ایک سہیلی کو بھی لے جایا گیا تھا، وہاں تمہارے ساتھ بدتمیزی کی گئی تھی۔ اس پر تم کیا کہو گی۔'' اس سے سوال ہوا

''جی سر یہ سچ ہے۔ بہت دکھ ہوا تھا مجھے۔'' اس نے کہا

''کیا وہ دکھ تم اب بھی لئے پھرتی ہو؟''

''جی سر، کیوں نہیں، اپنی بے عزتی کون بھول سکتا ہے۔ لیکن سر وہاں صرف میری ہی نہیں، انسپکٹر رفاقت کی بھی انہوں نے بہت بے عزتی کی تھی۔ وہ تو تھوڑے اختیار والے تھے۔ انا والے تھے، یہ سب چھوڑ گئے، میں کیا اور میری بساط کیا۔ میری طرح نجانے کتنے لوگوں پر ظلم ہو

اہے۔شاید میں تب سے نوکری چھوڑنے کا سوچ رہی تھی۔ مجھے ایک اچھا مستقبل چاہئے۔'' نینا نے تلخی سے یوں کہا کہ اس کی نفرت عیاں نہ ہو۔

''کیا رات تم گاؤں میں تھی؟'' اس سے پوچھا گیا

''جی بالکل، اس کی آپ تصدیق کرلیں۔'' اس نے کہا

''ہم ہر طرح سے تصدیق کریں گے۔ تمہاری فون کالز سے لے کر، تمہاری ہر طرح سرگرمی تک۔ اب بتاؤ، کہاں رہنا پسند کرو گی۔ حوالات میں، یا مٹھن خان کے ڈیرے پر؟''

''دیکھیں، میں اب آپ کے رحم وکرم پر ہوں، جیسا رکھیں، میں تو رہوں گی۔ میں خود پر لگا الزام ختم کرنا چاہوں گی۔ نجانے کون دشمن ہے ،جس نے میرے بارے میں شک ڈالا۔ میں ہر طرح سے تعاون کروں گی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ مجھے ذلیل کریں، مٹھن خان کا ڈیرہ کیوں؟'' نینا نے پراعتماد لہجے میں کہا تو کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر آپی سے کہا گیا کہ اسے لے جاؤ۔ وہ اٹھی اور اس کے ساتھ چل دی۔

اگلی صبح وہ اٹھ کر چائے پی رہی تھی۔ چند لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں۔ نینا اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان لڑکیوں کی اس پر ڈیوٹی لگائی ہے۔ وہ ان سے بے نیاز تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جس طرح اس کے ساتھ سلوک کیا جارہا ہے عام طور پر ملزموں کے ساتھ ایسا سلوک کیا نہیں جاتا۔ نہ یہ ہی دید لحاظ ہوتا تھا۔ وہ خود پولیس میں رہی تھی۔ یہ کچھ اور ہی معاملہ تھا۔ اسے ڈر صرف اس بات کا تھا کہ وہ منگیتر، جس کے ساتھ اس نے شادی کر کے دوبئی چلے جانا تھا، وہ کہاں سے لائے گی؟ وہ شعیب کو سامنے نہیں لاسکتی تھی۔ اسی بات نے اسے گھما کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس سوچ سے نکلتی تو یہ سوچ گھیرے میں لے لیتی کہ وہ رات گاؤں میں تھی، اس کی تصدیق کیسے ہوگی؟ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس کی وہی منہ بولی خالہ، جو گاؤں میں رہتی تھی، جسے اس نے سامان دیا تھا، وہ دروازے میں نمودار ہوئی۔ نینا اسے دیکھ کر ایک دم سے چکرگئی اسے لگا کہ اب وہ پکڑی جائے گی۔ بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ اس نے بہت بڑی غلطی کرلی جو یوں پیش ہوگئی۔ اسے پہلے سب بندوبست کرلینا چاہئے تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ پولیس اس تک جا پہنچی ہے۔ اسے کسی بھی بہانے یہاں تک لے آئی ہے۔ ممکن ہے اس سے پوچھ تاچھ بھی کرلی ہو، پتہ نہیں اس نے کیا کہہ دیا۔ وہ اسی کشمکش میں تھی کہ خالہ سیدھی اس کے گلے آلگی اور گلے لگتے ہی رونے لگ گئی۔ ذرا سا سانس لے کر آہستہ سے بولی

''تم رات میرے پاس تھی، فکر نہ کر، باقی بتاتی ہوں۔'' اس کی دھیمی آواز میں اتنی سی بات نے نینا میں ہمت بھر دی۔ اس نے اپنی منہ بولی خالہ کو تھپکتے ہوئے کہا

''خالہ کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائیگا۔''

خالہ الگ ہوگئی۔ وہ اسے لے کر ایک چارپائی پر جا بیٹھی۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد خالہ نے ہلکے سے کہا

''گھبرانا نہیں، بی بی صاحب نے سب سنبھال کر مجھے یہاں بھیجا ہے۔ جس سے تیری شادی ہونی ہے، وہ ابھی تھانے میں آجائے گا۔ اعجاز نام ہے اس کا، تصویر اس کی میں تمہیں ابھی دیتی ہوں۔ وہ سب سنبھال لے گا۔''

یہ سنتے ہی اس کی جان میں جان آگئی۔ اس لگا کہ بی بی صاحب اس کے ساتھ ہے۔ جو غلطی بھی ہوگئی تو وہ سنبھال لیں گی۔ اس بات نے اسے بڑا حوصلہ دیا۔

''ٹھیک ہے خالہ۔'' اس نے بھی ہلکے سے کہا تو خالہ اونچی آواز میں ایسے باتیں کرنے لگی جیسے وہ نینا کے بارے میں بہت پریشان ہے۔ اسے کچھ سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ وہ کیا کرے۔ وہاں موجود لڑکیوں نے اسے چائے دی تھی، خالہ ابھی وہ پی رہی تھی۔ اس دوران اس نے نینا کو تصویر دے دی تھی۔ جسے وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔ ایسے ہی وقت، باہر سے بلاوا آگیا کہ آپی فوزیہ، اپنے ساتھ نینا کو لے کر فوراً تھانے پہنچے۔ وہ کانسٹیبل تھانے سے آیا تھا۔ نینا نے واش روم میں جا کر تصویر کو غور سے دیکھا۔ اس کے پیچھے اعجاز منیر لکھا ہوا تھا۔ اس نے تصویر فلیش کردی۔ کچھ دیر بعد وہ آپی فوزیہ کے ساتھ تھانے کی طرف چل دی۔ اس کے ساتھ وہی چند لڑکیاں اور مرد کانسٹیبل تھے۔

وہ تھانے میں پہنچی تو سامنے ہی اعجاز بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھا اور سیدھا اس کے پاس آ گیا۔ اس کا رویہ یوں تھا جیسے وہ شدت جذبات پر قابو نہیں رکھ پایا ہو۔ اس نے کسی کی بھی پروا نہیں کی اور اسی اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولا

”تم نے بالکل بھی نہیں گھبرانا، میں ہوں تمہارے ساتھ۔ میں نے ایک نہیں کئی وکیلوں کی ایک ٹیم بنالی ہے جو تمہارا مقدمہ لڑے گی۔ بالکل فکر مت کرنا، کچھ بھی مت سوچنا۔“

وہ اس کے ساتھ یوں چپک گئی جیسے وہی اس کا سب کچھ ہو۔ اس نے آہستہ سے کہا

”میری سہیلی کا بندوبست ہوا؟“

”ہاں، ہو گیا ہے۔ فکر نہ کرو۔“ اس نے بھی دھیمے لہجے میں کہا اور اس خود سے الگ کر دیا۔ آپی نے ستائشی نگاہوں سے اعجاز کو دیکھا اور نینا کو لے کر ڈی ایس پی کے آفس میں جا پہنچی۔ وہاں وہی دونوں سفید کپڑوں والے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک نگاہ اسے دیکھا، نینا کھڑی رہی۔ ڈی ایس پی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا

” مجھے معلوم ہے کہ تمہاری مدد کے لئے لوگ آ گئے ہیں۔ ہم تمہیں زیادہ دیر یہاں رکھ نہیں سکتے۔ ہم چاہیں تو تمہاری ضمانت بھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ ڈیپارٹمنٹ کا معاملہ ہے۔ تمہاری یہاں رپورٹ بھی نہیں ہے۔ اس لئے ہم تمہیں جانے کا کہہ رہے ہیں۔ لیکن یہ امید رکھیں گے کہ ہم تمہیں جب بھی بلائیں، تمہیں آنا ہو گا۔“

”کب تک سر؟ جس سے میں نے شادی کرنی ہے، وہ دوبئی چلا جائے گا۔ میں کیا کروں سر، اس سے اچھا تھا کہ میں نوکری نہ چھوڑتی۔ میری تو زندگی اجیرن......“ یہ کہتے ہوئے نینا ایک دم سے رو دی۔

”اوکے، لیکن تم آن کال رہو گی، ہم اعجاز کی شخصی ضمانت لے رہے ہیں۔ وہ شہر کا ایک معزز گھرانہ ہے، اب تم جا سکتی ہو۔“ ڈی ایس پی نے سر ہلاتے ہوئے کہا

”بہت شکریہ سر۔“ نینا خوشی سے بولی اور آفس سے باہر چل دی۔ اعجاز نے اُسے اور اس کی خالہ کو اپنے ساتھ بٹھایا اور چل دیا۔ ان کا رُخ گاؤں کی طرف تھا۔ راستے میں انہوں نینا کو بتایا کہ اعجاز اس کے پاس آیا تھا۔ اسے نینا کے بارے میں بتایا۔ یہ جو بھی تفصیل تھی اس سے نینا کو یقین ہو گیا کہ یہ سب بی بی صاحب کی طرف سے تھا۔ وہ اس کو اکیلا نہیں چھوڑ رہی۔

☆......☆......☆

رات کا دوسرا پہر چل رہا تھا، جب گاؤں میں ہر طرف سناٹا تھا۔ ایسے میں نینا کا فون بج اٹھا۔ اس کا رابطہ شعیب کے ساتھ تھا۔ اسے فون پہنچا دیئے گئے تھے۔ انہیں یہ پورا یقین تھا کہ نینا کی نگرانی ہو رہی ہو گی۔ کچھ خفیہ آنکھیں اس پر لگی ہوئی ہوں گی۔ اس کی تصدیق کرنے کے بھی وہ باہر نہیں نکلی۔ وہ ایک کچے کمرے میں پڑی ہوئی تھی، جہاں زیرو پاور کا سبز بلب روشن تھا۔ وہ بستر میں تھی۔ اس نے فون کال رسیو کی۔

”کیسا لگ رہا ہے یوں پڑے رہنا۔“ شعیب نے خوشگوار لہجے میں پوچھا

”تمہیں کیا، تم تو لڑکیوں کی طرح چھپ کے بیٹھے ہوئے ہو۔ یہاں تک نہیں آ سکے۔“ نینا نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا

”کیا تم جانتی ہو، اس وقت میں کہاں ہوں؟“ اس نے کہا

”کہاں ہو؟“ اس نے پوچھا

”تیرے گاؤں سے آدھا کلو میٹر دور، سڑک پر ہوں۔ دو دفعہ آیا ہوں۔ دو خفیہ والے اب بھی نگرانی پر ہیں۔ ویسے ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ گاؤں کے اندر بھی کوئی نہ کوئی ہوں گے۔“ شعیب نے تفصیل بتائی

” نگرانی ہونی چاہئے، یہ میری حفاظت ہے، مٹھن خان کے لوگ بھی حملہ آور ہو سکتے ہیں، کیونکہ مٹھن خان مجھے اب کبھی آنکھوں سے اوجھل

نہیں ہونے دے گا۔‘‘اس نے کہا

’’تو پھر یہی وقت ہے،اس کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکنے کا،اسے بتادو کہ ’گولی‘ کیا شے ہے۔‘‘ وہ تیزی سے بولا،اس پر نینا نے پوچھا

’’کیا چل رہا ہے تیرے دماغ میں؟‘‘

’’میں تمہیں کچھ دیر بعد بتاتا ہوں۔لیکن تم نے یہاں سے کہیں نہیں جانا،سکون سے ادھر ہی رہنا ہے،جب تک میں نہ کہوں،انھی کی نگرانی میں رہو۔‘‘اس نے سمجھانے والے انداز میں عجیب سے لہجے میں کہا

’’کرنا کیا چاہتے ہو؟‘‘نینا نے پوچھا

’’میں تمہیں کچھ دیر بعد میں بتاتا ہوں۔‘‘وہ ایک دم سے بولا اور پھر اس نے فون بند کر دیا۔وہ کچھ دیر تک یہی سوچ کر پریشان ہوتی رہی کہ وہ نجانے کیا کرنے والا ہے۔کہیں اس کی مدد کرتے ہوئے ،کوئی ایسا سراغ نہ چھوڑ دے ،جس سے سارا راز ہی کھل جائے ۔وہ ابھی گرفتار نہیں ہونا چاہتی تھی۔جس کے لئے اس نے اپنی زندگی وار دینے کا ارداہ کر دیا تھا۔کیونکہ ابھی تک کئی سارے سوال ایسے تھے،جن کا جواب اسے نہیں ملا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔وہ یہ تو سمجھ گئی تھی کہ وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی،ایسا ہوا بھی کہ اسے شعیب کی مدد لینی پڑی تھی۔لیکن یہ جو اس کا فیصلہ تھا کہ وہ خود پر لگے الزامات کو ختم کر سکے،اگر چہ یہ بہت مشکل فیصلہ تھا لیکن اب اس مرحلے میں وہ سمجھ رہی تھی کہ کوئی دوسری ایسی قوت ہے،جو اس کی مدد کر رہی ہے،ورنہ اب تک وہ بچ نہیں سکتی تھی۔وہ پولیس کے رویے کو جانتی تھی۔وہ جتنا عرصہ بھی اس محکمے میں رہی تھی،اسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی ہے جو اسے سامنے نہ آ کر بچا رہا ہے۔وہ کون ہو سکتا ہے؟ پہلا خیال اسے بی بی صاحب ہی کا آیا تھا۔ممکن ہے وہی ہوں۔اس سے یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ کس حد تک طاقت ور ہیں؟اگر وہ اتنی ہی طاقتور ہیں تو اب سے پہلے وہ کیوں نہیں سامنے آئی تھیں؟ مٹھن خان کا ظلم تو بہت عرصے سے جاری تھا۔کوئی اب تک اس کے خلاف کیوں نہیں بولا؟ کیا اسی کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ وہ وہی مٹھن خان کے خلاف اٹھے گی تو اس کی مدد کی جائے گی؟ لیکن اس نے کوئی اعلان تو نہیں کیا تھا،صرف وہ اور شعیب جانتے تھے،یہ فیصلہ تو اس نے بہت پہلے کیا تھا،جب وہ بی بی صاحب کو جانتی بھی نہیں تھی۔کیا بی بی صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا ہے؟اگر کوئی دوسرا ہے تو اسے کیا دلچسپی ہو گی ؟اور سب سے اہم سوال کہ وہ کیسے اس کے بارے میں جانتا ہے؟ سوالوں کا ایک سلسلہ تھا جو دراز ہو گیا تھا۔اسے اپنا دماغ پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔یہ آگہی بھی بڑی ظالم شے ہے۔اسے جب احساس ہوا تو اس کی نیند ہی اُڑ گئی۔وہ اس پر سوچنا چاہتی تھی۔مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اس وقت جتنا بھی سوچ لے،کوئی سرا پتہ اس کے ہاتھ نہیں آنے والا۔اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں تھی۔اس نے سوچنا بند کر کے اپنے فون کی سم بدل لی۔کچھ دیر بعد اس کا رابطہ بلیو کیٹ سے ہو گیا۔

’’اے بھڑوی،کہاں تھی دو دن سے؟‘‘ حسب معمول اس نے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا

’’بس یار،آج کل پولیس کے چنگل میں ہوں۔‘‘اس نے یوں کہا جیسے یہ کوئی عام سی بات ہے۔‘‘

’’کیا،کیا ہے؟‘‘بلیو کیٹ نے پوچھا

’’کچھ بھی نہیں،ابھی تو کچھ کرنا تھا۔ایک بندے کو ٹھکانے لگانے تھا،بچ گیا سالا۔‘‘اس نے دانت پیستے ہوئے یوں کہ جیسے اسے بہت افسوس ہو رہا ہو۔تبھی بلیو کیٹ بولی

’’یار،میں نہیں پوچھوں گی کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔جو گذر گیا سو گذر گیا،اب بولو،کوئی ہیلپ کروں؟‘‘

’’نہیں،اب ضرورت نہیں،‘‘ یہ کہہ کر وہ لحہ بھر کو رُکی،پھر تجسس سے پوچھا،’’ویسے تُو کر کیا سکتی ہے؟‘‘

’’صرف اپنی ماں کو نہیں مار سکتی،باقی دولت کے لئے میں سب کر سکتی ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ ایک دم سے ہنس دی۔

’’صرف دولت کے لئے؟‘‘اس نے تبصرہ کرتے ہوئے یوں کہا،جیسے وہ کوئی بہت ہی گھٹیا کام کر رہی ہے۔بلیو کیٹ اس کا لہجہ سمجھ گئی۔لیکن

اس نے برا نہیں منایا بلکہ صاف لہجے میں ہنستے ہوئے بولی

’’تم جو مرضی سوچو، مگر اس دنیا میں اگر رہنا ہے تو دولت کے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ تم روٹی نہیں لے سکتی ہو دولت کے بغیر، پیٹ نہیں بھر سکتی ۔انسان ہی دوسرے انسان پر کیوں ظلم کر رہا ہے، آئے دن اخباروں رسالوں میں چھپتا رہتا ہے کہ دنیا کے امیر ترین لوگ کون ہیں، چند ہوتے ہیں، کیوں؟ اور روٹی کے لئے ترسنے والے کتنے ہیں؟، اپنا آپ بیچنے والے کتنی بڑی تعداد میں ہیں سوچا ہے کبھی؟۔‘‘

’’لیکن ہر شے دولت سے خریدی نہیں جا سکتی۔‘‘ نینا نے کہا تو وہ تلخی سے بولی

’’پتہ نہیں کس دنیا میں رہتی ہو تم، سنو، ہمارے اس معاشرے میں، پاکستان ہو یا بھارت کا معاشرہ ہو، اس میں طوائف کو کتنا برا سمجھا جاتا ہے۔ طوائف اپنے آپ کو کیوں بیچتی ہے، نا چاہتے ہوئے بھی، دل پر پتھر رکھ کر ایسے مرد کے ساتھ بھی سو جاتی ہے، جسے وہ دل سے ناپسند کرتی ہے، کیوں؟‘‘

’’ظاہر ہے، دولت کے لئے۔‘‘ نینا نے جواب دیا

’’تھوڑی سی دولت، جس سے ایک دو یا چند دن گذارے جا سکتے ہیں، اسی طرح وہ عورت، جو اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے، وہ اس کے ساتھ ہر رات سونے پر مجبور ہے، کیوں؟‘‘ اس نے پھر سوال جڑ دیا تو نینا نے کہا

’’وہ اس کی بیوی ہوتی ہے، یہ خاندان کی بنیاد ہے۔‘‘

’’نہیں، بنیادی بات یہ ہے میری چھمک چھلو، عورت مجبور ہے روزی روٹی کے لئے۔ وہ ناپسندیدہ مرد کے ساتھ بھی اس لئے سونے پر مجبور ہے کہ اس کے عوض وہ اسے چند سہولیات فراہم کرتا ہے۔ اگر۔! ہمارے معاشرے میں ہر عورت کو اتنی رقم فراہم کر دی جایا کرے کہ وہ سکون سے اپنی زندگی گذار سکے تو وہ کبھی شادی نہ کرے، اور اگر کرے تو اس شوہر کی غلام بن کر نہ رہے جو اسے اپنی باندی بنا کر رکھنا چاہتا ہے، جس کے بارے میں وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ تم مجھے ناپسند ہو، وہ آزاد ہو گی۔ سوچو، ہمارے گاؤں کی عورتیں، جو دن بھر مزدوری کرتی ہیں اور راتوں کو مردوں کا خوش کرتی ہیں، جن کے لئے زندگی عذاب بن چکی ہے، وہ فوراً اس غلامی سے نجات پا لیں۔‘‘ وہ تلخی سے کہتی چلی گئی تھی۔

’’پھر گھر نہیں بچیں گے، مغربی معاشرے کی مانند عورت دھکے کھائے گی اور......‘‘ نینا نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

’’بکواس ہے یہ سب، تم اپنے اور اس معاشرے کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی ہو۔ ان کی سوچ ہی دوسری ہے، ہماری سوچ بالکل مختلف ہے۔‘‘

’’لیکن وہ بھی تو انسان ہیں، سب انسانوں کی فطرت ایک ہے، وہ ہماری طرح کی ہی......‘‘ نینا کہنے لگی تو بلیو کیٹ نے پھر بات کاٹ دی،

’’دیکھو۔! میں تمہیں سوچ کا فرق بتاؤں، جو کسی بھی معاشرے کا ماحول بناتا ہے۔ بلکہ معاشرہ ہی تخلیق کرتا ہے۔ سنو۔! امریکہ یا یورپ میں ایک پندرہ برس کا لڑکا ہے، اس کے دروازے پر ایک دوسرا نوجوان آتا ہے اور آکر کہتا ہے کہ مجھے تمہاری بہن سے ملنا ہے۔ وہ کیا کرے گا؟ اسے اندر لے جائے گا، اپنی بہن سے ملائے گا، اور ممکن ہے اس کی بہن اس کے ساتھ ہی چلی جائے۔ اور اگر ایسا ہی واقعہ، پاکستان یا بھارت میں ہو، کوئی نوجوان آکر کہے کہ مجھے تمہاری بہن سے ملنا ہے تو کیا ہو گا، بولو؟‘‘

’’وہ اسے مار دے گا چاہے خود مر جائے۔‘‘ نینا نے جواب دیا تو وہ بولی

’’میں اس پر بحث نہیں کروں گی کہ کیوں، لیکن......اتنا بڑا فرق ہے۔ بالکل متضاد، یہاں دیکھو، کیا ہو رہا ہے، کہاں چلے گئے ہیں مصلحین، کیوں عورت کی ذلیل برداشت کر رہے ہیں ، ہمارے معاشرے میں صدیوں سے طوائف موجود ہے، اسی طرح ہم اسے ناپسند کرتے ہیں، بلکہ اسے انسان ہی نہیں سمجھتے، اس کی کوئی عزت نہیں، کیوں کیا وہ انسان نہیں ہے؟ اگر ہم اسے انسان سمجھتے ہیں تو اسے آج تک عزت کیوں نہیں دے پائے؟ اگر برا سمجھتے ہیں تو اسے آج تک ختم کیوں نہیں کر پائے۔ میں تاریخ میں زیادہ دور تک نہیں جاتی، بلبن کا دور ہی دیکھ لو، تب انہی طوائفوں کو شہر سے باہر کر دیا گیا تھا، وہ عمل اچھا تھا یا برا، لیکن یہ ثبوت تو ہے نا کہ تب طوائف تھی اور آج بھی ہے، کیا ترقی کی ہم نے؟ اسی

طرح دیکھتی جاؤ، ہڑپہ اور موہنجوڈیرو کے کھنڈرات سے لیکر آج تک ہم نے کیا ترقی کی، کیا شے ایجاد کی؟ مجھے بتاؤ؟‘‘

’’مان لیا بلیو کیٹ، تم سوچتی ہو، پڑھی لکھی ہو؟ کیا عورت کی جسمانی ضرورت نہیں ہے۔ اسے مرد نہیں چاہئے؟‘‘ نینا نے پوچھا تو وہ زہر بھرے لہجے میں بولی

’’اس تلخ حقیقت کے بارے میں مت پوچھو، عورت بھی مرد کو استعمال کرتی ہے۔ میں اصل میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ایک دوسرے کو دھوکا دے کر استعمال کرنے کی بجائے محبت اور احترام کے ساتھ ایک دوسرے کے کام کیوں نہیں آیا جا سکتا، زندگی صرف جنس کے ساتھ نہیں بندھی ہوئی۔‘‘

’’تم ٹھیک کہتی ہو‘‘ نینا نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا

’’تو پھر کوئی بڑا کام کرنے کے بارے میں سوچو، دولت حاصل کرو اور سکون سے جینے کی کوشش کرو۔ یہی حقیقت ہے۔‘‘ بلیو کیٹ نے تلخی سے کہا

’’کیا کر سکتی ہو تم؟‘‘ اس نے پوچھا

’’کام بولو، ہو جائے گا، بس میں ہوا نا تو ہتھیلی پر سرسوں جما دوں گی۔‘‘ وہ ایک دم سے بولی

’’چل پھر، چند دن ٹھہر جا، بتاتی ہوں۔‘‘ اس نے کہا اور پھر اس کے بارے جاننے کی کوشش کرنے لگی۔ نینا کچھ دیر تک کوشش کرتی رہی لیکن بلیو کیٹ نے اپنے بارے میں ذرا سا بھی نہیں بتایا، ہوا تک نہیں لگنے دی۔ اس نے فون بند کر دیا۔ نینا کو یوں لگا جیسے وہ ایک جہان سے باہر آ گئی ہو۔ اس کا بڑا دل کر رہا تھا کہ اپنے اُس سورس سے بات کرے، جو مٹھن خان کے ڈیرے پر تھا۔ اس نے دوسری سم لگا کر کال کر دی۔

وہ سورس ڈیرے پر کام کرتا تھا۔ اسے وہاں کے ہر معاملے کی خبر ہوتی تھی۔ کون، کب، کیا کر رہا ہے، وہ یہ جانتا تھا، پچھلے ایک برس سے وہ ڈیرے کے حالات اور مٹھن خان کی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھتی رہتی تھی۔ کال ملتے ہی وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا

’’جی میڈم، کیا حال ہے؟‘‘

’’میں ٹھیک ہوں، سنا کیا چل رہا ہے؟‘‘ اس نے پوچھا

’’چل تو بہت کچھ رہا ہے۔‘‘ اس نے اسی لہجے میں بڑے تجسس سے کہا، جس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کا اشتیاق بڑھا رہا ہے۔

’’بولو، کیا؟‘‘ اس نے کہا ہی تھا کہ وہ بولا

’’میڈم جی، سچی بات کہوں، سال بھر سے زیادہ ہو گیا، بے شک آپ نے بہت کچھ دیا ہے لیکن اب سمجھ میں آیا ہے کہ آپ کھیل کیا کھیل رہی ہیں۔ ہم غریب لوگ ہیں، جس دن بھی پکڑے گئے تو......‘‘

’’کہنا کیا چاہتے ہو؟‘‘ نینا نے تحمل سے پوچھا۔ وہ اس کی بات سمجھ گئی تھی۔

’’یا پھر آپ کام نہ لو، اگر لو تو اتنا ہو کہ میں بچوں کو دے کر سکون سے مر سکوں۔‘‘ اس نے وہ بات اُگل دی، جو وہ کہنا چاہتا تھا۔ اسے اپنی اطلاع کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ نینا نے ایک لمحے کو سوچا، پھر بولی

’’تم جو بھی سوچ رہے ہو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، لیکن تمہاری سوچ سے بھی زیادہ تمہیں ملتا رہے گا۔ مٹھن خان نے دوسرے بیٹے بارے تفصیل دو، پیسے پہنچ جائیں گے۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ اس نے مختصر کہا تو نینا نے فون بند کر دیا۔ اس نے فون رکھتے ہوئے یہ سوچ لیا تھا کہ اب یہ سورس اس کے کام کا نہیں رہا۔ اس سورس کو سمجھ آ گئی تھی کہ انفارمیشن لینے والی کون ہو سکتی ہے۔ وہ اسے کسی بھی وقت ڈبل کراس کر سکتا ہے، اب اسے کوئی دوسرا بندوبست کرنا ہو گا۔ وہ فون رکھ کر یہی سوچ رہی تھی کہ دوسرے فون پر شعیب کی کال آ گئی۔ اس نے فون اٹھایا تو وہ بولا

''وہ تمہاری میڈم سمیرا تھی نا۔''

''ہاں، کیا ہوا؟'' اس نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا تو وہ بولا

''اس کے گھر میں جس جوئے باز نے اپنا اڈہ بنا لیا تھا۔''

''ہاں ہاں، وہ مٹھن خان کا خاص مہرہ تھا، یہاں سے اُسے بڑی آمدن جاتی تھی۔'' نینا نے سمجھتے ہوئے کہا

'' میں نے اسے مار دیا ہے۔'' اس نے سکون سے کہا

''کیا......؟'' وہ حیرت، خوشی اور دُکھ کی ملی جلی کیفیت میں بولی، پھر لمحہ بھر رک کر کہا، ''اوئے ظالم، مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا، اسے میں نے مارنا تھا۔''

''بس مجھے یہی سمجھ میں آیا۔'' اس نے دھیمے سے کہا

''یار تو نے یہ کر لیا ؟'' اس کی حیرت ابھی کم نہیں ہوئی تھی۔

''کرنا کیا تھا، ایک مہینہ ہو گیا تھا، اس کی ریکی کر وا رہا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں ہر بات پتہ تھی کہ وہ کیا کرتا ہے، کہاں جاتا ہے۔ میں کسی ایسے ہی موقعہ کے انتظار میں تھا۔ اس کا کام کر دیا۔'' اس نے سکون سے کہا

''کیا کیسے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا

''وہ جوئے کے اڈے سے نکل کر اپنے گھر جا رہا تھا۔ ابھی کار میں بیٹھنے والا تھا، اس پر فائر کر دیئے۔ وہ وہیں ختم ہو گیا۔'' شعیب نے بتایا

''فائر تم نے کئے تھے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''نہیں، بابا کا ایک خاص بندہ تھا۔ وہ اب تک شہر سے نکل بھی گیا ہوگا۔''

''اوکے، ٹھیک کیا۔'' نینا نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''اچھا اب تم ایک کام کرو، مٹھن خان کو فون کرو۔ اسے جتاؤ کہ وہ......'' شعیب نے کہنا چاہا تو وہ بولی

''میں سمجھ گئی۔ کرتی ہوں فون۔''

''اوکے، پھر مجھے بتانا۔'' شعیب نے کہا اور فون بند کر دیا۔

کچھ دیر تک نینا اس ٹرانس ہی سے نہ نکلی کہ شعیب بھی اب اسی راہ پر چل نکلا ہے، جس پر وہ گامزن ہے۔ بلاشبہ اسے سمجھ آ گئی تھی کہ کسی ظالم طاقتور کو ختم کرنے کے لئے کتنی رکاوٹیں عبور کرنا پڑتی ہیں۔ حالانکہ اس ظالم طاقتور کے لئے ان رکاوٹوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ جب اور جس وقت اسے یہ احساس ہو جائے کہ یہ رکاوٹیں اس کے خلاف جا سکتی ہیں، انہیں وہ خود ختم کرنے میں لمحہ نہیں لگاتا۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے مٹھن خان کو فون ملا دیا

''کیسا لگا میرا تحفہ، نیند تو نہیں آئی ہوگی تمہیں، خوف آ رہا ہوگا۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا تو مٹھن خان کے منہ سے مغلظات نکلنے لگیں۔ اسی دوران اس نے کہا

''تم جتنی بھی چالاک بن جاؤ، میرے ہاتھ میں ضرور آؤ گی۔ اس وقت میں تم سے پوچھوں گا کہ......''

''شٹ اپ باسٹرڈ، یہ جتنی گالیاں تم نے مجھے دی ہیں، اسے ہزار گنا کر کے میں تجھے دے رہی ہوں، کیونکہ تم اس سے بھی زیادہ کے حقدار ہو۔ باقی رہی ہاتھ آنے والی بات، وہ آتو گئی ہوں، پکڑ لو مجھے۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا

''میں جانتا ہوں کہ تم وہ نہیں جو دکھائی دے رہی ہو۔ تمہارے پیچھے جو لوگ ہیں، میں انہیں بے نقاب کرنا چاہتا ہوں، جڑ سے ختم کر دوں گا تم لوگوں کو۔'' وہ غصے میں بولا

''وہ لیڈی کانسٹیبل پکڑ تو لی ہے۔ پھندا لگاؤ اس کے گلے میں، اسے مار دو، تاکہ کم از کم تمہاری بے عزتی تو نہ ہو۔ ایک گولی نہیں پکڑی گئی جو مسلسل تمہارے بندے مار رہی ہے، ابھی ابھی جوئے کا اڈا بند ہوا ہے، وہ بھی اسی لیڈی کانسٹیبل کے کھاتے میں ڈالو، لوگوں کو بتاؤ، تم نے اپنے بیٹے کی قاتل پکڑ لی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ہنس دی۔

''میں کہتا ہوں تم جتنی بھی کوشش......'' اس نے کہنا چاہا تو نینا نے ڈانٹ دینے والے انداز میں کہا

''شٹ اپ، تم لوگ صرف غریبوں پر ظلم کر سکتے ہو۔ اس لیڈی کانسٹیبل کو پکڑ کر اس پر سارے قتل ڈالو اور اپنی ساکھ بچانے کی کوشش کرو، جو اب نہیں بچے گی۔ جس دن اس پر فرد جرم لگائی گئی، اسی دن میں تیری ساکھ کی دھجیاں اُڑا دوں گی۔ جاؤ یہ گولی کا وعدہ ہے۔''

''دیکھو، تم چاہتی کیا ہو؟'' اس بار مٹھن خان نے خلاف توقع یوں پوچھا، جیسے وہ شکست تسلیم کر گیا ہو۔

''میں تمہاری موت چاہتی تھی، لیکن یہ سزا بہت کم ہے، میں تیری نسل ختم کرنے کے ساتھ ساتھ تیری جڑ ختم کروں گی، میں یہی چاہتی ہوں۔''

''کیوں، میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے، اگر تمہیں کوئی ذاتی رنج ہے تو بتاؤ، اگر کسی نے بھیجا ہے تو کہو، میں اس سے بات کر لیتا ہوں؟'' اس نے مفاہمانہ انداز میں پوچھا۔ یہی وہ لمحہ تھا، جب اچانک نینا کو احساس ہوا کہ غصے میں اس کے منہ سے کوئی بھی ایسی بات نکل سکتی ہے، جس سے وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ گولی آخر ہے کون؟ اس لئے وہ خاموش ہوگئی اور اس نے فون بند کر دیا۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے پرسکون ہوتی چلی گئی ۔وہ سمجھنا چاہتی تھی کہ مٹھن خان ابھی اندھیرے میں ہے یا وہ بھی اس کے ساتھ کھیل رہا ہے۔

وہ سوچنے لگی، اگر اسے شعیب نہ ملتا اور وہ اس طرح کا فون بنانے کی سمجھ نہ رکھتا تو شاید وہ اپنے تمام تر حوصلے اور ہمت کے باوجود کچھ بھی نہ کر سکتی۔ اس کے دل میں شعیب کے لئے آبشار کی مانند پیار پھوٹ پڑا اور وہ اس میں پُور پُور بھیگتی چلی گئی۔ وہ خود پر نازاں ہوگئی کہ جس کے لئے اس کے من میں چاہت ہے، وہ اس کے لئے کس حد تک جا چکا ہے۔ یہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے باہر کھٹکا سنائی دیا۔ یوں لگا جیسے کوئی صحن میں ہے۔ وہ تیزی سے اٹھ گئی۔ اس نے کچے کمرے میں موجود واحد کھڑکی کی درز میں باہر جھانک کر دیکھا تو اندھیرے میں کچھ ہیولے دکھائی دیئے۔ اس نے غور سے دیکھا، وہ دو لوگ تھے۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا، جب اسے لگا کہ وہ باندھ دی گئی ہوئی ہے۔ اس کے پاس پسٹل تھا لیکن وہ اسے استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے احساس تھا کہ یہ بھی اس کی تفتیش ہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔ وہ دونوں صحن میں پھر رہے تھے۔ نینا تیزی سے سوچ رہی تھی کہ ان کے ساتھ کس طرح نپٹا جائے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کچھ فاصلے پر لوہے کا ایک سریا دکھائی دیا۔ اس نے تیزی سے بڑھ کر وہی اٹھا لیا۔ تبھی اس نے للکارنے والے انداز میں پوچھا

''کون ہو تم لوگ؟'' اس کے یوں کہنے پر وہ دونوں ایک دم ٹھٹک گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ لیکن کسی نے جواب نہیں دیا۔ وہ صحن میں چند قدم آگے بڑھے تو نینا نے پھر اسی طرح للکارنے والے انداز میں پوچھا ''میں پوچھتی ہوں، کون ہو تم لوگ؟''

اس پر وہ چند لمحے ٹھٹکے اور پھر تیزی سے واپس پلٹ گئے۔ وہ بالکل سامنے کے دروازے سے باہر نکلے تھے۔ وہ چلے گئے تو اس نے ایک طویل سانس لی۔ اسی وقت اس کی منہ بولی خالہ نے دوسرے کمرے سے آواز دی۔

''کون تھا پتر؟''

''پتہ نہیں خالہ کون تھے۔'' اس نے کہا

''سوچا کوئی چور ہوں گے، تیرے آواز سن کر بھاگ گئے۔'' خالہ نے نیند بھرے لہجے میں کہا تو نینا نے کوئی بحث نہیں کی۔ چپ چاپ اپنی چار پائی پر آبیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں تو نیند پہلے ہی نہیں تھی۔ اس لئے اس نے سونے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ کون ہو سکتے ہیں۔ اگر تو وہ پولیس کی طرف سے تھے، تو یہی دیکھنے آئے تھے کہ نینا اس گھر میں موجود ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے شہر میں ایک جوئے باز کا قتل ہو

چکا تھا، جوکم ازکم پولیس کے لئے ایک اہم بندہ تھا۔دوسرے اگروہ مٹھن خان کی طرف سے آئے تھے تو صرف یہی یقین کرنا تھا کہ وہ اگر یہاں پر ہے تو پھر قتل کس نے کیا؟ دونوں صورتوں میں نینا ہی کا فائدہ تھا۔

صبح کی تیز دھوپ نے پورا شہر روشن کر رکھا تھا۔نینا تیار ہو کر شہر جانے والی سڑک پر آ گئی۔وہ ایک عام سی وین میں بیٹھ کر شہر جا پہنچی۔اس کا رُخ ڈی ایس پی آفس کی طرف تھا۔جہاں عملے کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔وہ وہاں جا کر بیٹھ گئی۔اسے وہاں کچھ دیر بیٹھنا پڑا۔جیسے ہی وہ ڈی ایس پی سے ملنے کی اجازت ملی،اس نے دیکھا۔وہی سفید کپڑوں والے وہاں پر آ گئے۔وہ دونوں لمبے قد کے تھے،انہوں نے سیاہ چشمے لگائے ہوئے تھے۔وہ آفس میں داخل ہوئی تو وہ بھی وہیں آ گئے۔اس نے ڈی ایس پی کو سلیوٹ کیا تو اتنے میں وہ بھی کمرے میں داخل ہو گئے۔

''ہاں بھئی کیسے آئی ہو؟''

''سر۔!رات میں جس گھر میں تھی،وہ کچھ لوگ چاردیواری پھلانگ کر آ گئے۔اگر وہ پولیس کے لوگ تھے تو کیوں؟اور اگر وہ کوئی غیر تھے،تو بھی مجھے حفاظت چاہئے۔''اس نے مودبانہ لہجے میں کہا تو ایک سفید کپڑے والا جو اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا،بڑے سکون سے بولا

''وہ ہمارے لوگ تھے۔صرف یہ دیکھنے گئے تھے کہ آپ کہاں ہو۔مطلب جن لوگوں کو یہ شک تھا کہ ان کی مطلوبہ عورت آپ ہو،انہیں یقین دلانے کے لئے ہم نے ایسا کیا۔سوری آپ رات بھر پریشان رہیں۔آپ جا سکتی ہیں۔اب آپ کو کوئی پریشان نہیں کرے گا۔''

''تھینک یو۔''نینا نے ڈی ایس پی کی طرف دیکھ کر کہا تو ڈی ایس پی ہی اشارہ کرتے ہوئے بولا

''تم جا سکتی ہو۔''نینا نے سنا،سلیوٹ کیا اور آفس سے نکلتی چلی گئی۔وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ نگرانی میں ہے۔اسے یونہی نہیں چھوڑا جائے گا۔وہ سیدھی کوارٹر چلی گئی۔آپی فوزیہ ڈیوٹی پر تھی۔وہ ایک بستر پر لیٹ کر سکون سے سو گئی۔اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اس نے وہی کچھ باور کرانا ہے، جو وہ خود چاہتی ہے۔

☆......☆......☆

شام ڈھلے وہ کوارٹر سے نکلی اور گاؤں کی طرف چل نکلی۔اس نے یہ محسوس کیا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے کہ نہیں؟ وہ ایک تربیت یافتہ لڑکی تھی۔کوارٹر سے گاؤں کی سڑک پر اترنے تک اس نے یقین کر لیا کہ کوئی بھی اس کے تعاقب میں نہیں ہے۔کچھ دیر بعد وہ خالہ کے گھر آ پہنچی۔اس کا لباس بری طرح مسلا ہوا تھا۔لیکن وہ یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔وہ اسی گھر میں جانا چاہتی تھی، جہاں شعیب نے اسے رکھا تھا۔یہاں آنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا۔ اس کے فون ابھی تک یہیں خالہ کے گھر میں پڑے ہوئے تھے۔وہ کچھ دیر خالہ سے باتیں کرتی رہی۔تب تک اندھیرا چھا گیا۔جب اسے اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر یہاں سے نکل سکتی ہے تو وہ وہاں سے نکل پڑی۔وہ سڑک پر آئی،ایک عام وین میں بیٹھ کر شہر جا پہنچی۔وہاں سے رکشہ لیا،اس نے رکشے ہی میں چادر بدلی اور اسی بنگلے میں جا پہنچی۔وہاں صرف باغ علی تھا۔باقی ملازمین وہاں نہیں تھے۔وہ سیدھی اپنے کمرے میں گئی۔شاور لے کر اس نے لباس پہنا اور سکون سے بیڈ پر لیٹ گئی۔زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ شعیب بھی وہیں آ گیا۔جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا،نینا نے لیٹے لیٹے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔وہ چند لمحے دیکھتا رہا،پھر ہولے ہولے اس کے پاس آ کر ایک دم سے اس پر گر گیا۔نینا کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

''کیسی ہو جاناں؟''اس نے اسے بانہوں میں بھینچتے ہوئے پوچھا تو نینا نے مسکراتے ہوئے کہا

''ابھی تک تو بچی ہوئی ہوں۔''

''لیکن اب میرے ہاتھوں سے نہیں بچ پاؤں گی۔''اس نینا کو اپنے اوپر سے نیچے کی طرف کرتے ہوئے کہا

''سچ......؟''وہ حیرت اور شوخی سے بولی

”میں تمہیں آج نہیں چھوڑوں گا۔“ اس نے گھمبیر لہجے میں کہا تو نینا نے ایک دم سے اپنا وجود ڈھیلا چھوڑ دیا اور پھر آنکھیں بند کر کے بولی

”میں منتظر ہوں میری جاں۔ آؤ مجھے فتح کر لو۔“ اس نے کہا ہی تھا کہ شعیب نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا

”اُو چل، فتح کرا سے بڑی آئی جیسے کوئی ملک ہے۔“

وہ اس سے ذرا فاصلے پر بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو نینا اٹھتے ہوئے بولی

”آئے ہائے، مجھ پر چڑھائی تو سکندر کی طرح کی تھی، یہ بھیگی چڑی بن کر کیوں بیٹھ گیا ہے یہاں؟“

”تجھ پر پیار آ رہا تھا، بہت پیار، لیکن تو جھٹ کچھ دوسرا سوچ لیتی ہے، جس سے مجھے بڑی چڑ ہے۔ خیر۔! مجھے یہ بتا یہ تو نے کیا سوچا کہ سیدھی تھانے جا پہنچی، ان کی ناک کے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔ اگر تفتیش میں کچھ ہو جاتا تو......؟“ شعیب نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا تو چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر پرسکون انداز میں بیٹھ کر بولی

”یار، جن دنوں میں ٹریننگ کر رہی تھی، انہیں دنوں میں نے ایک مجرم کی نفسیات پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ فائلوں میں کتابوں میں بہت کچھ پڑا ہوا ہے۔ یہ سب ایک طرف، میں تجھے ایک اور بات بتاتی ہوں۔“

”وہ کیا بات ہے؟“ اس نے پوچھا

”انسان کے اپنے سوچنے کی ایک حد ہے۔ یہ حد بھی اس نے خود ہی لگائی ہوئی ہے ورنہ قدرت نے اسے یہ صلاحیت دی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ذہن کو جس قدر چاہئے وسعت دے دے۔ لیکن ہم اپنی معاشرتی قدروں کے تحت اجتماعی ہسٹیریا کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہم وہی سوچتے ہیں، جو بنی بنائی سوچ ہمیں دی جاتی ہے اور اس پر کولہو کے بیل کی مانند چلتے رہتے ہیں۔ کبھی اس سے ہٹ کر نہیں سوچا۔ قدرت نے ہمارے سوچنے پر پابندی نہیں لگائی، ہم ہر طرح کا سوچ سکتے ہیں۔ لیکن کیوں نہیں سوچتے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے اور یہی دراصل سوچنے والی بات ہے۔ ہم یہ سوچ کیوں رکھتے ہیں۔“ نینا نے یوں کہا جیسے وہ بہت گہری بات کر رہی ہو۔

”میں تمہاری بات نہیں سمجھا؟“ وہ بولا

”سامنے کی بات ہے، ہمارے ہاں یہ طے ہو چکا ہے کہ مجرم پولیس سے بھاگتا ہے۔ وہ حوصلہ نہیں کرتا کہ فورسز کا سامنا کر سکے۔ میرے بارے ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، صرف شک تھا۔ کوئی یہ نہیں سوچ سکتا کہ میں ان کا سامنا کر لوں گی۔ میں نے حوصلہ کیا اور یہ سارا کھیل حوصلے کا ہے میری جان، ایک حد سے زیادہ کا حوصلہ، عام ذہن اسے پاگل پن یا جنون کہے گا۔ لیکن میں نے اسی کا فائدہ اٹھایا۔“

”تمہارے ذہن میں یہ بات آئی کہاں سے؟“ اس نے پوچھا تو وہ بولی

”ایک بلی ہے، نیلے رنگ کی۔ میں اس سے باتیں کر رہی تھی کہ مجھے اچانک خیال آیا اور میں نے اس پر عمل کر لیا۔“

”بلی؟ نیلے رنگ کی؟“ شعیب نے حیرت سے پوچھا

”تم اپنا دماغ مت کھپاؤ۔“ نینا نے لاپرواہی سے کہا

”تو کیا کروں، تیرے پاگل پن کو سمجھوں نا۔“ اس نے اکتاہٹ سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی

”تم صرف اتنا سوچو کہ ہم نے اب کرنا کیا ہے؟“

”جب تک سامنے رہے، ان کا شک ختم نہیں ہونے والا اور ہم نے ہاتھ پر ہاتھ تو نہیں دھر کر بیٹھنا۔“ وہ بولا

”تو کیا چھپ جائیں؟“ اس نے پوچھا

”فی الحال تو یہی کرنا ہو گا۔“ اس نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تو وہ بولی

”نہیں اب ہی تو وقت آیا ہے۔ میں نے سوچا ہے کہ کیا کرنا ہے۔“ نینا نے سوچتے ہوئے کہا

’’کیا سوچا، ذرا میں بھی تو سنوں۔‘‘شعیب نے گہری سنجیدگی سے کہا تو وہ بولی

’’مٹھن خان کا بڑا بیٹا، ارمان خان، اسے.....‘‘اس نے کہنا چاہا تو شعیب نے حیرت سے کہا

’’اتنی جلدی اسے......نہیں، وہ گھیر لیں گے۔‘‘

’’پوری بات سنتے ہیں سوھنا، اتنی جلدی نہیں کرتے۔‘‘ نینا نے مسکراتے ہوئے کہا، جس پر وہ خاموش رہا تو وہ بولی،’’ابھی صرف اسے ارمان خان کو گھیرنا ہے، اسے مارنا نہیں، اس کا کوئی قصور بھی نہیں ابھی تک، ہاں اگر وہ سامنے آیا، یا اس نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی تو پہلا نشانہ وہی ہوگا۔‘‘

’’اسے گھیرو گی کیسے؟‘‘اس نے پوچھا

’’نیلی بلی کے ذریعے گھیروں گی۔اب پوچھو گے وہ کون ہے تو وہ فون کی دنیا سے ہے۔ظاہر ہے اب اسے رقم دینا ہے، اس کا اکاؤنٹ تو چاہئے، رابطہ ہوگا تو پتہ چل جائے گا۔‘‘ نینا نے کہا تو شعیب نے مسکراتے ہوئے کہا

’’تم اس کا نمبر دو، میں بتاتا ہوں کہ وہ کس پانی میں ہے۔‘‘

’’اچھا......!‘‘وہ حیرت اور تجسس سے بولی

’’ہاں، سب پتہ چل جائے گا۔‘‘اس نے کہا تو نینا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی

’’تاجاں کو تحفظ دینا ہے۔اس وقت وہ پتہ نہیں کہاں ہوگی۔اس نے رابطہ بھی نہیں کیا ابھی تک۔‘‘

’’تاجاں سے رابطہ کرو۔اور بلیو کیٹ سے بھی۔لیکن ایک بات سنو۔‘‘شعیب نے گہری سنجیدگی سے کہا تو خاموش رہی، تب وہ لمحہ بھر سانس لے کر بولا،’’ میں ایک بہت ضروری کام سے دوبئی جا رہا ہوں۔دو یا تین دن لگیں گے۔تم یہ دو تین دن یہاں رہو گی، اس طرح کہ جیسے تم اس زمین پر ہو ہی نہیں۔بعد میں آکر ساری تفصیل بتاتا ہوں۔‘‘

’’اوکے، میں بھی تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں۔‘‘نینا نے کہا

’’میں چلتا ہوں۔چند گھنٹوں بعد میری فلائیٹ ہے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور چل دیا۔

وہ کمرے میں تاریکی کر کے سکون سے پڑی موجودہ حالات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔اس کا دماغ اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا کہ پولیس اسے یوں آسانی سے چھوڑ دے۔ان کے پاس تو ایسے حربے ہوتے ہیں کہ وہ کسی ایسے بندے سے بھی وہ سب منوالیں جو اس نے کیا ہی نہ ہو۔اس نے بہت سوچا، کئی کچھ ذہن میں آیا پھر خود ہی اس نے رَدّ کر دیا۔یہاں تک کہ وہ سکون سے سو گئی۔

☆......☆......☆

دو دن اور دو راتیں وہ خوب آرام کرنے کے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔یہی وہ دن تھے، جب اس نے پوری توجہ سے اپنے انتقام کے بارے میں سوچا تھا۔اسے اپنی قوت کا اندازہ تھا اور وہ مٹھن خان کی طاقت کو بھی جانتی تھی۔اگر صرف مٹھن خان کو قتل کرنا ہوتا تو وہ اب تک کر چکی ہوتی۔مگر وہ تو اسے جڑ سمیت ختم کرنے کا ضد لئے ہوئے تھی۔پہلے پہل تو یہ سب کچھ اس نے زندگی کا سب سے مشکل ترین مرحلہ سمجھا۔اب اسے اس کھیل میں مزہ آنے لگ گیا تھا۔اس کے دماغ نے نجانے کیسے کیسے راستے دکھائے تھے۔ان میں کچھ ممکن اور کچھ ناممکن دکھائی دے رہے تھے۔وہ اسی ممکن اور ناممکن میں الجھی رہی۔اس دوران اس نے فون کی دنیا میں نجانے کہاں کہاں تک رسائی کی بلیو کیٹ تو اس کی طرف سے کسی کام کی منتظر تھی۔اس نے کام دینے کا وعدہ کر لیا۔بہت سارے رابطوں میں اسے ایک پرانی سہیلی بھی ملی۔جو اپنی عادتوں کے حساب سے تو انتہائی وحشت ناک تھی۔اسے یہ کریز رہتا تھا کہ کون لڑکی اس کے ساتھ کتنا وقت گذار سکتی ہے۔اپنی اسی عادت کے سبب اگر وہ وحشت ناک تھی تو دوسری جانب وہ شہر کے پوش علاقے میں پروڈکشن ہاؤس چلا رہی تھی۔ جہاں مختلف ڈاکومنٹریز، ڈرامے اور مختلف

پروڈکشن ہوتی تھی۔اس لئے اس کی رسائی بہت سارے ایسے لوگوں سے تھی، جو جرائم کی دنیا میں بہت آگے نکل گئے ہوئے تھے۔نام تو اس کا کچھ اور تھا لیکن وہ خود کو ’’سورتی‘‘ کہلانا پسند کرتی تھی۔سورتی نے نینا میں اس لئے دلچسپی لی تھی کہ نینا اسے اپنے مطلب کی لگی تھی۔لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اسے پتہ چلا کہ نینا اس سے بھی آگے کی شے ہے۔جلد ہی بات ناولوں سے کہانیوں کی طرف چلی گئی۔سورتی اس سے اپنے پروفیشن کی باتیں کرنے لگی۔وقت گذرنے کے ساتھ یہ دلچسپی کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھتی گئی۔نینا نے اس کے کئی کام کئے۔اب وقت اور حالات بدل چکے تھے۔نینا کی باتوں میں واضح فرق آچکا تھا۔اس بار سورتی نے نینا سے ملنے کی خواہش کی، جسے وہ ٹال گئی۔

اس شام وہ بنگلے کے عقب میں بنے باغ میں تھی۔ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔آسمان صاف تھا۔وہ پودوں کے درمیان سفید کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے ہلکے سبز رنگ کا شلوار قمیص پہنا ہوا تھا۔جس کے ساتھ سفید آنچل اس کے گلے میں تھا۔ وہ موسم کا لطف لینے نکلی تھی لیکن ذہن میں وہی باتیں گونج رہی تھیں، ایک سے ایک نیا خیال ابھر رہا تھا۔لیکن ایک سوال ایسا تھا، جو اس کے دماغ میں چبھ رہا تھا۔ایسے میں وہ یہی سوچ رہی تھی کہ بی بی صاحب سے بات کرے۔وہ اٹھی اور آہستہ آہستہ بیڈ روم میں جا پہنچی۔اس نے فون آن کیا اور بی بی صاحب کے نمبر ملا دیئے۔چند لمحوں بعد اس کی کال رسیو کر لی گئی۔حال احوال کے بعد اس نے وہ سوال دہرا دیا جو اس کے دماغ میں چبھن بنا ہوا تھا۔

’’نینا۔!تم نے اس پر سوچا تو میں بتا دیتی ہوں۔وہ دونوں سفید کپڑوں والے اپنے ہی لوگ تھے۔انہی کی وجہ سے یہ سارا معاملہ ٹھیک ہو گیا ہے۔‘‘بی بی صاحب نے اپنے مخصوص لہجے میں اسے بتا دیا۔

’’میں بھی یہی سمجھ رہی تھی ورنہ......‘‘نینا کہتے کہتے رک گئی تو بی بی صاحب بولیں۔

’’فکر نہیں کرو، پولیس اب تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔اب تمہارے ذمے ایک کام ہے،لیکن پہلے صورت حال سمجھ لو۔‘‘

’’جی فرمائیں۔‘‘اس نے تیزی سے کہا

’’ صورت حال اب یوں ہو گئی ہے کہ اعجاز اب تم سے شادی نہیں کر رہا ہے۔کیونکہ اس کے والدین نہیں مان رہے ہیں۔وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے جو جرائم کی دنیا سے منسلک رہی ہو۔اس وجہ سے وہ روٹھ کر دوبئی چلا گیا ہے۔اب تمہارے پاس کرنے کو کچھ نہیں۔سو تم نے فاخرہ درانی کے ہاں نوکری کر لی ہے۔‘‘بی بی صاحب نے کہا تو اس نے ساری صورت حال سمجھتے ہوئے پوچھا

’’وہی فاخرہ درانی، جو عورتوں کے حقوق کی تنظیم چلاتی ہے اور بزنس مین درانی کی بیوی ہے؟‘‘

’’ہاں وہی، وہ وہاں کام کرنے کی جو بھی تفصیل بتائے ،سکون سے سن لینا، مگر جو کرنا ہے، وہ تمہیں بعد میں پتہ چل جائے گا۔‘‘بی بی صاحب نے کہا تو نینا کو ایک دم ایسا لگا جیسے وہ اسے اپنے مقصد سے کہیں دور لے جانا چاہتی ہے۔اس کا مقصد تو مٹھن خان کو ختم کرنا تھا۔لیکن یہ کس کام پر لگایا جا رہا تھا؟ کہیں اس پر احسان کر کے اس سے اپنی مرضی کے کام تو نہیں لئے جائیں گے؟ کیا اب اسے بلیک میل کیا جائے گا؟ کیا اسے ابھی سے بتا دینا چاہئے؟ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے بی بی صاحب کی آواز سنائی دی،’’کیا سوچ رہی ہو؟‘‘

’’کک......کچھ نہیں، آپ کی بات سن رہی ہوں۔‘‘اس نے تیزی سے کہا، وہ اپنی بات کہہ نہ سکی

’’دیکھو نینا۔!یقین سب سے بڑی دولت ہوتی ہے۔تم شاید نہیں جانتی ہو کہ تم کیا کرنے جا رہی ہو۔کسی پر نہیں خود پر یقین رکھو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘بی بی صاحب نے کہا

’’جی میں صبح ہی ان سے مل لوں گی۔‘‘وہ تیزی سے بولی

’’ہاں کل مل لینا۔‘‘ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا

’’جی ٹھیک ہے۔‘‘نینا نے کہا تو الوداعی کلمات کے ساتھ کال بند کر دی گئی۔فطری طور پر وہ بہت کچھ سوچتی رہی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اپنے ٹریک سے ہٹ گئی ہے۔بہت سارے خیال اس کے ذہن میں آئے۔جس سے اس کی بے چینی بڑھنے لگی۔کچھ دیر بعد ایک دم سے اس نے وہ

سب کچھ دماغ سے نکال دیا جو اسے پریشان کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔

اس وقت شام پھیل چکی تھی، وہ منتشر دماغ کے ساتھ بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اسے پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اٹھی اور کھڑکی تک چلی گئی۔ جہاں سے اسے دکھائی کچھ نہ دیا۔ وہ پلٹ کر بیڈ تک آئی ہی تھی پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ اس نے اوپر سے دیکھا، لاؤنج میں شعیب کھڑا باغ علی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے ان دونوں کی باتوں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شعیب کے چہرے پر پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے پوری بات سنی اور پھر یونہی اوپر کسی کا احساس کر کے دیکھا تو اسے نینا کھڑی دکھائی دی۔ جیسے ہی اس پر نگاہ پڑی اس نے نینا کو نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اسی لمحے نیچے کی جانب چل پڑی۔ اس دوران باغ علی اسے اپنی بات کہتا رہا۔ نینا جیسے ہی شعیب کے قریب گئی، باغ علی خاموش ہو گیا۔ نینا نے شعیب کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا

''کب آئے؟''

''سیدھا ائیرپورٹ سے آ رہا ہوں۔'' اس نے نینا کے چہرے پر دیکھتے ہوئے زبردستی کی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا تو نینا نے پوچھا

''خیریت ہے شعیب؟''

''نہیں، خیریت نہیں ہے۔ آج صبح مٹھن خان کے لوگوں نے بھائی پر قاتلانہ حملہ کیا ہے اور وہ اس وقت ہسپتال میں ہے۔ ان کی حالت تشویش ناک ہے۔ مجھے ابھی باغ علی نے بتایا ہے۔ مجھے کسی نے اطلاع نہیں دی تھی۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے تیزی سے بتایا تو باغ علی نے شرمندہ سے لہجے میں دھیرے سے کہا

''بابا سائیں نے سختی سے منع کیا تھا۔''

''اب کیسی حالت ہے، چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔'' نینا نے بے تابی سے کہا

''نہیں، تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی، اس طرح اس کا شک یقین میں بدل جائے گا۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح سامنے آ جاؤ، یا تمہارا تعلق مجھ سے ثابت ہو جائے۔''

''لیکن میں ان کے سامنے......'' اس نے کہنا چاہا تو شعیب نے سختی سے کہا

''ایسا بالکل بھی نہیں کرنا، میں جا رہا ہوں، مگر تم نے کسی بھی حال میں مجھ تک نہیں پہنچنا، جب تک میں نہ کہوں، سامنے نہیں آنا، سمجھ گئی ہو نا میری بات؟''

''سمجھ گئی۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''میں فون پر رابطہ رکھوں گا۔'' اس نے کہا، چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر خود پر قابو پاتا ہوا فوراً ہی پلٹ گیا۔ باغ علی اسے پورچ تک چھوڑنے گیا۔

شعیب کے چلے جانے کے بعد اس نے باغ علی کو بلایا۔ وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تو اس نے کہا

''پوری بات بتاؤ۔''

''بی بی جی، مجھے تو بابا سائیں کا فون آیا تھا۔ انہوں نے یہ واقعہ ہو جانے کے بارے میں بتایا اور آپ سے ذکر تک نہ کرنے کا سختی سے حکم دیا تھا۔''

''کیسے ہوا، کچھ پتہ چلا؟'' نینا نے ایک طویل سانس لے کر دھیرے سے پوچھا

''وہ فارم ہاؤس کی طرف جا رہے تھے۔ گارڈ بھی ساتھ تھے۔ کچھ لوگ ان کی گاڑی کے تعاقب میں آئے۔ انہوں نے ایک دم سے گاڑی پر حملہ کر دیا۔ ان کے دونوں گارڈ اور ڈرائیور موقع پر مارے گئے، وہ شدید زخمی ہیں۔'' باغ علی نے افسردہ لہجے میں بتایا

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔''اس نے کہا اور اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی طرف چل دی۔

یہ کوئی نئی یا انہونی بات نہیں تھی۔ان کی دشمنی چل رہی تھی۔مٹھن خان کے لوگوں کو موقعہ ملا اور انہوں نے وار کر دیا۔ یہ فطری سی بات بھی تھی کہ مٹھن خان ان دنوں شدید دباؤ کا شکار تھا۔ایک طرف اس کے اپنوں کی لاشیں اٹھ رہی تھیں تو دوسری جانب علاقے میں جو اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، وہ ختم ہو رہی تھی۔تیسرا اسے یہ سراغ نہیں مل رہا تھا کہ اس کے بندے جو مار رہی ہے اصل میں وہ ہے کون؟

یہ ساری باتیں اس وقت نینا کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں، اہم بات یہ تھی کہ شعیب کا ردعمل کیا ہوگا؟ شعیب اس کے اتنا کام آیا تھا۔اگر یہ کہا جائے کہ اسی کی وجہ سے وہ مٹھن خان کو اتنا نقصان پہنچا چکی ہے تو یہی سچ تھا۔اب وہ اُس کے کتنا کام آسکتی ہے؟ نینا کے لئے اصل امتحان اب یہی تھا۔اس کے لئے اسے کیا کرنا ہوگا، یہ بھی نینا کو نہیں معلوم تھا۔وہی سوچتی جا رہی تھی کہ باغ علی کمرے میں آ گیا۔اس نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔

''وہ چھوٹے سائیں اب اس دنیا میں نہیں رہے۔''

''اوہ۔!''نینا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔پھر چند لمحوں بعد بولی،''ٹھیک ہے۔میں......''

''بی بی جی، آپ نے کہیں نہیں جانا، شعیب بابا نے سختی سے کہا ہے۔وہ رابطہ کریں گے۔''باغ علی نے دھیمے سے کہا

''اوکے، میں یہیں ہوں۔''اس نے جواب دیا اور اٹھ کر بیڈ پر جا بیٹھی۔اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔وہ ان لمحات میں شعیب کے لئے کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے سورتی یاد آ گئی۔اس نے چند لمحے سوچا اور اسے کال کر دی

''تو مجھ سے ملنے کا پلان کر لیا تو نے؟''سورتی نے پوچھا

''ارے نہیں، صرف ایک ٹپ دے رہی ہوں، اگر اس پر کام کرو تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔''نینا نے کہا

''فائدے کی بات ذرا جلدی بولو۔''اس نے ہنستے ہوئے کہا تو نینا نے بڑی سنجیدگی سے بتایا

''ایم این اے مٹھن خان کے علاقے میں انہی چند مہینوں میں کئی ساری وارداتیں ہو چکی ہیں، جانتی ہو؟''

''ہاں یار، ایک دم سے وہاں سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔''وہ دلچسپی سے بولی

''کیوں ہو گیا یہ سلسلہ؟ اس پر نہیں سوچا؟''اس نے کہا

''بات تو سوچنے کی ہے؟''وہ بولی

''یہ ایک بڑی رپورٹ بنتی ہے۔مٹھن خان یہ سب کروا رہا ہے۔کیونکہ اسے کسی گولی نام کی عورت سے خطرہ ہے جو اسے مارنے کے لئے کہیں سے آ گئی ہے۔کہا جاتا ہے کہ اسی عورت نے اس کے بیٹے کو بھی مارا ہے۔جس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔سمجھ رہی ہو کہ فائدہ کیا لینا ہے؟''نینا نے کہا تو سورتی چونکتے ہوئے بولی

''ارے واہ۔! لمبی رقم......''یہ کہہ کر اس نے پوچھا،''اور تمہارا کیا فائدہ ہوگا؟''

''اس کی سیاسی ساکھ تباہ کرنے کے لئے جتنی معلومات مل جائے۔''اس نے کہا

''مل جائے گی۔''سورتی نے کہا پھر تھوڑی معلومات کے بعد فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

اگلے دن کی شام ڈھل رہی تھی۔جب شعیب آ گیا۔وہ سیدھا اس کے پاس بیڈ روم ہی میں آیا۔اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہی اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ نینا کو بتایا۔

''یہ تصدیق ہو گئی ہے کہ حملہ مٹھن خان نے ہی کروایا ہے۔جو بندے بھیجے تھے، ان کا بھی پتہ چل گیا ہے۔ایف آئی آر درج نہیں کروائی

ے''

''ہاں، اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہونا تھا؟''نینا نے پوچھا

''تم جانتی ہو۔''اس نے تلخی سے کہا

''پھر کیا ارادہ ہے؟''نینا نے یوں پوچھا کہ شعیب کو اس کی سوچ کے بارے میں احساس ہو گیا۔

''نہیں، تم نہیں اور نہ ابھی۔ کیونکہ وہ تمہیں بل سے نکالنا چاہتا ہے اور یہ حملہ اس نے کیا ہی اسی لئے ہے۔ یہ تم بھی سمجھتی ہو۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ وہ اگلا حملہ مجھ پر کروائے گا، میں مر گیا تو......''اس نے کہنا چاہا تو نینا نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ انتہائی لاشعوری میں ہوا تھا۔ شعیب اپنی بات بھول گیا اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ نینا کو بھی احساس نہیں تھا کہ اس نے کیا کیا، جیسے ہی اسے احساس ہوا۔ وہ ایک دم سے چور سی بن گئی۔ پھر چہرہ ایک طرف کر کے، اس سے نگاہیں چراتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔ اسے یوں بھینچ لیا جیسے وہ کہیں دور جا رہا ہے۔ تبھی شعیب نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

''ریلیکس، نینا۔ آئندہ ایسے نہیں کہوں گا۔''تبھی نینا الگ ہوتے ہوئے اس سے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی

'' کب تک، شعیب کب تک میں باہر نہیں نکلوں گی۔ تم مجھے بتاؤ، کہاں ملیں گے وہ۔ انہیں ختم کرنا تو......''وہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہی تھی کہ وہ بات کاٹتے ہوئے وحشت ناک لہجے میں بولا

''آج رات تیار رہنا، بتاؤں گا کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''نینا نے شعیب کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جہاں انتہائی درجے کی سختی تھی۔

''چلتا ہوں۔''وہ اٹھتے ہوئے بولا اور پھر نکلتا چلا گیا۔ وہ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ پلان کیا ہے اور کیا کرنا ہے؟

شام ڈھل کر رات میں بدل گئی تھی۔ شعیب کا دُور دُور تک کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ انتہائی بے چینی سے بیڈ روم تک محدود تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی نکلے اور ان سب کو ختم کر دے، جنہوں نے اس کی محبت شعیب کو دکھ دیا تھا۔ کئی بار اس نے فون پکڑا اور شعیب کو کال کرنے کے لئے نمبر بھی ملائے، لیکن ہر بار وہ رُک جاتی۔ نجانے وہ کس مسئلے میں پھنسا ہوا تھا۔ کیا کر رہا تھا۔ اس نے سختی سے منع کیا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے خود کو روک کر رکھا ہوا تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھی کہ سورتی کی کال آ گئی۔ ذہنی دباؤ کے اس ماحول میں اُسے سورتی کی کال آنے پر اچھا نہیں لگا۔ وہ کال سننا نہیں چاہتی تھی۔ ایک بار کال آ کر ختم ہو گئی۔ ذرا سی دیر سکون ہوا، پھر فون بج اٹھا۔ اس نے کال رسیو کر لی۔

''یار وہ لوگ تو بڑے سیانے نکلے، منٹوں میں ہی لائین پر آ گئے''اس نے حیرت بھرے لہجے میں بتایا

''کیا ہوا؟''اس نے پوچھا

''میں نے ان سے بات کرنے سے پہلے تھوڑا ہوم ورک کیا، تو مجھے یہ کام کچھ بڑا لگا، میں اپنی کہانی بنائی اور ڈال دی کہانی، اس پر فوراً ہی انہوں نے ڈیل کرنے کی بات کی۔''اس نے بتایا لیکن حیرت اب بھی اس کے لہجے میں تھی۔

''کیسی ڈیل؟''نینا نے پوچھا

''وہ بات کرنا چاہتے ہیں۔ سمجھانا چاہتے ہیں، یہ کام ان کا نہیں وہ تو مظلوم ہیں۔ فوراً ملنا چاہتے ہیں۔''اس نے بتایا

''کہاں ملنا چاہتے ہیں اور کون ملے گا؟ کیا خود مٹھن خان بات کرے گا؟''نینا نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا

''نہیں، اس کا بیٹا ہے ارمان خان، اس نے ساری بات کی ہے اور وہی ملے گا کسی ہوٹل یا ریستوران میں، کہہ رہا ہے کہ ابھی بتائے گا مجھے۔''

سورتی نے کہا ہی تھا کہ نینا نے پوچھا

’’ وہ تو ٹھیک ہے، مگر مجھے کیوں کال کی؟‘‘

’’یہ پوچھنے کے لئے کہ وہ ارمان خان کیسا بندہ ہے، تا کہ میں پھر اُسے، اُسی کے حساب سے ڈیل کروں نا، میں اکیلی چلی جاؤں اور وہ اپنے بندے ساتھ لے آئے اور پھر......‘‘ وہ کہتے کہتے ہوئے رُک گئی۔ وہ اپنی ساری بات کہہ گئی تھی۔

’’ دیکھو، وہ تھوڑا عرصہ پہلے ہی باہر سے آیا ہے، میرے خیال میں لندن سے، وہیں کہیں پڑھ رہا تھا۔ اس لئے دیسی بدمعاشی نہیں کر رہے گا، یا پھر ٹریپ بھی کر سکتا ہے، یا کچھ بھی کیونکہ میں اس کے بارے میں نہیں جانتی، اور نہ کبھی اس سے سامنا ہوا۔‘‘ نینا نے گول مول سی بات کی

’’مطلب رسک ہے؟‘‘ سورتی نے کہا

’’ دیکھ لو، تم اپنا تحفظ کر لینا نا، پھر ملنا، اسے اپنی جگہ پر بلاؤ، اس کی جگہ پر کیوں جاؤ۔‘‘ نینا نے مشورہ دیا

’’بالکل، میں اسے فائیو سٹار میں ہی بلاتی ہوں۔ وہیں بات کرتے ہیں۔‘‘ سورتی نے کہا

’’ٹھیک ہے، بتانا پھر۔‘‘ نینا نے کہا

’’ بتاتی ہوں کہ کیا ہوا۔ پھر اسی حساب سے معلومات بھی تو لوں گی نا تم سے، اوکے پھر......‘‘ سورتی کہتے ہوئے رُک گئی

’’اوکے۔‘‘ نینا نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اسی لمحے اس کا دروان خون تیز ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ بے چین ہو گئی۔ اسی بے چینی میں اس نے خود سے طے کر لیا کہ اگر اگلے دس منٹوں میں شعیب نہ آیا تو وہ خود نکل پڑے گی۔

اس نے تنگ نیلی جین کے ساتھ سیاہ کرتا پہن لیا۔ اس کے ساتھ بڑا سا رارومال لے کر اسکارف کے انداز میں سر پر باندھ لیا۔ جس سے کافی حد تک اس کا بھاری سینہ ڈھک گیا تھا۔ اس نے خود کو آئینے میں دیکھا، پھر جیسے ہی اس کی نگاہ اپنی سینے پر پڑی، وہ ذرا جھنب گئی۔ اس نے الماری میں سے جیکٹ نکالی اور پہن لی۔ تب اسے کافی حد تک سکون محسوس کیا۔ الماری کے ایک خانے میں پسٹل پڑا تھا، وہ اس نے نکالا اور جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ پھر جو اس سے جیکٹ میں رکھا جا سکتا تھا، وہ رکھ کر مڑی ہی تھی کہ اسے پورچ میں کار رکنے کی آواز آئی۔ اس نے جلدی سے فون الماری میں رکھے اور ایک فون اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ تبھی فون بج اٹھا۔ اس نے دیکھا، شعیب کی کال تھی۔

’’ہاں بولو۔‘‘ اس نے کال رسیو کر کے تیزی سے پوچھا

’’ جلدی سے نیچے آ جاؤ فوراً، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔‘‘ اس نے کہا اور کال بند کر دی۔ نینا دو منٹ سے بھی کم عرصے میں پورچ میں آ پہنچی تو اسے دیکھ کر شعیب بولا ’’اتنی جلدی، کچھ زیادہ ہی جلدی......‘‘

’’میں پہلے ہی سے تیار تھی۔‘‘ نینا نے ساتھ والی پسنجر سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا تبھی شعیب نے کار بڑھا دی۔ سڑک پر آ کر نینا نے پوچھا ’’ہم کدھر جا رہے ہیں؟‘‘

’’ یہاں سے تقریباً نو دس کلومیٹر پر ایک علاقے میں ڈیرہ ہے، وہاں پر مٹھن خان کے وہ لوگ موجود ہیں، جنہوں نے بھائی پر حملہ کیا ہے، پوری تصدیق کے ساتھ یہ خبر ہے۔‘‘ وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولا

’’اور اگر میں یہ کہوں کہ وہ لوگ اب وہاں پر نہیں ہوں تو......؟‘‘ وہ ڈرامائی انداز میں بولی تو شعیب نے اس کی طرف دیکھے بنا سکون سے پوچھا

’’ تمہیں کیسے معلوم؟‘‘

’’ وہ لوگ چاہیں ہوں گے بھی ادھر لیکن اگر میں یہ کہوں کہ گیدڑ کے شکار سے زیادہ اگر نیل گائے کا شکار کر لیا جائے تو کیسا رہے گا......؟‘‘

’’ زبردست۔‘‘ شعیب نے ذرا سی حیرت سے کہا

’’ تو چلو پھر کار فائیو سٹار ہوٹل کی جانب لے چلو، ہمارا شکار وہیں جائے گا۔‘‘ نینا نے تھرتھراتے ہوئے لہجے میں یوں کہا جیسے وہ خود پر قابو نہ

پار ہی ہو۔

’’میں جانتا ہوں کہ تم یونہی نہیں کہہ رہی ہو،لیکن اگر یہ ہمارے لئے ٹریپ ہوا تو؟‘‘اس نے پوچھا

’’تو دیکھا جائے گا۔آر یا پار۔‘‘نینا نے لاپرواہی سے کہااور سڑک پر دیکھنے لگی، جہاں دور تک کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی جا رہی تھی۔وہ دونوں خاموش ہو گئے۔دونوں ہی آنے والی صورت حال کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

وہ فائیو سٹار ہوٹل کے پاس پہنچ جانے والے تھے۔نینا سوچ رہی تھی کہ اس نے نہ سورتی کو پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی ارمان خان کو۔مگر وہ ان کے سامنے نہیں جا سکتی تھی۔ممکن ہے وہ نینا کو ایک لیڈی کانسٹیبل کے طور پر جانتے ہوں۔ارمان خان نے کہیں دیکھا ہو؟ سورتی نے کہیں کوئی تصویر دیکھی ہو۔مگر اسے خود پر بھروسہ تھا۔وہ کافی حد تک بدلی ہوئی تھی۔وہ اسے یوں نہیں پہچان پائیں گے۔

’’کیا خیال ہے،اندر جایا جائے یا یہیں کہیں باہر ہی اس کا انتظار کیا جائے۔‘‘ شعیب نے ہلکی سی آواز میں پوچھا

’’ہاں، وہ تمہارے ہی انتظار میں ہو گا نا، کہ آؤ میں باہر آرہا ہو، مجھے پکڑ لو، ارے بدھو، وہ اپنے ساتھ لوگ لائے گا، میں یہاں صرف انہیں دیکھ رہی ہوں۔‘‘نینا ہنستے ہوئے بولی

’’میں بھی اپنے ساتھ لوگ لایا ہوں۔‘‘شعیب نے بتایا

’’کہاں ہیں؟‘‘اس نے ادھر ادھر دیکھے بنا پوچھا

’’ وہ میرے ارد گرد ہیں،فکر نہ کرو، وہ مجھے ہر لمحہ دیکھ رہے ہیں۔‘‘اس نے سنجیدگی سے کہا تو بولی

’’تم کار پورچ میں لے جاؤ گےاور مجھے اتار کر کہیں بھی انتظار کرو گے۔ہمارے درمیان فون پر رابطہ رہے گا۔‘‘

’’اوکے۔‘‘شعیب نے کسی بحث کے بغیر کہااور فائیو سٹار ہوٹل آجانے پر نینا اس ہوٹل کی عمارت دیکھنے لگی۔

شعیب اسے پورچ میں اتار کر چلا گیا۔نینا اپنا پرس جھلاتی لاؤنج میں گئی اور پھر گھوم کر ایک ایسی میز پر جا بیٹھی جہاں سے داخلی دروازے پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔وہاں بیٹھ کر اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔اسے ایک میز پر ایک اکیلی بیٹھی ایک عورت دکھائی دی، جو کافی ماڈ دکھائی دے رہی تھی۔اس نے سلیولیس شرٹ کے ساتھ ٹائیٹ ٹراوزر پہنا ہوا تھا،اس کے بال بوائے کٹ تھے۔تیکھے نین نقش اور ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ کافی خوبصورت لگ رہی تھی۔اس کے کانوں میں بندے اور شفاف گردن میں ہلکی سی چین پہنی ہوئی تھی۔نجانے کیوں اسے لگا کہ وہی سورتی ہے۔وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے فون کر دیا۔دوسری طرف اسی نے فون اٹھالیا۔

’’کہاں ہو تم؟‘‘نینا نے پوچھا

’’یار میں نے اپنی جگہ پر اسے بلایا تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں پہنچ پایا۔پتہ نہیں کیا بات ہو گئی۔‘‘اس نے اکتاہٹ سے کہا تو نینا سوچتے ہوئے بولی

’’میرے ذرائع نے یہ بتایا ہے کہ وہ یہیں کہیں کسی الجھن میں پھنس گیا ہے، یا وہ کچھ اور ہی کر رہا ہے۔اتنی دیر کرنے میں کوئی نہ کوئی بات تو ہو گی۔‘‘نینا نے یونہی بات بڑھا دی۔

’’دیکھتیں ہیں۔میں بس چند منٹ مزید بیٹھوں گی، پھر چلی جاؤں گی۔‘‘اس نے اکتاہٹ سے کہا

’’اوکے۔‘‘ جانے لگو تو مجھے بتانا۔‘‘نینا نے کہا ہی تھا کہ اسے لگا جیسے اس کے فون پر کال آرہی ہے۔اس نے کال بند کر دی۔اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھی وہ خوبصورت سی خاتون ہی سورتی ہے۔ اس نے اسکرین پر دیکھا شعیب کی کال تھی۔اس نے کال رسیو کی تو وہ بولا

’’ارمان آگیا ہے۔‘‘

''اوکے۔'' اس نے کہا اور کال ویسے ہی چلنے دی۔ اتنے میں ایک وجیہہ نوجوان داخلی دروازے سے اندر آ گیا۔ اس کا گول چہرہ، کلین شو، بڑی بڑی آنکھیں، بال پیچھے کی طرف بنائے ہوئے، سرخ گالوں والا فربہ مائل تھا۔ اس نے سیاہ ڈریس پتلون کے ساتھ سفید چیک والی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس نے کف اُڑسے ہوئے تھے، بائیں کلائی پر قیمتی گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ہی دو لوگ اندر آ کر ایک طرف چل دیئے۔ بلاشبہ وہ اس کے ساتھ تھے۔ اس نے ہال پر ایک نظر دوڑائی اور اپنا فون نکال کر کال کی۔ فون سورتی نے اٹھا لیا۔ دونوں میں بات ہوئی تو وہ سیدھا اس کے پاس آ گیا۔ وہ سورتی کے چہرے پر دیکھتا ہوا، اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ان میں باتیں ہونے لگیں۔

ان کی باتوں کا دورانیہ تین منٹ سے زیادہ کا نہیں رہا تھا۔ انہی لمحات میں نجانے کب ایک بوائے کٹ بالوں والی لڑکی ہال میں داخل ہوئی اور سیدھی انہی کی میز تک آن پہنچی۔ وہ سورتی سے باتیں کرنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ تبھی سورتی کے چہرے پر خوف پھیل گیا، اس کی آنکھوں میں موت کا ڈر ٹھہر گیا تھا۔ تبھی ارمان خان نے ہونٹوں پر ہلکی سے مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے کوئی بات کی، اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سورتی بھی لرزتے قدموں سے اٹھ گئی۔ نینا سمجھ گئی کہ وہاں کیا ڈرامہ ہو گیا تھا۔ وہی ہوا تھا، جو اس نے سوچا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بھی اٹھ گئی۔ اس نے یہ صورت حال شعیب کو بتا دی۔ نینا سمجھ رہی تھی کہ اب باہر کیا ہو گا۔

فائیو سٹار ہوٹل کی پارکنگ چار دیواری کے اندر تھی۔ باہر کون کون تھا، نینا کو یہ بالکل پتہ نہیں تھا۔ وہ دھیمے انداز میں چلتی ہوئی داخلی دروازے سے باہر نکل گئی۔ اس وقت ارمان خان کی کار پورچ میں آ چکی تھی۔ ارمان خان پسنجر سیٹ پر بیٹھ رہا تھا۔ اس لڑکی نے پہلے سورتی کو بٹھایا، پھر خود بیٹھ رہی تھی کہ نینا نے اُسے دھکا دیا وہ اندر گر گئی۔ اسی لمحے نینا نے بھی کار میں جا بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور جیکٹ میں ہاتھ ڈال کے پسٹل نکال لیا۔ ڈرائیور نے گیئر لگا دیا تھا۔ نینا نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر پسٹل ارمان خان کی گدّی پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی لفظ منہ سے کہتا نینا نے سرد سے لہجے میں کہا

''رُکنا مت، نکلتے چلو۔''

''کون......ہو......تم؟'' وہ دھیمے سے بولا

''موت، اگر میری بات مانتے رہو گے تو زندگی۔'' اس نے اسی لہجے میں کہا۔ تب تک کار گیٹ کراس کر گئی تھی۔

''تم جو بھی ہو، بہت غلطی کی ہے یہاں میرے ساتھ کار میں بیٹھ کر، میں اس بلیک میلر کو......''

'' بکو مت، ورنہ میں تمہیں زندہ چھوڑنے کا ارادہ بدل بھی سکتی ہوں۔'' پھر لمحہ بھر رُک کر کہا، ''سورتی۔! کار رُکتے ہی نکل جانا، روکو کار۔'' اس نے آخری تحکمانہ لہجے میں کہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پسٹل کا دباؤ بڑھا دیا۔

'' کار روکو۔'' ارمان خان بولا تبھی ڈرائیور نے کار روک دی۔ سورتی اترنے لگی تو نینا نے لڑکی کو کالر سے پکڑتے ہوئے کہا

''پسٹل سورتی کو دے دو، ورنہ پہلے تم مرو گی۔''

لڑکی نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پسٹل سیدھا ہی کیا تھا کہ نینا نے اس کی کلائی پر ہاتھ مار دیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ لڑکی گولی چلانے لگی ہے۔ کار میں فائر گونج گیا، گولی چھت میں سے نکل گئی تھی۔ پسٹل ان دونوں کے پاؤں میں آ گرا۔ تب تک سورتی کار سے باہر نکل چکی تھی۔ وہ رُکی نہیں بلکہ سڑک پر اترتے ہی بھاگ گئی۔ لڑکی نے نینا کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑنا چاہی تبھی ارمان خان لرزتے ہوئے لہجے میں بولا

''رُک جاؤ۔''

لڑکی وہیں تھم گئی۔ نینا بولی

''ڈرائیور چلو۔''

ڈرائیور نے کار بڑھا دی۔ اسی لمحے شعیب نے انہیں کراس کیا۔ اس کے ساتھ ہی دو مزید کاروں نے انہی اوورٹیک کر دیا۔ نینا پوری صورت

حال کو سمجھ رہی تھی، اسے سب سے زیادہ خطرہ ساتھ تھا۔اسے یہ بھی احساس تھا کہ شعیب اس کی بات فون پر سن رہا ہے۔اسی لئے اس نے کہا

’’ارمان خان۔!اس لڑکی نے اگر اب ذراسی بھی حرکت کی تو میں اسے ماردوں گی۔‘‘

’’میں تمہاری......‘‘لڑکی نے انتہائی نفرت سے کہا تو نینا کو امید تھی کہ وہ ردعمل ضرور دے گی۔وہ پہلے سے تیار تھی،اس لئے پوری قوت سے کہنی اس کے منہ پر دے ماری۔وہ پیچھے ہٹی تو ارمان خان چیخ پڑا۔

’’پسٹل چل سکتا ہے بے غیرت۔‘‘

لیکن وہ لڑکی نہیں رُکی اس نے پھر نینا پروار کیا تو نینا نے ہاتھ گھمایا اوراس کی گردن پکڑلی۔لڑکی اپنی گردن چھڑانے لگی

’’کار روکو۔‘‘ارمان خان چیخا۔

کار رُکی ہی تھی کہ سامنے جاتی ہوئی شعیب کی کار بھی رک گئی۔یہ بالکل اس کی کار کے پاس رکے۔وہ سڑک بھلے اتنی مصروف نہیں تھی لیکن تھوڑی بہت ٹریفک تو گذر ہی رہی تھی۔وہاں اگر ہنگامہ ہوتا تو وہاں پر رش لگنے میں دیر نہیں لگنا تھی۔جو نینا سوچ رہی تھی،اس کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں تھی۔اچانک ہی سامنے کی تینوں کاروں سے لوگ نکلے،تب تک پیچھے بھی دوکاریں آن رکیں۔

’’کار سے مت نکلنا، پیچھے ارمان کے بندے ہیں۔‘‘ایک دم سے نینا نے زور سے کہا،پھر اسی کے ساتھ ہی ڈرائیور سے بولی،’’باہر نکلو جلدی۔‘‘پہلے تو وہ ہچکچایا،پھر جب سامنے سے دو بندے آنے لگے تو وہ ہاتھ اوپر کئے کار سے باہر نکل گیا۔اس نے اپنے ہاتھ سر پر رکھ لئے ہوئے تھے۔لیکن دونوں طرف سے آمنے سامنے لوگوں نے ہتھیار تان لئے تھے۔نینا نے ایک ہاتھ سے لڑکی کی گردن پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ سے ارمان خان کی گردن پر پسٹل رکھا ہوا تھا۔صورت حال گھمبیر ہوگئی تھی۔نینا اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتی تھی۔اس نے چشم زدن میں پسٹل والا ہاتھ گھمایا اور پوری قوت سے لڑکی کے سر پر دے مارا۔وہ پہلے ہی گردن کے دباؤ سے بے ہوش ہونے کو تھی، وہیں لڑھک گئی۔اس دوران ارمان نے گھوم کر پلٹنا چاہا،مگر نینا نے اس کے سر پر پسٹل رکھ دیا۔

’’جلدی سے آؤ،ڈرائیور کی جگہ۔‘‘نینا نے تیزی سے کہا ہی تھا کہ سامنے سے شعیب اُتر کر تیزی سے ان کی کار کی جانب بڑھا۔اس نے عقل مندی یہ کی کہ وہ بالکل سیدھا نہیں بڑھا تھا، بلکہ کافی حد تک جھک کر کار کی آڑ لے کر آیا تھا۔وہ آتے ہی کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تو نینا بولی،’’اب نکل،اسے لے کر باقی آجائیں گے۔‘‘

’’دیکھو، مجھے نقصان پہنچا کر تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔سورتی کو غلط فہمی ہوگئی تھی۔اس لیئے میں......‘‘

’’بکومت، خاموش رہو۔‘‘نینا نے اسے جھڑک دیا۔اس دوران شعیب کار کو گیئر لگا چکا تھا۔اس نے سامنے کی کاروں سے بچ کر نکلا اور ایک دم سے رفتار بڑھادی۔

تقریباً بیس پچیس منٹ تک کار پوری رفتار سے چلتی رہی۔وہ شہر سے ہٹ کر مضافات میں پہنچ گئے تھے۔وہاں اُجاڑ زمین تھی، جو کاشتکاری کے قابل نہیں تھی۔ایک طرح سے چٹیل میدان تھا۔شعیب نے وہاں جا کر کار روکی ہی تھی کہ نینا کار سے باہر نکل آئی۔اس نے ارمان کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔وہ خوف زدہ ہوگیا تھا۔کار میں بیٹھا رہنا چاہ رہا تھا۔

’’دیکھو، غلطی ہوگئی، جو سورتی کہے گی، وہی ہوگا۔‘‘

’’باہر نکل۔‘‘نینا نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔اتنے میں وہاں اردگرد پانچ کاریں آن رکیں۔۔ان میں دو ارمان خان کے ساتھ کی تھیں اور تین شعیب کے ساتھ تھیں۔وہ سبھی اپنی اپنی کاروں سے باہر نکل آئے تھے۔اتنے میں شعیب بھی کار سے باہر نکل آیا۔وہ ارمان خان کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ارمان خان کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ جو کہہ رہی ہے، وہ کر دے گی۔پھر بھی اس نے آخری کوشش کرتے ہوئے باہر نکل کر کہا

’’جب میں نے مان لیا کہ میں اب سورتی......‘‘

''ایک شرط پر۔''اس نے حتمی لہجے میں کہا

''شرط،کیسی شرط؟''اس نے پوچھاتو وہ بولی

''وہ بندے کہاں ہیں، جنہوں زوہیب کو قتل کیا ہے؟'' نینا نے یہ کہتے ہوئے پسٹل اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔اگرچہ ارمان خان کو گمان نہیں تھا کہ معاملہ کیا ہوسکتا ہے۔لیکن پھر بھی اس نے حوصلہ رکھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے سامنے کون ہوسکتی ہے۔وہ چند لمحے رُکا اور پھر سرسراتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا

''گولی؟''

''ہاں، گولی، بتاؤ کون ہیں وہ؟''

''میرے ساتھ ہیں۔''اس نے ہلکے سے کہا

''قربانی دوگے ان کی؟''

''اگر مجھے چھوڑ دو۔''اس نے ایک دم سے ڈیل کرلی۔

''ٹھیک ہے زندہ چھوڑ دوں گی اور اگر تم نے غلط بندوں کو مروا دیا تو سمجھو پھر نہیں بخشوں گی۔''نینا نے سرد لہجے میں کہا

''ڈن۔''وہ تیزی سے مگر ہلکے سے لہجے میں بولا، پھر اس نے اپنے لوگوں کی طرف منہ کر کے اونچی آواز میں کہا،''ہتھیار پھینک کر پاس آجاؤ۔''ان سب نے پہلے تو ایک دوسرے کی جانب دیکھا، پھر اپنے اپنے ہتھیار کار میں پھینک کر آگے آگئے۔وہ آٹھ تھے۔ارمان خان نے ان کی طرف دیکھا اور کہا،''تم میں سے زوہیب کو مارنے کے لئے کون کون گئے تھے؟''

''خیر تو ہے خان جی؟''ان میں سے ایک نے پوچھا

''خیر ہی ہے۔بولو۔''اس نے کہا

''ہم چار گئے تھے۔''اسی نے جواب دیا تو ارمان خان نے باقی کو پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔وہ پیچھے ہٹ گئے تو نینا نے ان سے پوچھا

''پیچھے والے چاروں اپنے سروں پر ہاتھ رکھ لو، اور یہ سمجھ لو، جس نے بھی ہاتھ نیچے کئے، مارا جائے گا۔''یہ کہہ کر اس نے آگے آنے والوں سے پوچھا،''کیسے کیا تھا قتل؟''

''بڑے خان کا حکم تھا۔ہم ایک ہفتے سے اس کی ریکی کر رہے تھے۔اس دن وہ ہمارے ہتھے چڑھ گیا۔ہم نے سیدھے سیدھے اُسے مار دیا۔''اسی نے بڑے اکھڑ لہجے میں جواب دیا، جس سے ایک بار تو نینا کے دماغ کو چڑھی، لیکن خود پر قابو پا کر ایک قدم آگے بڑھی اور اس کے پاس جا کر پوچھا

''مطلب تمہاری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی؟''

''نہیں، میری ذاتی نہیں، لیکن جو بھی خان صاحب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا، وہ زندہ نہیں رہے گا۔''اس نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا تو نینا نے بڑے اطمینان سے پسٹل نکالا اور اس کے ماتھے پر رکھ کر بولی

''اور جس نے بھی گولی کے بارے میں غلط سوچا، وہ اسی سوچ کو ختم کرنے بھیجے میں اُتر جاتی ہے۔''یہ کہہ کر اس نے ٹرائیگر دبا دیا۔اس کی بھیانک چیخ سنائی دی اور اُلٹ کر پیچھے جا گرا، پھر زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔اسی لمحے ایک بندہ نینا پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ شعیب نے اس پر فائرنگ کردی۔وہ وہیں گر گیا۔

''تم زوہیب کو مارو گے اور تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔''شعیب نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا تو نینا بولی

''سن لو۔!یہ جو تمہارا خان ہے اس نے اپنی زندگی بچانے کے لئے میرے ساتھ تم لوگوں کی موت کا سودا کیا ہے، میں اپنا وعدہ پورا کروں گی،

چھوڑ دوں گی زندہ اسے، لیکن تم لوگوں کی زندگی کیا ہے، ان لوگوں کے پاس کتوں کی طرح ہو، دوسروں پر بھونکتے ہو، لوگوں کو کاٹتے ہو۔ تم لوگ ان کے لئے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور یہ تم لوگوں کو اپنے لئے مار دیتے ہیں۔ مار دو ان کو۔'' نینا نے کہا تو شعیب نے آگے بڑھ کر دونوں کھڑے لوگوں پر گولیاں برسا دیں، وہ چیختے ہوئے زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ شعیب نے ان چاروں پر پورا میگزین خالی کر دیا۔ باقی چاروں کے چہروں پر کیا تھا، ملجگا اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ دیکھ نہ سکی۔ وہ پوری طرح محتاط تھی، ان کے پاس اسلحہ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ ان کی حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ وہ رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس کے سامنے بندے تڑپ رہے تھے۔ تبھی نینا نے شعیب سے کہا

''انہیں باندھ دو۔''

اس کے ساتھ ہی اس کے بندے ان لوگوں کے پاس گئے اور انہی کے کپڑوں سے انہیں باندھنے لگے۔ اس میں چار پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ نینا زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ فون ٹریکنگ کے علاوہ کار ٹریکنگ سے ان کی لوکیشن کا فوری پتہ لگ سکتا ہے۔ انہیں وہاں پر آئے ہوئے دس منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے۔ جب وہ انہیں باندھ چکے تو نینا نے دو قدم پر کار کے اندر پڑی لڑکی کو اٹھایا اور لا کر باہر پھینک دیا۔ وہ اب تک بے ہوش تھی۔ تبھی اچانک نینا نے اپنے پیچھے کھڑے ارمان خان سے کہا

''جاؤ، چلے جاؤ۔''

پہلے تو اس نے حیرت سے نینا کی طرف دیکھا، پھر جانے کے لئے قدم بڑھائے ہی تھے کہ شعیب نے کہا

''یہ ایسے کیسے جا سکتا ہے، زوہیب کو مارا ہے انہوں نے، اس کے باپ کو پتہ چلنا چاہئے، جب اس کا لاش کو وہ تلاش کرے گا۔''

''میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں۔ جاؤ چلے جاؤ۔'' نینا نے کہا تو ارمان پیچھے مڑا، گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر گیا، ایسے ہی وقت میں وہ لڑکی کسی چھلاوے کی طرح اٹھی اور سیدھی نینا پر آ گری۔ وہ اسے لیتے ہوئے زمین پر گر گئی تھی۔ نینا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا پسٹل چھوٹ گیا۔ وہ دو ہاتھ کے فاصلے پر تھا۔ تبھی اس لڑکی نے وہ پسٹل اٹھا لیا اور چشم زدن میں نینا کی گردن پر رکھتے ہوئے نفرت سے بولی

''زندہ نہیں چھوڑوں گی تمہیں، میرے فرحان خان کو مارا ہے تم نے، بوٹی بوٹی کر کے ماروں گی۔''

''دیکھو! میں نے ارمان خان کو چھوڑ دیا ہے، تم لوگ جا سکتے ہو، میں نے وعدہ پورا......'' نینا نے کہنا چاہا تو وہ چیختے ہوئے نفرت سے گالی دیتے ہوئے بولی

'' تیرے وعدے کی......''

اس نے ایک غلیظ گالی دیتے ہوئے پوری قوت سے ٹھوکر اس کی پسلی میں دے ماری۔ تبھی ارمان خان آگے بڑھا اور اس نے آ کر نینا کو مخاطب کر کے کہا

''اب بتاؤ، افسوس ہو رہا ہے مجھے چھوڑنے پر؟''

''چھوڑ دو اسے؟'' شعیب نے کہا

''نہیں، میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گی، وہیں ڈیرے پر، وہاں اس کے ساتھ جو میں کروں گی نا وہ یہ یاد رکھے گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پھر پوری قوت سے نینا کی پسلی میں ٹھوکر ماری۔ نینا یوں ہو گئی جیسے تکلیف برداشت نہ کر پا رہی ہو۔

''چلو پھر ڈالو اسے کار میں۔'' ارمان خان نے کہا

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' شعیب آگے بڑھا تو ارمان خان نے اپنے بندوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا

''انہیں پکڑو، اور اگر کوئی حرکت کریں تو بے شک مار دو، اب گولی کا مرنا تو میرے ہاتھوں ہی لکھا ہے۔''

''نہیں، اسے میں ماروں گی۔'' اس لڑکی نے انتہائی نفرت سے کہا اور پوری قوت سے پسٹل اس کے سر پر مارنے کے لئے ہاتھ بلند کیا ہی تھا

کہ نینا ایک طرف ہٹ گئی۔لڑکی کا ہاتھ پوری قوت سے نیچے آیا تو نینا نے نیچے سے گھونسا اس کے منہ پر دے مارا۔وہ الٹ کر پرجا گری۔نینا نے چھلانگ لگائی اور اس پر جا پڑی، پھر اس کو بالوں سے پکڑ کر بولی

’’پسٹل میں کوئی بلٹ نہیں ہے۔میں نے آخری گولی بھی ٹائر پر ماردی تھی۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے قہقہ لگایا اور بولی،’’ کیسا ہے انسان، جلد بازی میں اپنی ہی موت کو دعوت دینے والا،‘‘ یہ کہہ کر اس نے شعیب کی طرف دیکھا اور اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔وہ قریب آیا تو اس نے اس کا پسٹل پکڑا، اور لڑکی کی ٹانگوں میں دے مارا، وہ وہیں پڑی تڑپنے لگی۔پھر اس نے پسٹل شعیب کو تھما دیا اور ارمان خان کی جانب بڑھی۔بالکل قریب جا کر اس نے پوری قوت سے پاؤں کی ٹھوکر اس کی ٹانگوں کے درمیان ماری، وہ چیختا ہوا دہرا ہو گیا تو نینا نے اپنا گھٹنا اس کے منہ پر مارا۔وہ الٹ کر گرا۔پھر شعیب کی طرف منہ کر کے بولی

’’وقت نہیں ہے، اسے مارنا نہیں، لیکن بے کار کر دو۔‘‘

شعیب تیزی سے آگے بڑھا اور ارمان خان کے سامنے جا پہنچا۔اس کے چہرے پر انتہا کا غصہ تھا۔

’’زوہیب کو مارا، تیرے باپ نے بندے بھیج کر، لیکن میں اسے ماروں گا، خود اپنے ہاتھوں سے، جانتے ہو کیسے ماروں گا؟‘‘ شعیب کا لہجہ خوف ناک ہو گیا تھا

’’دیکھو، میں نے کچھ نہیں کیا، میں ایسی سیاست کا قائل ہی نہیں ہوں، میں نے بابا کو بھی سمجھایا ہے۔‘‘ ارمان خان تیزی سے کہنا لگا مگر شعیب سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا

’’پتہ ہے گولی کیسے چلتی ہے، ایسے چلتی ہے۔‘‘ یہ کہتے ہی اس نے ارمان خان کے دونوں گھٹنوں پر فائر کر دیئے۔اس کی چیخیں فضا میں بلند ہو گئیں۔وہ لڑکھڑاتے ہوئے زمین پر گر گیا۔اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا تھا۔وہ چیختے ہوئے معافی مانگ رہا تھا۔تبھی نینا نے کہا

’’بس، یہ اب زندگی بھر اپنے قدموں پر نہیں چل سکتا، اس کا باپ اسے دیکھ دیکھ کر مرے گا، یہ بہت بڑی سزا ہے، چل نکل، اب وقت نہیں۔‘‘

شعیب واپس جانے کے لئے مڑا، پھر نجانے اس کے دل میں خیال وہ پلٹا، اس نے پھر سے گولیاں اس کی ٹانگوں پر دے ماریں۔ نینا کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔وہ سب ان کی چیخوں کو سننے کے لئے وہاں نہیں رُکے، بلکہ تیزی سے اپنی اپنی کاروں میں بیٹھے اور جس طرف سے آئے تھے اس کی مخالف سمت میں چل پڑے۔اگلے دو کراس تک وہ سب الگ الگ رہے پھر آگے جا کر بکھر گئے۔رات کا دوسرا پہر شروع ہونے کو تھا، وہ گھر کے قریب آن پہنچے۔

’’میں گھر جاتا ہوں۔‘‘ شعیب نے کہا

’’میں بھی......‘‘ نینا نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولا

’’نہیں تم ادھر ہی رُکو۔‘‘ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔پھر تیزی سے بولا،’’ چل ٹھیک ہے، میں تھوڑی دیر رکتا ہوں۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے کھلے ہوئے گیٹ کی طرف دیکھا، جو باغ علی نے کھول دیا تھا۔وہ کار سمیت اندر چلے گئے۔پورچ میں رکتے ہی شعیب اتر کر داخلی دروازہ تیزی سے پار کر گیا ۔نینا کار پورچ ہی میں چھوڑ کر اندر چل دی۔

جس وقت نینا پوری طرح فریش ہو کر باتھ روم سے نکلی۔ تب تک شعیب بھی کسی دوسرے کمرے سے نہا کر اور کپڑے تبدیل کر کے آ گیا ہوا تھا۔وہ بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔وہ اپنے بال تولیئے سے خشک کرتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔وہ سوچوں میں گم تھا۔وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی

’’کیا بات ہے، کیا سوچ رہے ہو؟‘‘

’’تم نے مجھے ارمان کو مارنے نہیں دیا۔‘‘ اس نے انتہائی شکوہ بھرے لہجے میں کہا تو نینا کو ایک دم سے اس پر پیار آ گیا۔وہ اس کے ساتھ لگ

کر بیٹھتے ہوئے بولی

’’لیکن۔!یہ زیادہ بڑی سزا ہے۔عبرت کا نشان بنادیا ہے،ساری زندگی وہیل چیئر پر دیکھے گا اپنے لاڈلے کو،سوچو،کس قدر اذیت میں رہے گا وہ مٹھن خان۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے تم مٹھن خان کو مارنا نہیں چاہتی ہو۔کتنا وقت دینا چاہتی ہو اُسے،کتنی دیر تک دکھانا چاہتی ہو بیٹے کو؟‘‘وہ غصے میں بولا تو نینا مسکراتے ہوئے بولی

’’میرا بس چلے تو میں ابھی اور اسی وقت مٹھن خان کو گولی ماردوں،لیکن۔!جب تک وہ نہیں ملتا،تب تک،وہ جتنا چاہئے جی لے،کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ خوش جیئے؟‘‘

’’بہت اچھا موقعہ ملا تھا۔اب شاید نہ ملے۔‘‘شعیب نے انتہائی حسرت سے کہا تو نینا اس کی طرف چند لمحے دیکھتی رہی پھر ایک عزم سے بولی

’’چل پھر اٹھ،اسے کسی نہ کسی ہسپتال میں ہی لے گئے ہوں گے،وہیں مارتے ہیں، مارو گے تم ہی اُسے۔‘‘

’’اُو چل،اب وقت گذر گیا،اب نہیں۔‘‘شعیب نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو نینا اس کے دائیں جانب سے اس کے اوپر گرتے ہوئے بولی

’’فکر نہ کر،تیرا شکوہ دور کردوں گی۔‘‘

شعیب نے مزاحمت نہیں بلکہ ایک طرف گرتا چلا گیا۔نینا اس کے اوپر جیسے لد گئی۔نینا کے بھیگے گیسو اس کے چہرے پر پھیل گئے۔وہ آنکھیں بند کر کے پڑا رہا۔نینا ساکت سی ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔پھر اپنی پوروں سے اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں بولی

’’مجھے صرف تم سے ڈر لگتا ہے شعیب، تم کہیں مجھ سے بچھڑ نہ جانا،ورنہ میں مرجاؤں گی۔‘‘

’’ایسی باتیں نہیں کرتے۔‘‘شعیب نے کہا پھر اسے پیار سے ایک طرف کرتے ہوئے اٹھ گیا۔

’’صرف تمہارا دکھ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔‘‘وہ بولی

’’چھوڑو سب،آؤ کھانا کھائیں۔‘‘شعیب نے اٹھتے ہوئے کہا اور بیڈ پر بیٹھے ہی اپنے چپل تلاش کرنا لگا۔نینا پیچھے کی طرف جھکی اور اس کے چپل اس کے پاؤں کے پاس کردیئے ۔اس پر شعیب نے اس کی طرف دیکھا،پھر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر بیڈ پر گرادیا۔اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولا

’’مت چاہو مجھے،ورنہ میں اپنی راہ کھوٹی کرلوں گا۔‘‘

’’تیری چاہت ہی تو میری زندگی ہے۔تو ہی میرا سب کچھ ہے،پیار سے بولو گے تو زندہ ہوجاؤں گی۔‘‘اس نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا تو شعیب مسکرادیا۔وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا،پھر اسکے لبوں پر پیار کی مہر لگادی۔کچھ دیر تک انہیں ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں پر ہیں۔

☆......☆......☆

سورج سارا جہان روشن کردینے کے لئے بیتاب تھا۔نینا کب کی جاگ چکی تھی۔رات دیر سے آنے کے باوجود اسے نیند کا بس جھپا کا سا آیا تھا۔شعیب کھانا کھاتے ہی نکل گیا تھا۔ اس نے کچھ دیر ورزش کی اور پھر نیچے لان میں چلی گئی۔وہاں سے پلٹ کر کچن میں آئی تو باغ علی ناشتہ بنا رہا تھا۔اس نے بیڈ روم میں ناشتہ لانے کو کہا اور اوپر چلی گئی۔ وہ اخبار لے کر بیٹھ گئی۔رات والے واقعے کی کہیں کوئی خبر نہیں تھی۔اس نے اٹھ کر اپنا سیل فون لیا اور سورتی کو کال کردی۔بیل جاتے ہی اس نے کال رسیو کرتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں کہا

’’خدا کا شکر ہے تم نے کال کی،ورنہ میں تو پاگل ہورہی ہوں،مجھے پتہ نہیں چل رہا......‘‘

''کس بات کا پتہ نہیں چل رہا؟''نینا نے پوچھا

''تمہارا، اور کس کا، میں تو سوچ سوچ کر پاگل ہوگئی ہوں، میں اب تک نہیں سو پائی ہوں۔تم نے کمال کر......''سورتی نے کہنا چاہا تو نینا اس کی بات کاٹتے ہوئے سکون سے بولی

''وہ میں نہیں تھی، میرے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔''

''کیا؟''اس نے حیرت سے پوچھا

''ہاں، میرے لوگ تھے۔''اس نے یقین دلایا

''یار تم تو بڑے کام کی چیز ہو۔تم چاہو تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''اس نے جوش بھرے لہجے میں کہا

''مثلاً کیا کر سکتے ہیں۔''اس نے پوچھا

''میرے پاس کچھ لوگوں کے سیکرٹ ہیں، جو منظر عام پر آئے تو غضب ہو جائے۔مگر منظر عام پر لانے کا ہمیں کیا فائدہ؟ میں اس لئے کچھ نہیں کر پا رہی ہو کہ میرے پاس وہ طاقت نہیں ہے، جو تمہارے پاس ہے۔اگر ہم مل جائیں......''وہ کہتے ہوئے رک گئی۔

''فائدہ، لیکن شاید تم نہیں جانتی، میں روپے پیسے کا فائدہ نہیں دیکھتی۔''اس نے جان چھڑانے کے لئے کہا، وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنے استعمال کے لئے اسے ترغیب دے رہی ہے۔

''دوسروں کا بھلا بھی ہوگا، دولت بھی آتی کیا بری لگتی ہے؟''اس نے پر جوش انداز میں کہا

''دوسروں کا بھلا، وہ کیسے؟''نینا نے تجسس سے پوچھا

''یہی بہت ساری لڑکیاں، بہت سارے بے غیرتوں کے ہاتھوں مجبور ہیں۔انہیں بس سبق دینا ہے۔''سورتی نے نفرت بھرے لہجے میں کہا

''اچھا، کرتے ہیں بات، تم سو جاؤ، فریش ہو جاؤ، پھر بات کرتے ہیں۔''نینا نے ایک دم سے جان چھڑا لینا چاہی، وہ تو کچھ دوسرا پوچھنا چاہتی تھی۔تبھی سروتی بولی

''ٹھیک ہے، میں بعد میں بات......''

''وہ ارمان خان کہاں ہے؟ مٹھن خان کا فون آیا؟''

''وہی تو، وہی بتانے لگی تھی۔''اس نے تیزی سے کہا، پھر سانس لے کر بولی،''فون آیا تھا اس کا، اس نے کوئی دھمکی نہیں دی، کچھ نہیں کہا سوائے اس کے، وہ تمہارا پتہ پوچھ رہا تھا، بہت بڑی رقم کی آفر بھی کی اس نے۔''

''پھر؟''نینا نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا

''پھر کیا، میں نے کہہ دیا کہ پتہ بھی ہوتا تو نہ بتاتی۔اب تمہارے بارے ایسا کچھ بناؤں گی کہ یاد رکھو گے کیونکہ اب تم لوگوں نے اعتماد کھو دیا ہے۔میری جان لینے کی کوشش کی؟ اتنے بڑے بدمعاش ہو۔میں جو کچھ بھی کہتی رہی، اس نے توجہ نہیں دی، بس تمہارے بارے میں پوچھتا رہا۔اس نے کوئی دوسری بات ہی نہیں کی۔میں نے ایک لفظ بھی نہیں بتایا اسے۔''سورتی نے پر جوش لہجے میں کہا

''تو پھر اب تم بچ کر رہنا اس سے، فورسز سے، کہیں بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے، اپنے گرد حفاظت کر لو۔''نینا نے سمجھایا

''ٹھیک ہے۔''اس نے ایک دم سے کہا تو نینا نے کال بند کر دی۔پھر اس نے فون ایک طرف رکھتے ہوئے سوچا۔وہ سمجھ گئی تھی اب مٹھن خان پوری جان لڑا دے گا۔

نینا یہ جاننا چاہتی تھی کہ ارمان خان کو کہاں رکھا گیا ہے۔اس نے کافی دیر تک کوشش کی لیکن اسے پتہ نہیں چلا۔اسے جس جگہ بھی رکھا گیا تھا، وہ

انتہائی خفیہ تھی۔ یہ تو طے تھا کہ ایک لمبے عرصے کے لئے ارمان خان بذات خود کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔لیکن بیڈ پر پڑا، احکامات تو دے سکتا تھا۔اس کی سوچ یہی سے متھن خان کے بارے میں بہہ گئی۔وہ جو اتنا طاقتور تصور کیا جاتا تھا، اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود ابھی تک نہ تو وہ اُسے پکڑ پایا تھا، بلکہ اس کا نقصان کہیں زیادہ ہو گیا تھا۔وہ کیا سوچ رہا ہے؟ کس کا انتظار ہے اُسے؟ یا پھر صرف غبارے میں ہوا ہی بھری ہوئی تھی؟ اس کے پاس طاقت نہیں ہے؟ اگر ہے تو وہ اب تک کیا سوچ رہا ہے؟ وہ یہی سوچتی چلی جا رہی تھی کہ شعیب کا فون آ گیا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' اس کا لہجہ تھوڑا بدلا ہوا تھا

''میں تیار ہو رہی ہوں، وہ تجھے بتایا تھا نا میں نے فاخرہ درانی کے پاس جانا ہے۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا پھر اس کے لہجے کو سوچ کر بولی،''خیر تو ہے نا؟''

''خیر نہیں ہے، اسی وجہ سے ابھی فون کیا ہے؟''

''متھن خان نے بابا سائیں کو دھمکی دی ہے۔اگر گولی اور شعیب کو شام تک ان کے حوالے نہ کیا گیا تو وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' اس نے غصے اور نفرت ملے لہجے میں کہا

''یہ کیسے......؟'' نینا کے منہ سے لاشعوری طور پر فقط اتنا ہی نکل سکا تو وہ بولا

''اس میں گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہ ہونا ہی تھا۔اب دیکھنا، اس نے یہ جو کچھ بھی کہنے کی جرات کی ہے نا، آئندہ نہیں کرے گا۔'' اس نے نفرت سے کہا تو وہ تیزی سے بولی

''دیکھو تم فوراً یہاں آ جاؤ یا پھر مجھے اپنے پاس بلا لو، دیکھ لیتے ہیں وہ کیا کرتا ہے۔''

''کچھ نہیں کر سکتا وہ، میں چاہتا ہوں کہ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے، کرے۔'' وہ ہٹ دھرم لہجے میں بولا پھر چند لمحے رک کر کہا،''تم جاؤ فاخرہ درانی کے پاس، دیکھو کیا کہتی ہے۔''

''اوکے، لیکن ایک بار مل لو۔'' اس نے لجالت سے کہا

''نہیں نا، اس وقت میری ہر حرکت پر نگاہ ہو گی، بابا بھی پریشان ہیں، میرا ان کے پاس ہونا بہت ضروری ہے۔'' اس نے کہا تو نینا سکون سے بولی

''اوکے۔''

یہ سنتے ہی شعیب نے فون کال بند کر دی۔

☆......☆......☆

فاخرہ درانی کا بڑا سا بنگلہ پوش علاقے میں تھا۔نینا اس بنگلے کے سامنے ایک رکشہ میں پہنچی۔اس نے رکشے والے کو کرایہ دیا تو وہ چل دیا۔نینا نے اپنی چادر سنبھالی اور گیٹ پر جا پہنچی۔اس سے پہلے کہ وہ کال بیل دیتی، فوراً ہی چھوٹا گیٹ کھل گیا۔اس میں سے ایک گن بردار نے جھانک کر پوچھا

''جی بولیں، کیا بات ہے۔''

''مجھے فاخرہ درانی صاحبہ سے ملنا ہے۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا تو گارڈ بولا

''آپ کا نام، پہلے وقت لیا ہے؟''

''تم صرف میرا نام بتاؤ۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا نام بتا دیا۔تو وہ گارڈ اُسے رکنے کا اشارہ کر کے وہیں کھڑا رہا۔ممکن ہے دوسرا کوئی یہ پیغام فاخرہ درانی تک پہنچا رہا ہو۔ چند منٹ بعد اسی گارڈ نے راستہ دیتے ہوئے کہا

''جی آئیں۔''

وہ اندر گئی تو اس کے ساتھ ایک گارڈ چل پڑا۔سامنے پورچ میں ایک لڑکی نمودار ہوئی۔اس نے جینز اور شرٹ پہنی ہوئی تھی۔وہ انہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔وہ جیسے ہی پورچ میں پہنچی تو اسی لڑکی نے آگے بڑھ کر کہا

''خوش آمدید، میڈم آپ کا انتظار کر رہی ہیں، آئیں۔''

''بس مجھے ذرا سی دیر ہو گئی۔'' نینا نے کہا اور اس کے ساتھ چل دی۔ساتھ چلتے ہوئے اس نے کہا

''میرا نام زرینہ ہے، نک نیم زری ہے، میں میڈم کی پرسنل سیکریٹری ہوں۔''

''بہت اچھا نام ہے۔'' نینا نے تکلف سے کہا۔

زری اسے سیدھا سٹڈی روم ہی میں لے گئی، جہاں ایک بھاری صوفے پر ایک پتلی سی ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے سر کے سارے بال کھچڑی تھے، جن میں سیاہ بال زیادہ تھے۔اس کا چہرہ ٹین ایج لڑکیوں کی طرح فریش تھا۔اس کا کشادہ ماتھا، بڑی بڑی سیاہ چمک دار آنکھیں، تیکھا ناک، پتلے ہونٹ، لمبی سی شفاف گردن، چوڑے شانے اور ہلکا سا سینہ، یوں تھا جیسے دکھائی ہی نہ دینے والا ہو۔وہ تن کر بیٹھی ہوئی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

''محترمہ فاخرہ دارنی، اور یہ......'' زری نے کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کیا تو وہ خاموش ہو گئی۔پھر پاس ہی پڑی ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا

''بیٹھو۔'' نینا اس کرسی پر بیٹھ گئی تو اس نے زری سے مخاطب ہو کر کہا، ''چائے لاؤ۔''

''جی اچھا۔'' زری نے مودب لہجے میں کہا اور واپس پلٹ گئی۔فاخرہ دارنی اس وقت تک نہیں بولی، جب تک وہ سٹڈی روم سے باہر نہیں چلی گئی۔

''کیسی ہو؟'' فاخرہ دارانی نے پوچھا

''ٹھیک ہوں۔بتائیے، مجھے......'' نینا نے کہنا چاہا تو وہ اس کی سُنے بغیر دھیمے سے لہجے میں بولی

''صبح سے شہر میں اک نیا کہرام مچا ہوا ہے۔رات مٹھن خان کے بیٹے ارمان خان کو کسی نے شدید زخمی کر دیا۔اور ان کا شک صاحبزادہ پر جا رہا ہے کہ اس کے بیٹے شعیب اور کسی گولی نامی لڑکی نے یہ سب کیا؟''

''کہرام، شہر میں نہیں میڈم، مٹھن خان کے گھر میں ہو سکتا ہے۔اور باقی رہی صاحبزادہ عبدالکریم کے بیٹے کی بات، اگر اس نے ایسا کیا ہے تو بدلہ لیا ہے، کیا انہوں نے ان کے بیٹے زوہیب کو نہیں مارا چند دن پہلے؟'' نینا نے کہا

''مجھے اُن سے غرض نہیں، میری دلچسپی اس میں ہے کہ چند دن پہلے ہی تجھے گولی سمجھا جاتا رہا ہے، پولیس نے باقاعدہ تفتیش کی۔'' فاخرہ دارانی نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا تو نینا مسکراتے ہوئے بولی

''لیکن میں تو میں ہی رہی، گولی نہیں ملی۔''

''ٹھیک ہے، مجھے بھی نہیں معلوم کہ گولی کون ہے؟'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لئے رکی پھر بولی، ''اب میں تمہیں وجہ بتاتی ہوں، جس کے لئے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے۔''

''جی میں پوری توجہ سے سُن رہی ہوں۔'' نینا نے کہا تو وہ یوں سوچ میں پڑ گئی، جیسے سوچیں مجتمع کر رہی ہو۔پھر پرسکون سے لہجے میں بولی

''میں نے اس علاقے سے الیکشن لڑنا ہے۔جیتنا یا ہارنا میرا مقصد نہیں ہے۔میرا مقصد کچھ اور ہے۔وہ میں اس وقت بتا دوں گی، جب ضرورت پڑی۔خیر۔! اسی الیکشن کی تیاری کے لئے میں چند لڑکیوں کو اپنی مدد کے لئے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔ان میں سے ایک تم بھی ہو

۔کیا میرے پاس رہنا پسند کرو گی؟''

''میں یہاں کیوں آئی ہوں؟'' نینا نے پوچھا

''ہوں، بی بی صاحب میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ٹھیک ہے، آج سے تم یہی رہو۔بہت سارے کام ہیں۔''

''لیکن مجھے کبھی کبھی باہر جانا ہوتا ہے، کئی ضروری کام ہوتے ہیں، اور میں......''

''کسی سے بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ممکن ہو تو بتا دینا، ورنہ کوئی روکنے والا نہیں ہوگا، جو دل چاہے کرو۔'' فاخرہ درانی نے کسی تاثر کے بغیر کہا تو نینا بولی

''ٹھیک ہے۔جو کرنا ہوگا، وہ آپ مجھے بتا دیں۔''

''جو کرنا ہوگا، وہ تجھے خود ہی معلوم ہو جائے گا۔بس یہاں رہنا، میں جہاں جاؤں میرے ساتھ رہنا، مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ شہر کا ماحول کیا ہے۔کہاں سانپ ہے اور کہاں بچھو ہے۔تم اچھی طرح سمجھتی ہو اور......'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، شاید ان کے درمیان مزید بات چلتی اتنے میں زری واپس آ گئی۔اس نے آتے ہی کہا

''چائے آ رہی ہے۔''

تبھی فاخرہ درانی نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا

''تمہارا کام میرے ساتھ ہے جب میں یہاں سے نکلوں تو اسے دیکھنا، یہاں جو لوگ ہیں، انہیں دیکھتے رہنا۔تم کسی کو جواب دہ نہیں ہو۔''

نینا سمجھ گئی کہ زری سے بہت کچھ چھپانا ہوگا۔اس کے اور فاخرہ درانی کے درمیان جو بھی بات ہوئی، اصل بات وہ ہے، باقی سب دکھاوا کرنا ہے۔اصل بات کیا ہے؟ فاخرہ درانی اب بھی چھپا گئی تھی۔ نینا کو یقین تھا کہ اب مزید بات نہیں ہوگی۔ زری نے چائے بنائی تو فاخرہ درانی اٹھ گئی۔وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

''آیئے میں آپ کو کمرہ دکھا دوں۔'' زری نے اٹھتے ہوئے کہا جب اس نے خالی پیالی واپس رکھی۔وہ کچھ پوچھے بنا اس کے ساتھ چل دی۔ لاؤنج کے ساتھ ہی ایک کمرہ تھا، جو باہر کی جانب بھی کھلتا تھا۔ زری اسے وہاں لے گئی۔سامنے لان تھا۔اس کمرہ میں ہر طرح کی سہولیات تھیں۔ باہر والے دروازے میں سے اس نے جائزہ لیا۔پھر پلٹ کر زری کو دیکھ کر مسکرا دی۔بیڈ سے ذرا فاصلے پر پڑے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے زری نے پوچھا

''میں تمہیں یہاں کے بارے میں بریف کر دوں؟''

''بولو۔'' نینا نے کہا

''یہاں میڈم اکیلی ہی رہتی ہیں، میرا مطلب ان کے شوہر درانی صاحب نہیں ہوتے، وہ اکثر باہر رہتے ہیں، اور جب آتے ہیں تو یہ سب اپنے آبائی گاؤں چلے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ یہاں ہر طرح کے ملازم ہیں، ان میں بیس سے زیادہ سیکورٹی گارڈز ہیں۔شام تک میں ان سب سے آپ کا تعارف کرا دوں گی۔''

''اوکے۔شکریہ۔'' نینا نے اختصار سے کہا۔وہ چاہ رہی تھی کہ یہ زری کسی طرح اٹھ کر یہاں سے چل جائے تاکہ وہ شعیب کو فون کر کے صورت حال کے بارے میں جان سکے۔

''آپ کے لئے ایک ملازمہ مخصوص کر دی جائے گی، جو آپ کے کام کرے گی، مزید یہ بیل دے دیا کریں، یہاں سے کچن بھی نزدیک ہی ہے۔'' زری نے کہا تو پھر وہ بولی

''شکریہ۔''

زری اس کی سرد مہری سے سمجھ گئی تھی کہ وہ مزید بات نہیں کرنا چاہ رہی اس لئے دوبارہ شام کو ملنے کا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔تبھی نینا نے شعیب کو کال ملا دی۔تمہیدی باتوں کے بعد اس نے بتایا

''درمیان میں کچھ لوگ پڑ گئے ہیں۔یوں سمجھ لو کہ مٹھن خان کی مخالف قوتیں ایک طرف اور ان کی حمایت والی ان کی طرف ہو گئی ہیں۔ پولیس نے اوپر تک الرٹ کر دیا ہے۔علاقے کا ڈی ایس پی ابھی اٹھ کر گیا ہے۔''

''کوئی بندوبست......'' نینا نے پوچھنا چاہا تو وہ بولا

''پورا بندوبست ہے۔فکر نہ کرو۔''

''میں آ رہی ہوں،اب تم مجھے مت روکنا۔'' نینا نے کہا

''ابھی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے روکا

''تو پھر کب ہو گی،اور جب ضرورت ہو گی تب ہی بلاؤ گے،اس وقت بلا پاؤ گے؟'' اس نے ایک دم سے غصے میں کہا

''تم تو وہ فاخرہ درانی کے پاس نہیں ہو۔'' شعیب بولا

''ادھر ہی ہوں۔لیکن تمہارا معاملہ مختلف ہے،میں نہیں رک سکتی۔'' اس نے تیزی سے کہا

''او کے،آ جاؤ،پھر کوئی پلان کرتے ہیں۔'' آخر کار شعیب نے اسے اپنے پاس بلا ہی لیا۔وہ اٹھی اور باہر جانے کو بے تاب ہو گئی۔وہ لاؤنج میں آئی تو سامنے ہی زری بیٹھی ہوئی تھی۔اسے دیکھ کر نینا نے کہا

''میں ذرا جا رہی ہوں۔میڈم صاحبہ کو بتا دینا۔جلدی آ جاؤں گی۔''

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی،وہ لاؤنج سے نکلتی چلی گئی۔زری اس کے پیچھے لپکی۔

''سنیں آپ کو ڈرائیور چھوڑ آتا ہے۔''

''نہیں میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے کہا داخلی دروازہ پار گئی۔تو زری نے اونچی آواز میں کہا

''آپ کے لئے کار دے گئی ہے،آپ خود لے جائیں۔''

یہ سن کر وہ رُک گئی۔تھوڑی دیر بعد کار آ گئی۔وہ اس میں بیٹھی اور گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

اس وقت دوپہر ہونے کو تھی۔صاحبزادہ عبدالکریم کے کمرے میں شعیب اور نینا بیٹھے ہوئے تھے۔وہ صورت حال پر بات کر چکے تھے۔ مٹھن خان نے اپنی سیاسی پارٹی کے لوگوں،پولیس اور اپنے شہر میں موجود اپنے حامیوں کو یہ باور کرا دیا ہوا تھا کہ یہ سب کچھ کیا دھرا صاحبزادہ عبدالکریم کا ہے۔وہی میرے بیٹے فرحان خان کا اور دوسرے لڑکوں کا قاتل ہے۔اب تک جو بھی قتل ہوئے اسی نے کئے ہیں۔اگر ایسا نہیں ہے تو وہ گولی نامی عورت کو ان کے حوالے کر دے۔انہوں نے شام تک کا وقت دیا تھا۔صاحبزادہ عبدالکریم طرف سے بھی اور مٹھن خان کی طرف سے بھی لوگ جمع ہوں گے۔اسی میں بتانا ہو گا کہ کیا کرنا ہے۔

''اب میں تو یہاں سے کہیں بھی نہیں جاؤں گا۔کیونکہ سارا الزام مجھ پر آ گیا ہے۔میں یہیں رہ کر سب معاملات کا سامنا کروں گا۔مجھے جیل بھی جانا پڑا تو جاؤں گا۔'' صاحبزادہ عبدالکریم نے پورے اعتماد سے کہا

''لیکن ایسا ممکن نہیں ہے،میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔'' شعیب نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔اب اس طوفان کا مقابلہ تو مجھے ہی کرنا پڑے گا نا۔'' صاحبزادہ عبدالکریم نے سمجھاتے ہوئے کہا تو شعیب پھر

بولا

’’میں موت سے گذر جاؤں گا لیکن آپ کی طرف......‘‘

’’نہیں بیٹا، تم حالات کو نہیں سمجھ رہے ہو، اب دیکھو، دو ہی صورتیں ہیں۔ایک تو یہ راستہ ہے کہ میں اس بچی کی قربانی دے دوں، اسے ان کے حوالے کروں اور خود کو بے گناہ ثابت کر دوں۔ حالانکہ اس نے میرا بیٹا مارا ہے اور میں اس کا کوئی بیٹا نہیں مارا۔دوسری صورت یہ ہے کہ تم دونوں کو محفوظ کرنے کے لئے اپنا آپ پیش کر دوں۔مقدمہ چلے گا، جو ثابت کرنا ہوگا، ہوتا رہے گا۔‘‘ یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد تیزی سے یوں بولے جیسے کچھ یاد آ گیا ہو‘‘ اور تیسری صورت بھی ہے، وہ ہے ٹکراؤ۔زور آزمائی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔اس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔‘‘

’’بابا سائیں۔! میں تیسرا راستہ چنوں گا۔‘‘ شعیب نے ایک دم سے فیصلہ کن لہجے میں کہا

’’یہ کیسے ہوگا؟‘‘ صاحبزادہ عبدالکریم نے حیرت سے کہا

’’میں لڑوں گا اس مٹھن خان سے؟‘‘ شعیب نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا تو انہوں نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا

’’لڑلو گے؟

’’کیوں نہیں، میں دوبئ گیا ہی اسی لئے تھا کہ آپ سمیت سب گھر والوں کو وہاں......‘‘ شعیب نے کہا ہی تھا کہ صاحبزادہ عبدالکریم نے اس کی بات کاٹ دی پھر کہا

’’ابھی اتنی جرات کسی میں نہیں ہے کہ مجھے ہتھکڑیاں لگا کر کوئی لے جائے یا مٹھن خان جیسا مجھے ڈرا دے۔اس نے میرا بیٹا مارا ہے۔ اس کے بدلے میں تم اس کا بیٹا بھی مار دیتے تو میں گھبرانے والا نہیں، یہ تو محض الزام ہیں۔لگتے رہتے ہیں۔اگر تم نے ان کا مقابلہ کرنا ہے تو پھر مجھے سامنے رہنا ہے اور تمہیں چھپ کر۔حوصلہ تم کرو، اعلان جنگ میں کرتا ہوں۔‘‘

اس پر خاموش بیٹھی ہوئی نینا نے کہا

’’انکل جی۔! آپ پریشان نہ ہوں۔ہم یہیں رہیں گے اسی علاقے میں اور اس مٹھن خان کا مقابلہ بھی کریں گے۔شام تک ایسا کچھ ہوگا کہ وہ کم از کم آپ کی طرف انگلی نہیں اٹھائے گا۔‘‘

’’کیا کرو گی؟‘‘ صاحبزادہ عبدالکریم نے پوچھا

’’یہ مجھے بھی نہیں پتہ۔لیکن ہوگا، آپ دیکھنا۔مٹھن خان اپنے لوگوں کو لے کر شام تک وہاں پہنچ ہی نہیں سکے گا۔‘‘

’’ایسا کیا جادو ہوگا؟ میں بھی تو سنوں؟‘‘ صاحبزادہ عبدالکریم نے یوں پوچھا جیسے کوئی طفل تسلیاں دینے کو سمجھتا ہو۔

’’کہا نا، میں بھی نہیں جانتی، لیکن ہوگا کچھ۔‘‘ اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا

’’ٹھیک ہے، میں انتظار کرتا ہوں۔‘‘ وہ سر ہلا کر بولے

’’تو پھر مجھے اجازت دیں۔‘‘ نینا نے کہا اور اٹھ گئی۔اس کے پیچھے ہی شعیب کمرے سے باہر آ گیا۔

’’کیا کرو گی تم؟‘‘

’’کچھ بھی لیکن میں پہلی بار کہہ رہی ہوں، تم نے میرے ساتھ نہیں آنا، یہ کام میں اکیلے ہی کروں گی، خدا حافظ۔‘‘ یہ کہہ کر وہ چل دی۔شعیب اس کے پیچھے لپکتے ہوئے بولا

’’ارے سنو، کوئی بے وقوفی مت کرنا میں سمجھا رہا ہوں۔‘‘

’’وقت کو اپنے ہاتھ میں کرنا ہے تو جان کی بازی لگانا ہوگی، اب مجھے نہ روکو۔‘‘ وہ چلتے ہوئے بولی اور پورچ میں کار کے پاس آ گئی۔تو شعیب

نے تیزی سے کہا

’’میں بھی تمہارے ساتھ نکلتا ہوں۔‘‘

’’نہیں،اس بار تم نہیں۔‘‘اس نے کہا اور کار میں بیٹھ کر چل دی۔شعیب اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

جس وقت وہ فاخرہ درانی کے بنگلے تک واپس آئی،اس وقت تک اس کے دماغ میں کچھ بھی نہیں تھا۔لیکن دماغ پھٹنے والا ہو گیا تھا۔اسے نہ کوئی راستہ سجھائی دے رہا تھا،اور نہ کوئی ایسا ذریعہ جد سے وہ اپنی بات کو پوری کر سکے۔اسے صرف یہی سمجھ آ رہا تھا کہ سیدھے مٹھن خان کے بنگلے پر جا پہنچے،جو سامنے آئے اسے اُڑا دے،یہاں تک مٹھن خان کو بھی قتل ہو جائے۔اس راہ میں اگر موت اس پر قابو پا لیتی ہے تو اس کی مرضی۔وہ اپنے بات پر پوری اترے گی۔وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید یہی فیصلہ کرنا پڑے۔

وہ کار پورچ میں روک کر اتری اور باہر ہی سے اپنے کمرے میں جانے لگی۔مگر وہ بند تھا۔وہ لاؤنج کی طرف سے جانے کے لئے بڑھی۔جیسے ہی وہ لاؤنج میں گئی،سامنے فاخرہ درانی بیٹھی ہوئی تھی۔وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔اسے دیکھ کر نینا کو خیال آ گیا۔اسی خیال کے تحت وہ اس کی طرف چلی گئی۔وہ اس کے قریب گئی۔فاخرہ درانی نے اُسے ساتھ والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔پھر بڑے معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

’’میڈم صاحبہ۔!میں انتہائی معذرت چاہتی ہوں،میں نے آج ہی آپ کو جوائین کیا اور آج ہی مجھے کچھ ذاتی پرابلم کی وجہ سے جانا ہو گا۔آپ پلیز یہی سمجھئے گا کہ میں یہاں آپ کے پاس آئی ہی نہیں۔میں دوبارہ آ سکی تو ضرور آپ کو جوائین کروں گی،مجھے معاف کر دیجئے گا۔‘‘

’’یہ نہیں بتاؤ گی کہ صاحبزادہ عبدالکریم کے ہاں کیا بات ہوئی،ایسی کیا بات ہو گئی جو تمہیں یوں کہنا پڑا ؟‘‘فاخرہ درانی نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے،بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا تو وہ کافی حد تک حیران ہو گئی۔نینا کو لگا کہ جو کچھ یہ دکھائی دے رہی ہے،یہ ویسی نہیں ہے،بلکہ کہیں گہری خاتون ہے۔اس لئے نینا نے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی،اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

’’اب صرف ٹکراؤ ہے۔اور کچھ نہیں۔‘‘

’’تو کیا تم اسے روک لو گی؟‘‘فاخرہ درانی نے پوچھا

’’کوشش کروں گی مٹھن خان کو ماردوں،اس کے علاوہ رُک نہیں سکتا،یہ کرنا پڑے گا۔‘‘نینا نے سوچتے ہوئے کہا

’’ہوں۔!‘‘فاخرہ درانی نے ایک ہنکارہ بھرا،پھر اس کی طرف دیکھ کر پُرسکون لہجے میں بولی،’’کیا تم صرف اسی وجہ معذرت کر رہی ہو؟‘‘

’’ظاہر ہے،جو کچھ میں کرنے جا رہی ہوں،اس میں کچھ پتہ نہیں کیا ہو۔مجھے پتہ ہے کہ میں موت کے منہ میں جا رہی ہوں،وہ لوگ خالی ہاتھ تو نہیں بیٹھے نا۔‘‘نینا مسکراتے ہوئے بولی تو فاخرہ درانی نے بھی مسکراتے ہوئے کہا

’’اور اگر میں یہیں بیٹھی یہ مسئلہ حل کر دوں تو،پھر تم کہیں نہیں جاؤں گی نا؟‘‘

’’کیا ایسا ممکن ہے؟‘‘نینا نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا

’’ہاں،کوشش کرتی ہوں۔‘‘فاخرہ درانی نے کہا اور اپنا سیل فون اٹھا لیا۔پھر نمبر دیکھ کر پُش کر دیا۔چند لمحوں میں رابطہ ہو گیا۔ذراسی تمہیدی باتوں کے بعد اس نے کہا،’’اب ٹکراؤ ہی کی صورت ہے......نہیں شاید وہ ایسے مسئلہ حل نہیں کرنا چاہتا......آپ کو تو پتہ ہے اس نے کہاں تک کے لوگوں کو اس معاملے میں شامل کر لیا ہوا ہے......میں نہیں جانتی کہ اس کا یقین درست ہے یا غلط لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ اس کی بات پوری نہ ہو......بالکل نہیں۔اس کا رخ بھی نہیں ہونا چاہئے......بھاڑ میں جائے اس کی انا،اس کی عزت......دیکھو،میں ایک بات جانتی ہوں۔صاحبزادہ نے اس کا بیٹا نہیں مارا......میں نہیں جانتی کس نے مارا ہے،لیکن یہ ضرور جانتی ہوں کہ نہیں مارا مگر مٹھن خان نے اس کا بیٹا مروایا ہے

......بس وہ انہیں تو کیا بلائے ،خود بھی یہاں نہ رہے۔ورنہ بہت زیادہ خون خرابہ ہوگا اور بات اس طرح ہاتھ سے نکلے گی کہ پھر سنبھالی نہیں جائے گی۔یہ جان لو......ٹھیک ہے میں انتظار کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے کال بند کر دی۔

"یہ کون تھا؟" اس نے پوچھا

"کوئی تھا، اپنا، بہت ہی اپنا۔" یہ کہہ کو اس نے چند لمحے سوچا پھر بولی، "مٹھن خان صاحبزادہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

"نہیں صاحبزادہ کمزور نہیں ہے، وہ ڈرتا نہیں، وہ تو ہر طرح کے حالات کے لئے تیار ہے، وہ تو......" نینا نے تیزی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولی

"جانتی ہوں۔وہ وہاں تک جائے گا، لیکن مٹھن خان نہیں آئے گا، جھوٹا ثابت ہوگا۔" فاخرہ درانی نے کہا

"لیکن کیا اس کے جھوٹا ہو جانے سے یہ ٹکراؤ رک جائے گا۔" نینا نے پوچھا تو سوچتے ہوئے بولی

"نہیں، وہ کوئی سازش کرے گا، بہت گہری سازش، جس کا مقابلہ وہی کر پائے گا، جو شیطانی ذہن کو سمجھتا ہو۔خیر۔!تم آرام کرو۔میں معاملہ دیکھ رہی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی اور لاؤنج سے نکلتی چلی گئی۔نینا کچھ دیر تک بیٹھی سوچتی رہی، پھر اٹھ کر کمرے کی جانب چل دی۔وہ ابھی تک بے چین تھی۔

شام کے سائے پھیل چکے تھے۔نینا کمرے سے نکل کر لان میں چلی گئی تھی۔وہ وہاں ٹہلتے ہوئے یہی سوچ چلی جا رہی تھی کہ اس نے فاخرہ درانی پر یقین کر کے کہیں فاش غلطی تو نہیں کر دی؟ اگر مٹھن خان وہاں چلا گیا، جہاں لوگ کا اکٹھ تھا، تو وہ شعیب کو کیا منہ دکھائے گی؟ اس نے جو بات کی تھی وہ تو نہ پوری ہو سکی تھی، ایسی حالت میں شعیب کیا سمجھے گا؟ یہی سب کچھ اس کے دماغ میں گھوم رہا تھا۔اسی خوف سے اس نے شعیب کو فون بھی نہیں کیا تھا۔وہ خوف زدہ تھی۔ساری دنیا ایک طرف اور شعیب دوسری طرف، اسے اگر پوری دنیا میں کسی کی پرواہ تھی تو وہ صرف شعیب ہی کی تھی۔ہر گذرتے ہوئے لمحے کے ساتھ اس کی بے چینی بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔نجانے وہاں کیا ہوگا۔اگر کہیں شعیب کو غصہ آ گیا، یا اس پر وہ ٹوٹ پڑے، یا اس کا کہیں نقصان ہو گیا تو خود کو کبھی معاف نہیں کر پائے گی۔کیا کرے کیسے پتہ چلے؟ وہ بے چینی میں ٹہل رہی تھی ۔اس کا سارا دھیان اپنی سوچوں میں تھا اور وہ اسی میں ہی الجھی ہوئی تھی۔ایسے میں اس کا فون بج اٹھا۔اس نے تیزی سے فون اسکرین پر دیکھا، وہ شعیب کی کال تھی۔اس کا دل اچانک بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔وہ اسی کشمکش میں پھنس گئی کہ فون اٹھائے یا نہیں۔وہ چند لمحے فون اسکرین پر دیکھتی رہی، پھر ایک طویل سانس لے کر فون یوں کان سے لگایا ، جیسے وہ کسی بہت بڑے امتحان سے گزرنے والی ہو۔اس نے بے دلی سے ہیلو کہا تو شعیب نے حیرت ملے لہجے میں کہا

"مٹھن خان نہیں آیا؟"

"کیا......کیا کہہ رہے ہو؟" اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔تو یہی بات شعیب نے پھر دہراتے ہوئے پوچھا

"یہ کیسے ہوا؟"

"میں نہیں جانتی۔" اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

"مطلب، میں سمجھا نہیں؟" اس نے کہا

"تم اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہاں ہو؟" اس نے پوچھا

"ہم بس گھر کی طرف جا رہے ہیں، بس ابھی نکلے ہی ہیں یہاں سے۔" اس نے بتایا

"اپنا خیال رکھنا، سانپ کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، کب کاٹ لے۔" نینا نے کہا

"وقت نکالو، ملتے ہیں۔" اس نے کہا

''نہیں، میں ابھی نہیں مل سکتی، مجھے کچھ کام ہے، ملتے ہیں بعد میں۔'' نینا نے کہا اور الوادعی باتیں کرنے لگیں۔اس پر وہ خاموش رہا تو نینا نے فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن کا سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمکتا رہا تھا۔ یہاں تک شام ہونے کو آ گئی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک اپنے کمرے ہی میں تھی۔ سارا دن کسی نے بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔اس نے تھوڑا وقت لاؤنج میں گذارا پھر کمرے میں آ گئی۔وہ پھر سے باہر نکلنے کا سوچ رہی تھی کہ میڈم فاخرہ کا فون آ گیا۔

''ذرا اسٹڈی روم تک تو آؤ۔''

''جی ابھی آتی ہوں۔'' اس نے کہا اور کال بند کرتے ہی اٹھ گئی۔ فاخرہ درانی اسی صوفے پر اسی طرح تمکنت سے بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے اپنے مخصوص انداز میں اسے ساتھ والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیسا گذرا آج کا دن؟''

''سچ پوچھیں تو بہت بوریت ہوئی ہے۔'' اس نے صاف کہہ دیا۔اس وہ سر ہلاتے ہوئے بولی

''ہونی بھی چاہئے تھی، خیر۔! میں نے تمہارے لئے ایک کام سوچا ہے، اگر تم کر سکو تو؟''

''بتائیں۔'' نینا نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا، جہاں کسی بھی قسم کا کوئی جذبہ نہیں تھا

''بہت عرصے سے میرا ایک بنگلہ خالی پڑا ہے۔تم وہاں شفٹ ہو جاؤ، وہاں ایک پورا آفس بناؤ۔میں نے حال ہی میں اپنی نسوانی حقوق کی دوبارہ فعال کیا ہے۔اس میں جان ڈال دو، کیا کرو گی، کیسے کرو گی، یہ بعد میں ہوتا رہے گا۔'' فاخرہ درانی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''کب ہونا ہے شفٹ؟'' اس نے پوچھا

'' تم چاہو تو آج ہی۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا

''میں ابھی نکل جاتی ہوں۔'' وہ بولی

''جیسے تمہاری مرضی، زری تمہارے ساتھ وہاں چلی جائے گی، تب تک وہیں رہے گی، جب تک تم چاہو۔'' اس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا

''اوکے، کوئی اور بات۔'' اس نے پوچھا

''نہیں، کوئی نہیں۔'' اس نے دھیمے سے کہا تو نینا بولی

''بلائیں زری کو۔''

''اپنے کمرے میں جاؤ ابھی آ جاتی ہے۔'' فاخرہ درانی نے کہا تو وہ اٹھ گئی۔

نسوانی حقوق کی تنظیم کا وہ آفس کچھ فاصلے پر تھا۔ جس کا نام انہوں نے ''عورت منزل'' رکھا ہوا تھا۔وہ مین روڈ سے ذرا ہٹ کر ایک پوش کالونی میں تھا۔ وہاں کافی حد تک سیکورٹی کا بندوبست تھا۔وہ بنگلہ نیا بنا ہوا تھا۔گیٹ پار کرتے ہی زری نے جب پورچ میں کار روکی تو وہاں چند مردوں کے ساتھ تین نوجوان لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں۔وہ سب اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔جیسے ہی وہ کار سے نکلی، سبھی اس کی جانب بڑھے، نینا پرٹوکول سے واقف تھی۔وہ سمجھ رہی تھی کہ یہاں اس کی کیا اہمیت دی جا رہی ہے۔وہ لڑکیاں پیش پیش تھیں۔اسے ایک سجے ہوئے آفس میں لے جایا گیا۔وہ سب کھڑے تھے کہ زری نے اسے میز کے پار سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔

''یہ سب آپ کے یہاں ساتھی ہوں گے۔یہ فارحہ ہے، یہ رمنا اور شائستہ۔باقی سب سے بھی تعارف ہو جائے گا۔یہاں کے بارے سب

کچھ بتادیں گے۔'' زری نے کہا تو کچھ دیر تک ان سے باتیں کرتی رہی۔ان کی باتوں سے یہی انداز ہوا کہ وہاں بس ٹھکانہ ہے، کرنا اسی نے جو فاخرہ درانی اس سے کام لینا چاہئے گی۔

'' آئیں میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھاؤں۔'' فارحہ نے کہا تو وہ اٹھ گئی۔تب زری نے جانے کا کہہ دیا اور وہ چلی گئی۔

اس کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔وہ تینوں لڑکیاں وہیں رہتی تھیں۔وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر چلی گئیں، یہاں تک کہ وہ کمرے میں تنہا ہوگئی ۔اس نے فون نکالا اور شعیب کو کر دیا۔

'' کہاں مل سکتے ہو؟''

'' اب شاید نہیں نکل سکوں گا، بابا کے پاس کافی لوگ ہیں، یہ سب سیاسی بندے ہیں، مجھے یہاں رہنا ہوگا۔'' اس نے بے دلی سے کہا

'' اوکے۔'' نینا نے کہا اور کال بند کر دی۔وہ اپنے آپ میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہی تھی، جس کی اُسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

☆......☆......☆

دو دن تک وہ وہیں ''عورت منزل'' میں الجھی رہی۔اُن تینوں لڑکیوں نے کافی حد تک کام کر کے ایک لائحہ عمل بنا لیا ہوا تھا۔وہ اس کام میں ماہر تھیں اور اسی میں ہی انہوں نے تعلیم حاصل کی ہوئی تھی۔ان دو دنوں میں اس کا شعیب کے ساتھ رابطہ تو ہوتا رہا لیکن ان کی ملاقات نہیں ہو پائی۔تیسرے دن کی شام فاخرہ درانی وہیں ''عورت منزل'' آگئی۔وہ نینا کے ساتھ کچھ دیر اِدھر اُدھر پھرتے رہنے کے بعد آفس میں آگئی، وہیں بیٹھ کر اس نے بڑے سکون سے کہا

'' نینا۔! اگر میں یہ کہوں کہ مجھے پتہ ہے کہ آج رات مٹھن خان کہاں ہوگا، تو اس پر تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟''

'' میں کوشش کروں گی کہ اسے ختم کر دوں۔'' نینا نے اسی سکون سے جواب دیا،

'' ٹھیک ہے، میں تمہیں بتا دیتی ہوں۔فرض کر لیا وہ مر بھی گیا، تو کیا ہوگا؟ اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی دوسرا آجائے گا۔پھر وہی قتل وغارت، ظلم، انسانی تذلیل، جبر اور وہی غلیظ سیاست، جس سے عوام نہیں کو باور کرایا جاتا ہے کہ تم ایک گھٹیا قسم کی مخلوق ہو۔''

'' وہ تو ختم ہوگیا نا، میری دشمنی اسی سے ہے۔'' نینا نے کہا

'' ٹھیک ہے کل کوئی دوسری نینا پیدا ہو جائے گی۔کیونکہ صدیوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، اور سسٹم یہی ہے کہ ایسا ہوتا رہے گا۔کل مٹھن خاں کا باپ تھا، اس سے بھی پہلے اس کا باپ، اب مٹھن خان، پھر اس کا بیٹا، ارمان خان، وہ مر گیا تو اس کی بیوی، بیٹی کوئی دوسرا رشتے دار ، ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں ہم پر حکومت کرتے رہیں گے۔رَبّ تعالیٰ نے تو وسائل کی بھرمار کی ہوئی ہے، ان پر قابض کون ہیں؟''

'' آپ کیا چاہتی ہیں؟'' نینا نے پوچھا

'' سچ پوچھو تو میں کچھ نہیں چاہتی، جس عوام کو یہ شعور ہی نہیں کہ اس کا بھی کوئی حق ہے، کوئی فرض بنتا ہے۔جو ظلم سہے جا رہا ہے۔اس کے لئے کچھ نا ہی کیا جائے تو بہتر ہے۔اس پر ظلم ہونا ہی انصاف ہے، کیونکہ عوام چاہتے ہیں اُن پر ظلم ہو۔لیکن پھر سوچتی ہوں کہ میرا فرض کیا بنتا ہے۔ زندہ میں نے بھی نہیں رہنا۔مگر اپنی بساط بھر کوشش تو کر سکتی ہوں۔'' فاخرہ درانی نے تلخی سے کہا تو نینا نے بڑے تحمل سے کہا

'' یہ ایک لمبی بحث ہے، جو شاید میں نہیں کر سکتی، اگر آپ کو پتہ ہے کہ آج مٹھن خان اپنے قلعے سے کہیں باہر ہوگا تو مجھے بتائیں، میں دیکھتی ہوں اُسے۔''

'' مجھے پتہ ہے، آج اس نے کہاں ہونا ہے۔لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گی۔کیونکہ اس کا......'' اس نے کہنا چاہا تو نینا نے تیزی سے کہا

''آپ مجھے ڈرا رہی ہیں، یا کوئی امتحان لے رہی ہیں؟''

''میں کچھ بھی نہیں کر رہی۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تمہیں سمجھاؤں، ہم مل کر اس سسٹم کو ختم کریں جن میں یہ چھوٹے چھوٹے زمینی خدا بن کر مخلوق پر ظلم کر رہے ہیں۔'' وہ بولی

''وہ تو ہوتا رہے گا، آپ بتائیں کہاں ملے گا وہ؟'' نینا نے پوچھا تو اس نے کہا

''صرف ایک شرط پر، صرف مٹھن خان کو مارنا ہے، اگر وہ مر سکا تو، اس کے علاوہ کسی کو بھی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بندہ بھی انہی میں ہوگا، جس نے مجھے یہ اطلاع دی ہے۔''

''ڈن ہوگیا۔'' نینا نے پر یقین لہجے میں کہا

''تو پھر سنو۔! وہ اور اس کے جیسے چند لوگ نثار چدھڑ کے ڈیرے پر جمع ہوں گے۔'' فاخرہ درانی نے بتایا

''نثار چدھڑ......'' وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے بولی

''اب تم جانو اور تمہارا کام۔'' یہ کہہ کر فاخرہ درانی اٹھتے ہوئے بولی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کر پورچ تک گئی۔ جیسے ہی وہ اپنی کار میں گیٹ پار کر گئی۔ اس نے شعیب کو کال ملا دی۔ جیسے ہی رابطہ ہوا۔ اس نے کہا

''فوراً ملو، لیکن پوری تیاری کے ساتھ۔''

''خیر ہے؟'' شعیب نے حیرت سے پوچھا

''دشمنوں کی خیر نہیں ہے۔ تم جلدی آؤ۔'' اس نے کہا تو شعیب نے ایک پوائنٹ بتاتے ہوئے پہنچ جانے کو کہا۔ فون بند کر کے وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اس نے جین پہنی، شرٹ کے اوپر جیکٹ ڈالی، اس میں سب کچھ تھا جس کی اسے ضرورت ہو سکتی تھی۔ پھر وہ نیچے آ کر اُس نے کار لی اور 'عورت منزل' سے نکلتی چلی گئی۔

شعیب اپنی فور وہیل میں وہیں تھا۔ اس پتہ چل گیا کہ نینا اُس تک پہنچ گئی ہے۔ وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ نینا نے اپنی کار ایک قریب مارکیٹ میں پارک کی ۔ پھر وہ اس کی فور وہیل میں آ بیٹھی۔ نینا نے پسنجر سیٹ پر بیٹھتے ہی اس سب بتانا شروع کر دیا۔ شعیب ڈرائیو کرتا ہوا اس کی بات سنتا رہا۔ جب وہ کہہ چکی تو اس نے پوچھا

''جانتی ہو وہ کون ہے؟''

'' ہاں، وہ بھی سیاست دان ہے، ہمارے ہی حلقے سے وہ ایم پی اے ہے۔'' نینا نے کہا

''تم صرف اتنا ہی جانتی ہو، لیکن وہ ایک درندہ ہے اور جس جگہ اس کا ڈیرہ ہے۔ وہ یہاں تک دس کلومیٹر سے بھی زیادہ دور کچے میں ہے۔ وہ کسی شاہراہ عام پر نہیں ایک جنگل کے گذر کر جانا پڑتا ہے۔ میں ایک بار وہاں گیا تھا۔ وہاں اس کی سیکورٹی کیا ہو سکتی ہے، تم یہ بھی نہیں جانتی ہو۔ سمجھ لو کہ تم سیدھے سیدھے خود کشی کا فیصلہ کر رہی ہو۔'' شعیب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم دو ہیں اور وہاں پر پتہ نہیں کیا حالات ہوں۔'' نینا نے سوچتے ہوئے پوچھا

''جی، میرا خیال ہے کہ میں یہ سمجھا رہا ہوں۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

''تمہیں یہ پتہ ہے، یہ جو لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں، اس کے بعد کیا ہوگا؟'' نینا نے پوچھا

''کیوں ہو رہے ہیں اکھٹے؟ اسی لئے نا کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف کچھ نیا کریں گے۔ مٹھن خان کی طاقت بڑھ جائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان سے مدد مانگنے گیا ہے۔'' شعیب نے کہا

''ابھی تو ایک مٹھن خان ہے، پھر کئی ہوں گے، ہمارے پاس اب طاقت کیا ہے؟ تب تو.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن وہ بات کاٹتے ہوئے

بولا

’’لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم خود کشی کرنے چل دیں، یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے پاس وہ طاقت نہیں ہے۔‘‘

اس پر نینا چند لمحے خاموش رہی، پھر بولی

’’مجھے واپس کار تک چھوڑ دو۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ تم نہ جاؤ۔ میں جاؤں گی۔ میں جو کرنا چاہتی ہوں وہ کروں گی۔‘‘

’’یہ تمہارا فیصلہ ہے؟‘‘ شعیب نے گھمبیر لہجے میں پوچھا

’’ہاں، یہی میرا فیصلہ ہے۔‘‘ اس نے کہا تو شعیب نے سر ہلایا اور فور وہیل کی رفتار مزید تیز کر دی۔ ان کے درمیان خاموشی سے یہ طے ہو گیا کہ وہ نثار چدھڑ کے ڈیرے کی طرف جا رہے ہیں۔ تقریباً دس منٹ سفر کرنے کے بعد وہ ہائی وے سے نیچے اتر گئے۔ وہیں سے آگے ایک چھوٹی سڑک نکلتی تھی، جس کے ارد گرد کئی گاؤں اور بستیاں تھیں۔ تھوڑا سا آگے جا کر انہیں دائیں جانب جانا تھا۔ یہ ایک مصنوعی ذخیرہ تھا، جو حکومت کی طرف سے لگایا گیا تھا۔ اس میں اتنا خطرہ نہیں تھا، کبھی کبھی کوئی اکا دکا واردات ہوتی تھی۔ لیکن اس مصنوعی ذخیرہ سے آگے راستہ صاف تھا۔ آگے جا کر ایک جنگل تھا، جسے پار کرنے کے بعد ہی وہ نثار چدھڑ کے ڈیرے تک پہنچ سکتے تھے۔ یہی جنگل چوروں ڈاکوؤں اور راہزنوں کا اڈہ بن چکا تھا، اسے پار کرنا بذات خود ایک بہت بڑا مرحلہ تھا۔ شعیب نے وہ ذخیرہ پار کر لیا۔ تو نینا نے طنزیہ لہجے میں کہا

’’تم تو کہتے تھے کہ راستے میں جنگل ہی، یہی جنگل تھا؟‘‘

’’نہیں، جنگل آگے آئے گا۔‘‘

’’کتنی دیر تک وہاں پہنچیں گے؟‘‘ اس نے پوچھا

’’ادھر ہمارے بہت گہرے تعلق والے لوگ رہتے ہیں۔ میں چاہتا پہلے ان کے پاس جاؤں۔ یہ فور وہیل وہاں کھڑی کروں اور ہم پیدل یا کسی بائیک پر آگے نکلیں۔ یہ گاڑی تو دور ہی سے دیکھی جا سکتی ہے۔‘‘ اس نے سمجھاتے ہوئے کہا

’’جیسا تم چاہو۔‘‘ نینا نے کاندھے اچکا کر کہا

’’اب جانا تو ہے تیرے ساتھ۔‘‘ شعیب نے طنزیہ کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک ذیلی کچی سڑک پر فور وہیل موڑنے کے لئے آہستہ کی۔ اسی لمحے پیچھے سے ایک بائیک نکلی، جس کی ہیڈ لائیٹ بند تھی۔ فور وہیل کی روشنی ان پر پڑی تو انہوں نے دیکھا وہ دو سوار تھے۔ ان دونوں کے چہرے کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک بائیک چلا رہا تھا اور دوسرا پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ذرا سے فاصلے پر جا کر پیچھے والے نے گن سیدھی کی اور ان پر تانتے ہوئے رکنے کا اشارہ کیا۔

’’لو آ گئے، ہمیں لوٹنے۔‘‘ نینا کے منہ سے بے ساختہ نکلا

’’کہا نا بڑا خطرناک علاقہ ہے۔ اب بھگتیں گے انہیں۔‘‘ شعیب نے کہا تو نینا نے پسٹل نکالتے ہوئے کہا

’’دونوں اب خواہ مخواہ مر جائیں گے۔‘‘

’’نہیں، انہیں مارنا نہیں۔‘‘ شعیب نے تیزی سے کہا۔ اتنے میں شعیب نے بیک مرر میں دیکھا۔ ایک مزید موٹر سائیکل اس کی فور وہیل کے پیچھے تھا۔ بلاشبہ ان پر بھی دو ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ مزید لوگ بھی۔

’’تو کیا.....‘‘ نینا نے کہنا چاہا تو شعیب نے فور وہیل مزید آہستہ کرتے ہوئے کہا

’’ممکن ہے کوئی جان پہچان کا نکل آئے۔ وہ ہمیں فائدہ بھی دے سکتا ہے۔ ورنہ آمنا سامنا تو ہے ہی، وہ ہمیں.....‘‘ اس نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بریک لگا دیئے۔ ان کے رکتے ہی سامنے بائیک بھی رک گیا تھا۔ دونوں بائیک سے اتر کر دائیں جانب اندھیرے میں چلے گئے تھے۔ یوں جیسے غائب ہو گئے ہوں

شعیب نے بیک مرر میں دیکھا۔ پیچھے آتا ہوا موٹر سائیکل بھی رک گیا تھا۔اس کی ہیڈ لائیٹ بند ہو گئی تھی ۔اس نے دیکھا ، پیچھے بیٹھا ہوا سوار اتر کر فور وہیل کی طرف لپکا۔دوسرا اس کور ے رہا تھا۔ان کا کیا ارادہ تھا، یہ بھی نہیں جانتے تھے۔ نینا نے پسٹل مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔وہ ایک ہلکے سے اشارے پر بھی فائر کر سکتی تھی۔ پچھلا سوار لحہ بہ لحہ محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔شعیب کے دماغ میں الجھن ہو رہی تھی ،انہوں نے اگر لوٹنا ہی تھا تو پہلے ٹائروں کو نشانہ بناتے ، کیا انہیں خوف بھی نہیں آ رہا سامنے سے فائر بھی ہو سکتا ہے ۔وہ کھلے میدان میں ہیں اور ہم گاڑی میں، یہ صرف راہزن نہیں ہو سکتے ،معاملہ کچھ دوسرا ہے ۔وہ بیک مرر میں دیکھ رہا تھا۔ پچھلا سوار گاڑی کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ڈرائیور گیٹ پر آ کر اس نے گیٹ کھولا ، اس کی نگاہ نینا پر پڑی،تب ایک حیرت بھری نسوانی آواز گونجی

”تم......؟“

باقی آئندہ ان شاءاللہ

آواز سن کر نینا بھی چونک گئی۔وہ آواز جانی پہچانی تھی۔اچانک سنائی دینے پر فوراً ہی اس کے ذہن میں نہیں آیا کہ یہ آواز کس کی ہے؟ پھر جیسے ہی وہ سامنے آئی، نینا اسے پہچان گئی، وہ تاجاں تھی۔اس نے سیاہ کپڑے سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا جو اس نے اتار دیا۔اس کی آنکھوں میں اب بھی حیرت تھی۔اس کی یہ حیرانگی،اس کی آواز میں تھی۔

”تم یہاں کیسے؟“

”یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔“ نینا نے پوچھا

” یہ تو بڑا خطرناک علاقہ ہے،تم یہاں کسی مجرم کے پیچھے آئی ہو،اور یہ ساتھ میں......“ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”آؤ بیٹھو میرے ساتھ، بتاتی ہوں۔“ نینا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی

”نہیں، میں چلتی ہوں،تم میرے پیچھے آؤ۔“

”ٹھیک ہے۔“ نینا نے کہا تو وہ فور وہیل کے پیچھے کھڑی بائیک کے سوار کو اشارہ کیا۔لمحوں میں بائیک اس کے پاس آ گئی۔وہ اس پر بیٹھی اور چل دی۔تبھی شعیب نے گیئر لگاتے ہوئے نینا سے پوچھا

”اعتماد کر سکو گی اس پر؟“

”کرنا پڑے گا۔عورت تو بڑے ٹھسّے والی ہے،آگے دیکھیں۔“ وہ رفتار بڑھاتے ہوئے بولا

”دیکھو، اگر اچھا کر دے، ورنہ بُرا تو ہے ہی۔“ وہ کاندھے اُچکا کر ہنستے ہوئے بولی، اس پر شعیب خاموش رہا۔اس کا دھیان پوری طرح ڈرائیونگ کی طرف تھا۔وہ لوگ آگے آگے جا رہے تھے۔تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دائیں جانب کچی سڑک پر مڑ گئے۔انہیں زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا پڑا۔وہ بائیک والے ایک ڈیرہ نما عمارت کے آگے رُک گئے ۔ڈیرے کی دیواریں کچی اور اونچی اونچی تھیں۔کہیں کہیں محراب بنے ہوئے تھے۔انہی محرابی ستونوں کے درمیان لکڑی کا دیوہیکل پھاٹک لگا ہوا تھا۔پھاٹک کی چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور اس کے ساتھ ہی دیوہیکل پھاٹک کھل گیا۔وہ اندر چلے گئے۔کافی فاصلے پر عمارت تھی۔درمیان میں لان اور پکی جگہیں تھیں۔وہ ڈیرہ بھی عام ڈیروں سا تھا۔حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کہیں کوئی شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا،سوائے پھاٹک پر کھڑے گارڈز کے۔یوں لگ رہا تھا جیسے ویرانی ہو۔

”کہیں ہم پھنس تو نہیں گئے؟“ شعیب نے دھیمے سے کہا۔وہ دیکھ رہا تھا کہ دو موٹر سائیکلوں کے ساتھ ہی پیچھے سے مزید دو موٹر سائیکل آ کر ان کے پاس رُک گئے ہیں۔انہوں نے بھی قریب ہی فور وہیل روک دی۔وہ اترے تو تاجاں ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔اب وہ کوئی عورت دکھائی دے رہی تھی۔ملگجے اندھیرے میں ہی اس نے اندر کمرے میں آنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی

”آ اندر بہہ کے گلاں کریئے۔(آؤ اندر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں)

''میرے پاس باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ مجھے کہیں کام جانا ہے،تم میرا وقت ضائع نہ کرو۔'' نینا نے کہا

''او کائی کجھ نئی ہوندا۔تو آ۔'' (کوئی کچھ نہیں ہوتا،تم آؤ۔) یہ کہتے ہوئے تاجاں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''دیکھو،وقت نہیں۔'' نینا نے کہا تو وہ اسے کھینچ کر اندر لے گئی۔

کمرے میں تیز روشنی تھی۔تاجاں کی جیسے ہی نگاہ شعیب پر پڑی،اس کی آنکھیں ستائشی انداز میں کھل گئیں۔وہ اس کے قریب گئی اور ہاتھ کی پوروں سے اس کے چہرے کو نرمی سے چھوتے ہوئے شوخی سے بولی

''واہ،!ایڈا سوہنا چھوہر،کتھوں لبیا ای۔(واہ اتنا وجیہ لڑکا،کہاں سے ڈھونڈا ہے)

''میرا دوست ہے،اسے چھوڑ،میرے ساتھ بات کر،اس میں ڈوبے گی نا تو پھر ابھر نہیں سکو گی۔''

''چن اے چن۔'' (چاند ہے چاند) یہ کہتے ہوئے اس نے شعیب کی گال پر نرمی سے چٹکی لی اور پھر اسے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔سب بیٹھ گئے تو نینا نے کہا

''تم یہاں کیسے ہو؟''

'' تو ای پچھدی پئی اے،اک تو اک ودھ کے بندہ مینوں لبھدا اوندا اے،خاص کرتے او مٹھن خان،ہن وی نہ لگّاں۔'' (تم بھی پوچھتی ہو ،ایک سے ایک بندہ بڑھ کر میری تلاش میں ہے،خاص طور پر مٹھن خان،اب بھی نہ یہاں پناہ لوں۔) اس نے تیزی سے کہا

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم راہزانی اور ڈاکے مارنے شروع کر دو۔'' نینا نے غصے میں کہا

''نہی،میں لٹّن نہی گئی ہائی،(نہیں میں لوٹنے نہیں گئی تھی۔) یہ کہہ کر وہ تفصّل بتانے لگی۔

وہ اپنے گھر سے بھاگ کر سیدھی اسی ڈیرے پر آئی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ چند دن یہاں رہ کر وہ یہاں سے دور کسی علاقے میں نکل جائے گی ۔یہاں رہنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ اپنے گھر کے معاملات کو بھی دیکھ سکے،کون کیا کرتا ہے؟اس رات کے بعد وہاں پر کوئی نہیں گیا۔یہ بھی یہاں سکون سے ٹک گئی۔تاجان جس کے ڈیرے پر تھی وہ علاقے کا بڑا زمیندار تھا۔اس نے سیدھے سبھاؤ نہیں اشارے کنائے میں بتایا کہ وہ زمیندار اس پر مرتا تھا۔ان کا آپس میں تعلق کافی پرانا تھا۔تاجاں جانتی تھی کہ یہ بندہ اسے صرف عیاشی کی حد تک چاہتا ہے۔اس لئے بات دور دور سے تعلق کی حد تک رہی۔جب تاجان کے سر پر آن پڑی تو وہ سیدھی اس بندے کے پاس ہی آئی۔یہاں آ کر اس نے پناہ لی تو ذہن میں یہی تھا کہ وہ بندہ اپنا مقصد ضرور حاصل کرے گا۔لیکن اب تک اس نے کوئی بات کرنا تو کجا،اس سے دوبارہ ملا بھی نہیں تھا۔وہ یہاں سکون سے تھی۔انہیں باتوں میں اس نے یہ بھی بتا دیا کہ آج وہ وہاں پر گیا ہے،جہاں علاقے بھر سے زمیندار اکھٹے ہو رہے ہیں۔ان میں مٹھن خان نے بھی آنا ہے۔چونکہ اس کا راستہ یہیں سے تھا،اس لئے تاجاں پوری تیاری سے گئی تھی۔ اپنی طرف سے اس نے مٹھن خان کو روک لیا تھا۔

''تمہیں شاید پتہ نہیں،میں نے نوکری چھوڑ دی ہے۔اور اب ان کے پاس ملازمت کر رہی ہوں۔'' نینا نے شعیب کی طرف اشارہ کر کے کہا

''سچی؟'' اس نے پوچھا

''جی،مجھ پر تمہاری وجہ سے بہت سارے الزام آ گئے تھے،کرتا کوئی پھر رہا ہے،بھرنا مجھے پڑ رہا ہے۔'' نینا نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی

''ہوئیا کیہہ ہئے؟'' (ہوا کیا ہے؟) تاجاں نے پوچھا

''اسے چھوڑو،ہمیں جانے دو،تم اپنے اس مٹھن خان کو پکڑو،ہمارے چکر میں......''

اس نے نینا کی بات کاٹتے ہوئے بتایا کہ راستے میں اسے فون مل گیا تھا کہ مٹھن خان نے جہاں جانا تھا،وہاں پہنچ گیا ہے،وہ کسے دوسرے راستے سے چلا گیا ہے۔یہ ساری بات اس نے تفصیل سے بتائی تو شعیب بولا

''ہمیں تو اپنے کام سے جانے دو۔''

''تیرا کئے کم اے سوہنا۔'' (تمہارا کیا کام ہے سوہنے) اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا

''مجھے کوئی بندہ تلاش کرنا ہے، اسی علاقے سے، اس کے پیچھے آیا ہوں، یہاں میرے کچھ جاننے والے ہیں۔'' شعیب نے کافی حد تک بے رخی سے کہا

''ہن تاں اسیں جانن لگ پیئے آں سانوں دس۔'' (اب تو ہم بھی جاننے لگے ہیں ہمیں بتاؤ۔) وہ ہنستے ہوئے بولی

''چل بتا کیا لوگی، اسے تلاش کر کے میرے حوالے کرنے کے؟'' شعیب نے اسے چڑانے کے انداز میں پوچھا

''تیرے کولوں کجھ نئیں۔ بول کون؟'' (تم سے کچھ نہیں بول کون؟) اس نے کہا

''نا پھر یہ کچی بات ہے۔'' اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا

''کچی کیئوں، میں آکھدی پئی آں؟'' (کچی کیوں، جب میں کہہ رہی ہوں) تاجاں نے کافی حد تک غصے میں کہا، نینا سمجھ گئی تھی کہ وہ اسے کہاں پر لا رہا ہے،

''میں احسان نہیں لینا چاہتا'' اس نے بے رخی سے کہا

''تو، میں تیرا کم کرساں، آپاں ہن یار جو ہوئے۔'' (پھر، میں تمہارا کام کروں گی، ہم دوست جو ہیں اب)

''کہا نا میں احسان نہیں لیتا، ہاں اگر تم یہ کہو کہ وہ مٹھن خان تلاش کرنے میں تمہاری مدد میں کرتا ہوں، تم میری مدد کر دینا۔'' شعیب نے کہا

''ایہہ گل ہوئی نا (یہ بات ہوئی نا) تاجاں نے خوشی سے کہا، پھر بولی،'' اے تاں مینوں پتہ ہےئے پئی او کتھاں ہےئے۔ پر او تھے بڑی سیکورٹی ہےئے۔ اونوں راہ اچ ای قابو کیتا جاسکدا اہا (یہ تو مجھے پتہ ہے کہ وہ کہاں پر ہے، لیکن وہاں پر سیکورٹی بہت ہے، اسے راستے ہی میں قابو کیا جا سکتا تھا۔)

''دل بڑا کرو چلتے ہیں، تم وہ جگہ دکھا کر پیچھے ہٹ جانا، کچھ نہ کرنا گاڑی میں بیٹھی رہنا۔'' شعیب نے اسے جان بوجھ کر چڑاتے ہوئے کہا، اگلے ہی لمحے اس کا اثر ہو گیا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی

''چل ہنے نکلدے ہاں۔'' (چل ابھی نکلتے ہیں۔)

یہ سن کر نینا مسکرا دی۔ وہ تاجاں کے ساتھ باہر نکلے، اس کے ساتھ چند بندے مزید ایک دوسری فور وہیل میں نکلے تو شعیب بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔ تاجاں انہی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی اپنی گاڑیوں میں ڈیرے سے نکل آئے تھے۔ ان کا رُخ اسی جانب تھا، جہاں مٹھن خان کے بارے میں پتہ چلا تھا۔

راستہ تاریک تھا۔ دونوں فور وہیل تیز رفتاری سے آگے پیچھے جا رہی تھیں۔ کچھ آگے جا کر شعیب نے سڑک پر دیکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا

''میں پھر تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہ ہماری کچھ مدد کر پائے گی، کہیں......''

''مجھے نہیں لگتا کہ یہ ہمیں دھوکا دے گی، آگے رب جانتا ہے، اس کے دل میں کیا ہے۔'' نینا نے صاف کہہ دیا۔ اس پر شعیب نے مزید کوئی بات نہیں کی۔ لیکن رفتار بڑھا دی۔ چھوٹی سی سڑک پر وہ فور وہیل کے تعاقب میں تھا۔ تبھی آگے والی فور وہیل کی رفتار کم ہوئی، اس کے ساتھ ہی نہر دکھائی دینے لگی۔ فور وہیل دائیں جانب نہر کے ساتھ کچے میں اتر گئی۔ اگرچہ کافی ساری دھول اٹھنے لگی تھی مگر وہ ان کے پیچھے چلتا گیا۔

اس وقت آدھی رات سے زیادہ کا وقت ہو گیا تھا جب وہ پھر دائیں جانب مڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی آگے والی فور وہیل رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی تاجاں باہر نکلی۔ اس کے پیچھے ہی ساتھی مرد بھی اتر آئے۔ شعیب نے بھی گاڑی روکی تو نینا نے اتر کر ان کے پاس جا کر پوچھا

''رُک کیوں گئے؟''

''آگے گاڑیوں پر گئے تو پکڑے جائیں گے۔'' ایک نوجوان نے بڑھ کر کہا

''مطلب......!''اس نے سمجھنے کے لئے پوچھا تو بولا

''میں اس علاقے کے بارے ہی نہیں ، یہاں کے لوگوں کے بارے بہت بہتر جانتا ہوں، کیونکہ میں یہیں کا رہنے والا ہوں۔ہمیں یہاں پیدل جانا ہوگا۔''

''پیدل، کدھر جانا ہے؟''نینا نے پوچھا تو وہ سامنے کی جانب اشارہ کر کے بولا

''اس طرف ایک کلومیٹر کے فاصلے پر وہ ڈیرہ ہے۔گاڑیوں پر جائیں گے تو ان تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑے جائیں گے۔تھوڑا شاٹ کٹ ہے، چھپ کر ڈیرے تک پہنچ جائیں گے۔''اس نے تفصّل بتاتے ہوئے کہا

''اوکے، چلو۔''نینا نے ایک دم سے فیصلہ کر لیا۔وہ سبھی اس طرف چل دیئے۔ملگجے اندھیرے میں وہ سب ہیولوں کی مانند لگ رہے تھے۔وہ لڑکا سب سے آگے تھا۔

انتہائی احتیاط سے چلتے رہنے کے بعد تقریباً ایک گھنٹے میں وہ ایک چاردیواری سے تھوڑا فاصلے پر پہنچ گئے جہاں اندر کی جانب کافی روشنی اٹھ رہی تھی۔

''سامنے کی طرف سے پکڑے جائیں گے۔ان کی ساری سیکورٹی اندر کی جانب ہے۔یا پھر وہ سامنے برجی پر کھڑے ہیں۔''اسی لڑکے نے بتایا۔

''اب اندر کیسے جائیں؟''نینا خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی تو تاجاں بولی

''کندھ تک تا پہنچ ،مڑ چڑھ جاسئیں۔''(دیوار تک تو پہنچو پھر چڑھ جائیں گے۔)

تاجاں کا اتنا کہنا تھا، نینا کے دماغ میں پلان آ گیا کہ آگے کیا کرنا ہے۔

وہ سبھی اندھیرے کا حصہ بنے ہوئے تھے۔نینا نے ہولے ہولے سب کو سمجھانے لگی کہ کرنا کیا ہے۔اس کی بات ختم ہوتے ہی نینا دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔اس کے ساتھ ہی دولڑکے بھی دیوار پر چڑھنے لگے۔کچی دیوار پر وقت اور بارش ہونے کی وجہ سے کافی دراڑیں ایسی تھیں جن کے سہارے وہ چڑھتے چلے جا رہے تھے۔کچھ دیر بعد وہ دیوار پر تھے۔نینا دیوار کے اوپر لیٹ گئی۔اس نے اندر کا منظر دیکھا۔صحن میں کافی ساری مہنگی گاڑیاں کھڑی تھیں۔دور تک سیکورٹی گارڈز بکھرے ہوئے تھے۔بلاشبہ اندر وہ سارے لوگ موجود تھے، جو یہاں پر جمع ہوئے تھے۔

سامنے ایک طویل برآمدہ تھا۔اس میں تیز روشنی تھی۔بلاشبہ وہ لوگ ابھی اندر ہی تھے۔ایسے میں تاجاں اس کے پاس ابھری۔نینا نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی دیوار پر ٹک گئی تو نینا نے پوچھا

''کیا خیال ہے؟ مٹھن خان ابھی اندر ہوگا؟''

''میں کہہ آکھ سکنی آں، پہلوں ویکھ لے(میں کیا کہہ سکتی ہوں، پہلے دیکھ لے)اس نے دھیمے سے جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ نینا کچھ کہتی، اس کی سائیڈ پاکٹ میں پڑا فون منمنا اٹھا۔نینا نے جلدی سے فون نکالا تو اسکرین پر فاخرہ درانی کے نمبر جگمگا رہے تھے۔اس نے کال پک کر لی تو میڈم فاخرہ تیزی سے بولی

''کہاں پر ہو؟''

''میں وہاں پہنچ چکی ہوں جہاں مجھے وہ مٹھن خان مل سکتا ہے۔''اس نے دھیمی آواز میں کہا

''بہت خوب، مگر.....''اس نے کہنا چاہا تو نینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا

''مگر کیا میڈم؟''

''وہ وہاں گیا ہی نہیں، وہ اس وقت شہر میں ہے اور ایک گھر میں بیٹھا ہے جہاں اس کی پارٹی کے لوگ ہیں۔'' میڈم نے افسردگی سے کہا تو وہ دکھ سے بولی

''اوہ۔! تو اس کا مطلب......''

''میں تمہیں تفصیل سے بعد میں بتاتی ہوں، تم فوراً وہاں سے واپس آجاؤ۔ کسی کو شک تک نہ ہو۔'' وہ بھی افسردہ سے لہجے میں بولی

''میں یہاں نشانی چھوڑ کے آؤں گی، انہیں پتہ تو چلے کہ میں یہاں تک آئی تھی۔'' نینا نے تیزی سے کہا

''کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بس تم آؤ، میں تمہیں بتاتی ہوں۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا تو وہ بولی

''ٹھیک ہے، میں واپس آرہی ہوں۔''

''جلدی پہنچو۔'' میڈم نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ دیوار سے اتر کر نیچے کھڑے تھے۔ اس نے سبھی کو بتا دیا کہ یہاں پر مٹھن خان نہیں ہے۔ سبھی کو اپنی اتنی کوشش پر افسوس تو ہوا تاہم واپس مڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، شعیب نے ایک طویل سانس لی اور کہا

''اب واپس چلیں، فوراً، ورنہ یہاں پر کافی خطرہ ہو سکتا ہے، جو وہ نہیں آیا۔''

''ٹھیک ہے۔'' نینا نے سر جھٹکتے ہوئے کہا اور چل دی۔

راستے میں ایک مقام ایسا آیا تھا جہاں سے ایک راستہ اس ڈیرے کو جاتا تھا، جہاں تاجاں رہ رہی تھی اور دوسرا شہر کو جاتا تھا۔ اسی مقام پر نینا نے تاجاں کو الوادع کہہ دیا۔ وہ مصر تھی کہ کم از کم رات بھر اسکے پاس رہے مگر اس نے جلدی واپس جانے کا کہہ کر پھر ملنے کا وعدہ کیا اور اس سے رخصت ہوگئی۔

اس وقت سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا جب وہ واپس شہر پہنچے تھے۔ وہ واپس اسی مارکیٹ تک گئے جہاں نینا نے کار چھوڑی تھی۔ وہ ابھی شعیب کو میڈم فاخرہ سے نہیں ملوانا چاہ رہی تھی۔ اس نے کار لی اور سیدھی عورت منزل جا پہنچی۔ جیسے ہی اس نے کار پورچ میں روکی، اس کی نگاہ دور لان میں پھرتی ہوئی میڈم فاخرہ پر پڑی۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نینا کار سے اتر کر سیدھی اس کی طرف گئی۔ میڈم کا چہرہ اترا ہوا تھا وہ جیسے ہی اس کے پاس پہنچی تو میڈم نے انتہائی دکھی لہجے میں کہا

''مجھے بہت افسوس ہے کہ پہلی بار میری انفارمیشن غلط ثابت ہوئی۔''

''ہوا کیا ہے، یہ سب کیسے ہوا؟'' نینا نے پوچھا

''نثار چدھڑ نے مجھے خود بتایا تھا کہ مٹھن خان اس کے پاس آرہا ہے۔ وہ یہاں سے نکلا بھی لیکن وہ وہاں پر نہیں پہنچا، اسے راستے ہی میں کہیں کوئی اطلاع مل گئی ہوگی جو وہ ڈیرے پر نہیں پہنچا۔'' میڈم فاخرہ نے سوچتے ہوئے کہا

''وجہ کیا بنی؟'' نینا نے پوچھا

''مجھے خود سمجھ میں نہیں آرہا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی، پھر چند لمحوں بعد بولی، ''اچھا تم فریش ہو کر آرام کرو۔ میں پتہ لگاتی ہوں اس کا۔''

''اوکے......'' نینا کچھ سمجھتے ہوئے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا اور وہاں سے پلٹ کر رہائشی عمارت کی جانب چل دی۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کچھ ایسا ہے، جو بہت اہم ہو سکتا ہے۔ کہاں ہے، یہی پتہ کرنا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آئی کافی دیر تک یہی سمجھنے کی کوشش کرتی رہی، وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی کہ نیند نے اسے آلیا۔

وہ فون کی تیز آواز پر بیدار ہوگئی۔ اس نے بہ مشکل آنکھیں کھول کر سرہانے کے نیچے سے فون نکالا اور اس کی اسکرین پر دیکھا۔ دوسری طرف شعیب تھا۔ اس نے خمار آلود آواز میں ہیلو کہا تو وہ بولا

''یہ پتہ چل گیا ہے کہ مٹھن خان وہاں کیوں نہیں پہنچا؟''

''کیوں نہیں......''اس نے کہنا چاہا تو وہ بولا

''اس نے سمجھو پتہ پھینکا تھا کہ کہیں سے اس بارے پتہ چلے کہ کون اس کے پیچھے آتا ہے، کہاں سے انفارمیشن جاتی ہے ۔اس نے نثار چدھڑ تک یہ خبر دی اور پھر ارد گرد علاقے میں اپنے بندے لگا دیئے کہ کون کون اس کی تاڑ میں ہے۔''

''تو ہم......''نینا نے تیزی سے پوچھا

''ہم آ گئے ہیں اس کی نظر میں۔یہ سب تاجاں کی وجہ سے ہوا ہے۔اسی کے ڈیرے سے یہ بات مٹھن خان تک پہنچی ہے کہ کون لوگ نثار چدھڑ کے ڈیرے تک گئے ہیں۔''

''اوہ۔!تاجاں کا......''نینا نے اس کا انجام سوچتے ہوئے افسوس سے کہنا چاہا تھا کہ شعیب نے کہا

''وہ وہاں سے فرار ہو گئی ہے۔پتہ نہیں کدھر، اگر وہ پکڑی جاتی تو میرا اور تمہارا نام پتہ چل جانا تھا۔اسے صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ گولی اس ڈیرے تک پہنچی تھی، اس کے ساتھ جو مرد تھا، اس کی ساری نشانیاں میری ہی ہیں۔''

''گولی......''نینا نے سرسراتے ہوئے کہا

''یہ حملہ ہم پر ہی تھا، لیکن ہم الگ ہو گئے تھے، شاید اس لئے بچ گئے۔''اس نے بتایا

''حملہ......''پھر لمحہ بھر خاموشی کے بعد بولی،''تمہیں یہ سب کیسے پتہ چلا؟''

''دو گھنٹے سے مٹھن خان کا ایک بندہ بابا کے پاس بیٹھا ہے اور یہی بات کئے جا رہا ہے کہ شعیب اس لڑکی کے ساتھ تھا۔''

''دشمن کا بندہ تمہارے گھر میں بیٹھا ہے، اور تم خاموش بیٹھے ہوئے ہو۔وہ......''وہ مزید کہتی کہ شعیب تیزی سے بولا

''وہ دو ضمانتی اپنے ساتھ لایا ہے۔اس کا مقصد یہی ہے کہ بابا کھل کر کہہ دے کہ گولی کا انہیں پتہ ہے۔لیکن بابا بہت تحمل سے اسے یہ باور کرا رہے ہیں کہ میں رات گھر پر تھا۔''

''نہیں مانتا تو اٹھا کر باہر پھینک دے۔''نینا نے برا سا منہ بنا کر کہا تو وہ خوشگوار لہجہ بناتے ہوئے بولا

''دھیرج سوہنا دھیرج......کرتے ہیں اس کا کچھ، بہر حال ہر بار نشانہ نہیں لگتا، خالی ہاتھ بھی لوٹنا پڑتا ہے اور اس کا ہمیں نقصان ہوا ہے ۔''

''کیسا نقصان؟''نینا نے تیزی سے پوچھا

''یہی کہ مٹھن خان اب پوری طرح یہ یقین کر چکا ہے کہ میرا کسی نہ کسی طرح تم سے تعلق ہے اور گولی تمہی ہو۔اب وہ ہم پر نگاہ رکھنے اور ہمیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔''شعیب نے کہا

''اچھا، تو یہ بات ہے۔خیر۔!میں پھر کرتی ہوں کال فریش ہو کر، سوچتے ہیں ۔''اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ فون رکھ کر وہ کافی دیر تک سوچتی رہی کہ میڈم فاخرہ نے ابھی تک اپنے مقصد کے بارے میں نہیں بتایا اور بلاشبہ وہ بھی یہاں ٹریپ ہو گئی۔کیا چاہتی ہے وہ؟ یہ بہت محتاط رہ کر سمجھنا ہو گا۔یہی سوچتے ہوئے وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

شام کے سائے پھیل گئے تھے۔بھوک کے احساس سے نینا کی آنکھ کھل گئی۔وہ فریش ہو کر لاؤنج میں آئی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔اسے لگا جیسے عورت منزل ہی خالی ہو گیا ہے۔تبھی اس احساس ہوا کہ باہر لان میں سب ہیں۔وہ داخلی دروازے سے باہر نکلی تو میڈم فاخرہ وہاں بیٹھی ہوئی تھی اور عورت منزل کے سارے ملازمین اس کی باتیں سن رہے تھے، بلاشبہ کوئی اہم معاملہ رہا ہو گا۔جیسے ہی وہ سامنے ہوئی، سبھی نے اس کی طرف دیکھا۔میڈم فاخرہ نے بھی اپنی بات روک دی۔چند لمحے بعد وہاں موجود سب لوگوں کو جانے کا کہہ دیا۔سبھی اس کے پاس سے ہوتے ہوئے گذر گئے۔نینا میڈم کے پاس پہنچی تو اس نے ساتھ پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

’’آؤ بیٹھو۔‘‘ وہ بیٹھ گئی تو چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد وہ گویا ہوئی، ’’تمہیں شاید پتہ نہیں مٹھن خان نے پورے شہر میں تمہیں تلاش کرنے کے لئے اپنے بندے پھیلا دیئے ہیں، مجھے پورا یقین ہے کہ وہ یہاں بھی ضرور آئیں گے۔‘‘

’’تو آنے دیں۔ دیکھ لیں گے اسے۔‘‘ نینا نے گہری سنجیدگی سے کہا

’’ تمہیں اندازہ نہیں، مٹھن خان کے غنڈے ہی نہیں وہ پوری فورس کے ساتھ تلاش کر رہا ہے۔ وہ قانون اور اختیارات کا بھی سہارا لے رہا ہے۔‘‘

پھر اس سے پہلے کہ میڈم بولتی، نینا نے تیزی سے پوچھا،

’’یہ میٹنگ شاید اسی لئے تھی؟‘‘

ہاں۔! میں نے انہیں الرٹ کیا ہے۔ دراصل مٹھن خان نے یہ پتہ کر لیا ہے کہ تم کہاں ہو۔ اس نے ایک پوری فوج تمہیں پکڑنے کے لئے چاہے شہر میں پھیلا دی ہے۔ لیکن اس کا ٹارگٹ عورت منزل ہے۔ کل سے مجھ پر بہت دباؤ ہے۔ اسی لئے میں سارا دن یہاں عورت منزل میں رہی ہوں تا کہ اگر یہاں کوئی آئے تو میں اسے دیکھ لوں۔‘‘

’’مطلب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ تو کوئی بات نہیں، ہم ان کا مقابلہ......‘‘

’’بات مقابلے کی نہیں، دوستوں کے دباؤ کی ہے، حکومت کا پریشر ہے۔ مگر میں تمہاری ذات پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ میں کوئی درمیانی راہ نکالنے کا سوچ رہی ہوں۔‘‘ اس نے سوچتے ہوئے کہا

’’درمیانی فیصلہ تو یہی ہے کہ میں چند دن کے لئے یہاں سے ادھر اُدھر ہو جاؤں۔‘‘ اس نے فوری کہا

’’میں نے بھی یہی سوچا ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ تمہارے من میں کوئی بھی بدگمانی آئے۔‘‘ میڈم فاخرہ کافی حد تک اضطراب میں بولی

’’نہیں مجھے ایسے ہی کرنا ہوگا۔‘‘ نینا فیصلہ کن انداز میں کہا پر تیزی سے بولی ’’اگر انہوں نے آپ کو نقصان پہنچایا تو؟‘‘

’’نہیں وہ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا، ابھی اس کی اتنی جرات نہیں ہوئی۔ میں کسی کی بات کے نیچے نہیں آنا چاہتی، ورنہ مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے پھر، میں ابھی نکلتی ہوں۔‘‘ نینا نے حالات کو سمجھتے ہوئے کہا

’’نہیں۔! میں تمہیں یوں نہیں چھوڑ سکتی۔ تم یہیں رہو، میں دیکھتی ہوں انہیں۔ بس تم محتاط رہنا، مجھے بتاتے رہنا۔ اب میں چلتی ہوں۔‘‘ میڈم فاخرہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اٹھ گئی۔

رات کا پہلا پہر گزر گیا تھا۔ نینا نے شہر میں موجود اپنے ذرائع سے پتہ کر لیا تھا کہ مٹھن خان کے بارے میں جو اس نے اطلاع سنی ہے، اس میں کتنی سچائی ہے۔ وہ اطلاع درست تھی۔ بہت ساری جگہوں پر اس کے غنڈے مار دھاڑ اور توڑ پھوڑ کر چکے تھے۔ شہر میں ایک طرح سے انہوں نے دہشت پھیلا دی ہوئی تھی۔ وہ اسی بارے سوچ رہی تھی کہ بی بی صاحب کا فون آ گیا۔ کچھ لمحے حال احوال کے بعد انہوں نے بڑے نرم سے لہجے میں کہا

’’تم ایسے کرو، کراچی نکل جاؤ، وہ بھی چند دن کے لئے۔ ایک تو یہاں کے منظر سے ہٹ جاؤ گی، دوسرا وہاں پر ایک چھوٹا سا کام ہے، مجھے امید ہے کہ تم کر لو گی۔‘‘

’’کراچی میں؟‘‘ اس نے پوچھا

’’ہاں وہاں پر ہے۔ تم ایسے کرو، تیار رہو۔ میں صبح کسی وقت تمہیں کال کروں گی۔ پھر نکلنا یہاں سے۔ فاخرہ کو بعد میں فون کر کے بتانا، ابھی نہیں۔‘‘ بی بی صاحب نے نرم لہجے میں کہا تو وہ تیزی سے بولی

''جی ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا تو چند لمحوں بعد انہوں نے کال بند کر دی۔

اس وقت وہ کچھ نہیں سوچنا چاہ رہی تھی۔ لیکن کراچی کے نام پر اس کے ذہن میں جو پہلا نام آیا وہ بلیو کیٹ کا تھا۔ اس نے سوچا اگر کوئی مشکل پڑ بھی گئی تو اس سے مدد لے سکے گی۔ پتہ نہیں وہ کرتی بھی ہے یا نہیں؟ یہی سوچ کر اس نے بلیو کیٹ کا نمبر ملایا اور اس سے باتیں کرتی رہی۔ رات گئے اس نے باتیں ختم کیں اور سو گئی۔

اگلی صبح وہ ناشتے سے فارغ ہوئی تھی کہ بی بی صاحب کی کال آ گئی۔ اس میں انہوں نے اسی نرم سے لہجے میں پوچھا

''ابھی کراچی کے لئے نکل سکو گی یا......؟''

''جب آپ حکم کریں۔'' اس نے ہولے سے کہا

''اس کا مطلب ہے کہ تم تیار ہو؟'' بی بی صاحب بولی

''جب کچھ کرنا ہے تو فوراً کرو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو بی بی صاحب پر جوش لہجے میں بولی

''تو پھر ابھی نکلو، میں نمبر بھیجتی ہو، چند خواتین جا رہی ہیں، ان میں ایک تم بھی شامل ہو جانا نمبر بھیج رہی ہوں، باقی وہ سب بتا دیں گیں۔''

''ڈن۔'' اس نے کہا تو بی بی صاحب نے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر نمبر آ گیا اور اس نے ان سے سب طے کر لیا۔ انہوں نے اسے یہاں سے پک کر لینا تھا۔ سب طے کرنے کے بعد نینا نے بی بی صاحب کا ذکر کئے بنا شعیب کو انتہائی اختصار سے کراچی جانے کا بتا دیا۔ وجہ وہی منظر سے ہٹ جانے والی تھی۔ وہ چند لمحے گومگو کی حالت میں رہا پھر بولا

''ٹھیک ہے اگر تم فیصلہ کر ہی چکی ہو تو پھر میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔''

''تم چلو گے؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا

''ہاں۔! میں تمہارے ساتھ چند دن رہ سکوں گا۔''

''نہیں شعیب تم رہنے دو۔ یہیں رہو اور یہاں کے حالات کے بارے مجھے بتاتے رہنا۔ زیادہ دن کی بات نہیں ہے۔ میں تھوڑے ہی دنوں میں واپس آ جاؤں گی۔'' نینا نے کہا اور کچھ دیر باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔

اس وقت دن اچھا خاصا نکل آیا تھا ، جب اسے کال ملی کہ وہ باہر آ چکے ہیں آ جاؤ۔ اس نے ایک بڑی سی چادر لپیٹی اور ان کے ساتھ ایک وین میں جا بیٹھی۔ اس میں پہلے ہی چند خواتین بیٹھی ہوئیں تھیں۔ نینا انہی کے ساتھ ائیر پورٹ جا پہنچی۔ سبھی خواتین نے بڑی بڑی چادریں لی ہوئیں تھیں۔ ان کا چہرہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ فلائیٹ میں تھوڑا وقت تھا، وہ سبھی لاؤنج میں آ گئے۔ ان کا ساتھ کراچی ائیر پورٹ تک تھا۔ آگے نینا نے اس خاتون سے سب طے کر لیا تھا، جس کے پاس اس نے جانا تھا۔

دوپہر تک وہ کراچی ائیر پورٹ پہنچ گئی۔ جہاں سے ایک نوجوان نے اسے لیا اور سلطان آباد میں موجود ایک ڈبل سٹوری گھر تک پہنچا دیا۔ وہاں اس کا استقبال ایک ادھیڑ عمر خاتون ریٹا نے کیا۔ اسے بڑے احترام کے ساتھ کمرے میں ٹھہرایا۔

شام کے سائے پھیل گئے تھے جب وہ فریش ہو کر نیچے لاؤنج میں آئی تو لاؤنج میں ریٹا کے ساتھ ایک نوجوان سی سوبر خاتون کو بیٹھے ہوئے پایا۔ اسے دیکھتے ہی وہ نوجوان خاتون خاموش ہو گئی تبھی ریٹا نے خوشگوار لہجے میں کہا

'' آئیں نینا، ہم آپ کا ہی انتظار کر رہے تھے۔''

''جی، مجھے بتا دیا ہوتا۔'' نینا نے کہا

''نہیں میں نے سوچا آپ خود ہی آ جاؤ گی۔'' یہ کہہ کر وہ اس نوجوان خاتون کی جانب اشارہ کر کے بولی ''ان سے ملو، یہ ہیں مادام نویرا، آپ نے انہی سے ملنا تھا۔ مطلب یہی آپ کی میزبان ہیں۔''

''جی کیوں نہیں،''نینا یہ کہتے ہوئے اس کے قریب گئی تو اس نے اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے نینا کو دیکھتے ہوئے کہا

''اچھا تو یہ ہیں نینا، بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''نینا نے اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں گہرائی تک اداسی اتری ہوئی تھی۔اس کے لفظوں اور چہرے کے تاثرات نے ساتھ نہیں دیا تھا۔چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد نینا بیٹھنے لگی تو ریٹا نے کہا

''میں کھانا لگوا دوں۔پھر آپ دونوں ڈنر کے بعد خوب باتیں کر لیں۔مادام نویرا خود ہی بتا دیں گیں کہ آپ یہاں پر کیوں آئی ہیں۔''

ریٹا چلی گئی اور باتیں کرنے لگیں۔اسی دوران انہون نے ڈنر بھی کیا۔ڈنر کے بعد تک ان میں کافی بے تکلفی ہو گئی۔اس نے اپنے بارے میں نہ کچھ بتایا اور نہ نینا نے پوچھا۔لیکن جب اس نے نینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''آپ کو بی بی صاحب نے اس لئے بھیجا ہے تا کہ آپ میرا مسئلہ حل کر سکیں۔''

''کیسا مسئلہ؟''نینا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا تو وہ بولی

''اس کے لئے مجھے تفصیل سے بات کرنا ہوگی۔''

''ٹھیک ہے کریں بات۔''نینا نے کہا

''لان میں چلتے ہیں۔''نویرا نے حتمی لہجے میں کہا تو نینا نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

لان میں مدھم روشنی تھی۔خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔وہ بید کی کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئیں۔تب نویرا نے کہا

''میں تمہیں اپنے بارے میں شروع سے بتاتی ہوں۔پھر تم ساری بات اچھی طرح سمجھ جاؤ گی۔''

''ٹھیک ہے بتاؤ۔''نینا نے کہا اور ہمہ تن گوش ہو گئی۔

☆......☆......☆

نویرا الجھی ہوئی سوچوں کے ساتھ اپنے آفس میں تھی۔سجے سنورے ہوئے آفس میں وہ کسی بت کی مانند لگ رہی تھی۔سیاہ بزنس سوٹ، جس میں سے سفید شرٹ جھلک رہی تھی۔بال سمیٹ کر پونی سٹائیل میں باندھے ہوئے تھے۔چوڑا ماتھا، تیکھا ناک، پتلے لب، سرخ ابھرے ہوئے گال، بھنورا آنکھیں کاجل سے بے نیاز، لمبی گردن، سمارٹ سی، جس میں نسوانی حسن کے ساتھ جوانی پھوٹتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔اس کی پشت پر بڑی ساری میز پہ لیپ ٹاپ کھلا ہوا پڑا تھا اور وہ کرسی گھما کر شیشے کے پار منظر کو دیکھ رہی تھی۔ نویں منزل پر موجود آفس سے ساحل سمندر صاف دکھائی دے رہا تھا۔شہر کے معروف کاروباری علاقے میں موجود یہ عمارت، بزنس اور اس کے ساتھ ایک شاہانہ زندگی، اُسے ورثہ میں ملی تھی۔ اس کی نگاہ میں سامنے کا منظر تو تھا لیکن وہ اسے دیکھ نہیں رہی تھی بلکہ اپنی سوچوں کے ساتھ الجھ رہی تھی۔اس کی سوچوں میں آصف تھا۔وہی آصف جو چند دن پہلے اس کے آفس میں نوکری کے لئے انٹرویو دینے آیا تھا۔نویرا نے اپنے پاپا کی وفات سے لے کر اس وقت تک کے تین برسوں میں اپنے جیون ساتھی کے بارے میں جو بھی سوچا تھا، آصف اس پر پورا اترتا تھا۔وہ پہلی نگاہ ہی میں اُس کے دل کو بھا گیا تھا۔وہ وجیہہ، دراز قد، اور ہینڈسم تھا۔اُسے لگا جیسے قسمت خود آصف کو اس کے پاس لے آئی تھی۔جب وہ اس کے سامنے تھا، اس نے اپنے معیار کے مطابق اسے پرکھا تو اسے لگا، جیسے اس کی تلاش ختم ہو گئی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے نویرا نے دیگر لوگوں کے ساتھ اُسے بھی جاب کے لئے بلا لیا ہوا تھا۔وہ اپنے آپ کو اس کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر رہی تھی۔اس نے ایک طویل سانس لی۔کرسی سمیت گھوم کر میز پر دھرے لیپ ٹاپ کے سامنے ہوئی۔پھر انٹر کام پر آصف کو اندر بھیجنے کو کہا۔چند لمحوں بعد ہی آصف اندر آ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''پلیز، تشریف رکھیں۔''نویرا نے دھیمے لہجے میں کہا تو وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا

''شکریہ میڈم۔''

نویرا نے اس کا جائزہ لیا۔اس نے تنگ سا سیاہ سوٹ پہنا ہوا تھا اور ٹائی بھی یوں تھی جیسے بہت زیادہ استعمال کی گئی ہو۔وہ ساکت اور مودب

انداز میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

’’تو مسٹر آصف۔! آپ کو اب تک جاب اس لئے نہیں ملی کہ آپ کے پاس تجربہ نہیں ہے؟‘‘ اس نے آصف کا پورا جائزہ لینے کے بعد اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا

’’جی میڈم، لیکن، کام کی شروعات کہیں سے تو ہو گی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، میری پرفارمنس بہت اچھی رہے گی اور آپ میرے کام سے بہت مطمئن ہوں گے۔‘‘ اس نے اعتماد بھرے لہجے میں کہا

’’آپ کہہ رہے تو ہم یقین کر لیتے ہیں۔‘‘ نویرا نے مسکراتے ہوئے کہا

’’میڈم۔! میرے پاس فنانس کی ڈگری تو ہے، لیکن میرا ایجوکیشن کیریئر بہت اچھا رہا ہے۔ بس یہ قسمت ہے کہ ابھی تک مجھے جاب نہیں مل سکی۔‘‘ اس نے کہا۔ وہ کچھ دیر تک مختلف حوالوں سے اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ چند سوالوں ہی میں آصف نے اپنے بارے میں بتا دیا کہ وہ ایک غریب اور ضرورت مند ہے۔ اسی وجہ سے اسے جاب چاہئے۔

’’ٹھیک ہے آصف صاحب، آپ کو جاب دی جاتی ہے۔ آپ جس قدر اپنی پرفارمنس دیں گے۔ آپکی پروموشن بھی ویسے ہی ہو گی۔‘‘ اس نے کہا اور منیجر کو بلا لیا۔ وہ اس کا شکریہ ادا کر کے منیجر انصاری کے ساتھ اپنی سیٹ پر چلا گیا تھا۔ جبکہ وہ اسی کے بارے میں سوچتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے ذہن میں یہی سوال تھا، کیا آصف کو وہ اپنا شوہر بنا پائے گی؟

☆......☆......☆

اس وقت وہ اپنی بیڈ روم میں تھی۔ سامنے ٹی وی کی اسکرین روشن تھی۔ وہ اسے دیکھ بھی رہی تھی لیکن اس کا ذہن آصف ہی کے بارے الجھا ہوا تھا۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ اسے لگا یہ اس کی زندگی کا سب سے کھٹن وقت ہے، جب وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔

نویرا نے بچپن سے لے کر اب تک شاہانہ زندگی گذاری تھی۔ وہ اپنے والدین کی شادی کے بہت عرصے بعد پیدا ہوئی تھی۔ وہ اکلوتی رہی اور اسی وجہ سے وہ اپنے والدین تمام تر محبتوں کا محور تھی۔ یہ اسے بہت بعد میں پتہ چلا تھا کہ اس کی ماما ایک بیماری میں مبتلا تھی۔ ابھی لڑکپن ہی میں تھی، جب اس کی ماما نہ رہی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا شاک تھا۔ وہ بہت عرصے تک سنبھل ہی نہ پائی تھی۔ اتنے بڑے گھر میں وہ ہوتی اور اس کی تنہائی۔ پاپا اپنا بزنس سنبھالنے میں مصروف رہتے۔ جو وقت بھی ملتا وہ اپنی بیٹی کے ساتھ ضرور گذارنے کی کوشش کرتے۔ نویرا اپنی گورنس کے ساتھ ہی وقت گذارتی جوان ہو گئی تھی۔ جو اس سے بہت محبت کرتی تھی۔

نویرا اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے پاپا کے ساتھ آفس جانے لگی۔ اس میں نویرا کی اپنی خواہش تھی کہ وہ بزنس سیکھے اور اپنے پاپا کے بہت قریب رہے۔ اسی طرح اس کے پاپا کی بھی خواہش تھی کہ اتنا بڑا بزنس کون دیکھے گا۔ اسے کاروبار کے بارے میں سب سمجھنا چاہئے۔ یوں نویرا کا وقت بہت اچھا گذرنے لگا تھا۔ انہی دنوں اس کے رشتے بھی آنے لگے۔ لیکن پاپا اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے بہت دیکھ بھال کر رشتہ طے کرنا چاہتے تھے۔ خود اسے بھی اتنی جلدی نہیں تھی۔ ابھی وہ زندگی کو بہت سارا انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ دو رشتے انہیں پسند بھی آئے تھے۔ لیکن کوئی بھی بات طے کرنے سے پہلے وہ اپنے بھائی کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے جو آبائی گاؤں میں رہتا تھا۔ آبائی گاؤں میں ایک ہی چچا اور اس کی فیملی رہتی تھی۔ جہاں وراثتی زمینیں کم ہوتے ہوتے بہت کم رہ گئیں تھیں۔ اس کی ایک چچا زاد تھی، جس کی شادی ہو چکی تھی اور ایک بیٹا نعمان تھا، جو ساری زمینوں کو دیکھتا تھا۔ اس نے تھوڑی بہت تعلیم لی تھی، پھر اپنے کام کا ہو رہا۔ چاچا نے کئی بار نویرا کا رشتہ اپنے بیٹے نعمان کے لئے مانگا تھا۔ لیکن اس کے پاپا نے ہمیشہ انکار کیا تھا۔ ہر بار یہی کہا تھا کہ نعمان نہ تو پڑھا لکھا ہے کہ میری بیٹی کے معیار کا ہو اور نہ میری بیٹی یہاں گاؤں میں رہے گی۔ اس کے ذہن میں نعمان تھا۔ اس نے اپنی اور اس کی شادی کے حوالے سے اسے دیکھا اور پرکھا تھا۔ وہ گھبرو جوان تھا، اس میں مردانہ وجاہت بھی تھی۔ نین نقش میں بھی اچھا تھا، مگر وہ دیہاتی تھا۔ نعمان اسے اپنے معیار سے کوسوں دور دکھائی دیا تھا۔ وہ کسی صورت

میں بھی اس سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔صرف چچا کا بیٹا ہونا کوئی ایسی خوبی نہیں تھی۔

ایک دن وہ اپنے پاپا کے ساتھ آبائی گاؤں گئی ۔ پہلے وہ بچپن میں کہیں گئی تھی۔وہ اپنے پاپا کے ساتھ دو دن رہی۔پاپا نے اپنی ساری زمین چچا کو دے دی۔وہ اسی مقصد کے لئے وہاں گیا تھا۔اس کے پاپا نے یہی سوچا کہ میں اگر پڑھ لکھ گیا، بزنس میں بھی کامیاب ہو گیا ہوں تو یہ تھوڑی سے زمین اگر بھائی کو دے دوں تو ممکن ہے، رشتہ نہ دینے کی وجہ سے جو اس کے دل میں رنج یا دکھ آ سکتا ہے، اس کی تلافی ہو جائے۔یا پھر اگر اس کا بھائی یہ سوچ رہا ہے کہ کسی غیر کو رشتہ دینے سے زمین باہر چلی جائے گی تو اس سوچ کو بھی ختم کر دیا جائے۔وہ اپنے بھائی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

دوسرے دن شام کے وقت جب وہ ہائی وے پر واپس آ رہے تھے، ایک ٹرالر سے بچتے ہوئے ان کی گاڑی ایک درخت میں جا لگی۔ایک دم سے آنکھوں کے سامنے تیز چمک لہرائی اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔تیسرے دن جب اسے ہوش آیا تو اس کی دنیا ویران ہو چلی تھی۔ڈرائیور اور اس کے پاپا، وہیں موقع پر اس جہان کو چھوڑ گئے تھے اور وہ شدید زخمی ہو گئی تھی۔اس کے بچنے کے امکانات بہت کم تھے۔دو ہفتے وہ انتہائی نگہداشت وارڈ میں پڑی رہی۔اس دوران اس کے کئی آپریشن ہوئے۔اس کے سینے سے لیکر دائیں ٹانگ تک ایک لمبا زخم آیا تھا۔اس میں پیٹ سب سے زیادہ متاثر ہوا۔یہ تو اسے بہت بعد میں پتہ چلا وہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے۔ اسے ٹھیک ہونے میں کچھ عرصہ لگا۔لیکن جو گھاؤ اسے لگ گیا تھا، وہ اب پوری زندگی بھرنے والا نہیں تھا۔ایک عورت سے جب اس کی اصل ہی چھن جائے، جس سے اس کی تکمیل ہوتی ہے، تو پھر باقی کچھ نہیں بچتا۔کبھی کبھی تو اسے لگتا کہ وہ زندگی کی بازی ہار جاتی تو اچھا تھا۔ لیکن جب یہ سوچ آتی کہ اس کی ماں نہ بن سکنے کا راز فقط اسے یا اس کے ڈاکٹر کو معلوم ہے تو اسے جینے کا آسرا مل جاتا۔وہ اپنی اس کمی کو راز میں رکھ کر بھی ازدواجی زندگی گذار سکتی تھی۔لیکن یہ کمی تو پھر بھی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔اس بارے حوصلہ اس کی گورنس ریٹا نے دیا تھا۔

تقریباً ایک برس بعد وہ اس قابل ہو سکی کہ اپنے بزنس کو دیکھ سکے۔اس دوران اس کا بزنس، ان کا منیجر انصاری اور اس کا گھر گورنس ریٹا دیکھتی رہی۔ان دونوں ہی کے حوصلے سے وہ دوبارہ بزنس دیکھنے کے قابل ہو سکی۔

وہ زندگی جینا چاہتی تھی۔وہ اپنے دکھ کو سمجھتی تھی۔لیکن اپنی اس خامی کو وہ اپنی کمزوری نہیں بنا لینا چاہتی تھی۔جب وہ آفس آنے لگی تو اس کی سوچ بدل چکی تھی۔اسے لگا کہ شاید ربّ تعالی نے اسی کے وسیلے سے بہت سارے لوگوں کا رزق رکھا ہوا ہے۔اس نے یہی سوچ کر اپنے آپ کو بزنس میں گم کر دیا۔دن رات کی تمیز اس کے ہاں ختم ہو گئی۔ایک برس میں جو اس کا نقصان ہو چکا تھا، اگلے برس کی شروعات تک وہ پورا ہو چکا تھا۔اس کا بزنس پھیل گیا تھا۔

زندگی کا وہ مرحلہ جو اسے مشکل ترین اور طویل ترین لگا تھا، لمحوں میں اس کی آنکھوں سے گذر گیا۔اس نے ایک طویل سانس لیا، ٹی وی بند کر دیا اور لیٹ گئی۔آصف کے بارے میں وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

''آصف صاحب۔! یہ آپ کا پرموشن لیٹر ہے، اُمید ہے، آپ ہمارے نئے پراجیکٹ کے ہیڈ ہونے کے ساتھ مزید ترقی کریں گے۔'' نویرا نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آصف کی طرف لیٹر بڑھاتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''تھینک یو میڈم، میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کی میرے ساتھ فراخ دلی اور اچھا سلوک ہے اور مجھے خوشی ہے کہ آپ میرے کام سے مطمئن ہیں۔'' اس نے ممنونیت سے کہا تو وہ بولی

''آپ نے ان چار مہینوں میں بھرپور محنت کی، اس کا صلہ تو آپ کو ملنا چاہئے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رُکی پھر بولی، ''کل آپ تیار رہیں، ہمیں ایک بزنس میٹنگ کے لئے اسلام آباد جانا ہے، اس کے لئے آپ سارے معاملات دیکھ لیں۔''

''جی ٹھیک ہے۔میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔''اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

نوریا نے ان چار مہینوں میں آصف کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کر لی تھی۔ وہ جمشید کوارٹرز کے علاقے میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا۔اس کی ایک ماں اور بہن ہی تھی، جس کے ساتھ وہ عسرت زدہ زندگی گذار رہا تھا۔اس نے اپنی پڑھائی ٹیوشن پڑھا کر خود پوری کی تھی۔باپ کی پینشن اور سلائی کڑھائی سے جو اس کی ماں اور بہن کماتی اس سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔آصف کی نوکری ہو جانے کے بعد انہیں قدرے سکھ کا سانس ملا تھا۔یہ تصدیق ہو جانے کے بعد اس نے آصف کے بارے میں جو سوچا تھا، اس پر عمل کی شروعات کر دی تھیں۔

اگلے دن وہ اسلام آباد جانے کے لئے کراچی ائیر پورٹ کے ڈیپارچر لاؤنج میں تھے، جب نوریا نے آصف کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا

''پہلی بار جہاز سے سفر کر رہے ہو؟''

''جی، جی میڈم، سچ پوچھیں تو کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔''اس نے اعتماد سے مسکراتے ہوئے کہا تو نوریا کو وہ بہت اچھا لگا۔وہ اس کے بارے میں یونہی بے سروپا سے خواب دیکھتی رہی۔کچھ دیر بعد جیسے ہی آصف اس کے ساتھ سیٹ پر بیٹھا تو نوریا کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔یہ کیفیت کچھ دیر تک رہی پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔

شہر کے لگژری ہوٹل میں نوریا نے اپنے کاروباری دوستوں کے ساتھ ڈنر لیا۔کافی دیر باتیں کرتے رہنے کے بعد سوئٹ میں آ گئی۔اس کے ایزی ہو جانے تک چائے بھی پہنچ گئی۔اس نے فون کر کے آصف کو بلایا اور چائے کا کپ اٹھا کر بالکونی میں آ گئی، جہاں سے شہر میں اُتری ہوئی رات کا منظر پھیلا ہوا تھا۔کچھ ہی دیر بعد آصف جب اندر آیا تو نوریا پر نگاہ پڑتے ہی گڑ بڑا گیا۔اس نے پہلے کبھی بھی نوریا کو اس طرح کے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔وہ جھجک کر رُکا اور بولا

''میڈم میں کچھ دیر بعد......''

''چائے لے کر آ جاؤ یہاں۔'' اس نے آصف کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔وہ بالکونی سے باہر دیکھتی رہی۔ایسے میں وہ چائے لے کر اس کے پاس آتے ہی بولا۔

''میڈم صبح میٹنگ کے......''

''وہی میں پوچھنا چاہ رہی تھی، لیکن پہلے یہ بتاؤ، تم اتنا جھجک کیوں رہے ہو۔''نوریا نے سیدھے سبھاؤ پوچھا تو اس نے حیرت سے دیکھا، پھر اعتماد سے بولا

''میں نے پہلے کبھی آپ کو ایسا نہیں دیکھا تھا۔''

''بری لگ رہی ہوں؟''اس نے پوچھا

''نہیں، میرا مطلب ایسا نہیں تھا، آپ تو بہت پیاری ہیں، کوئی بھی آپ پر فریفتہ ہو سکتا ہے۔''آصف نے یوں کہا جیسے وہ سمجھتا ہو، لیکن جھجک اتر جانے کے بعد بہت کچھ کہنا چاہتا ہو۔

''دیکھو، میں آفس کے علاوہ بھی ایک زندگی رکھتی ہوں، وہ زندگی میں اپنے انداز سے جیتی ہو۔''نوریا نے کہا اور چائے کا سپ لے لیا

''آپ کو پورا حق ہے۔''وہ اعتماد سے بولا

''سنو۔!ابھی یہ بزنس کی باتیں نہ کرو، بلکہ مجھے یہ بتاؤ، تم زندگی کو کیسے دیکھتے ہو؟''اس کے یوں پوچھنے پر آصف نے بے ساختہ کہا

''جیسا زندگی خود کو دکھانا چاہتی ہے، ہم تو اسے ویسا ہی دیکھتے ہیں۔''

نوریا نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ اپنی بات میں بہت معنی خیز بات کہہ گیا تھا۔اسی ایک بات میں اس نے وہ بات بھی کہہ دی تھی، جو نوریا

اسے سمجھانا چاہتی تھی۔وہ آصف کی ذہانت پر مسکرا دی

’’آپ کیسے دیکھتے ہیں؟‘‘اس نے تجسس سے پوچھا تو آصف دھیمے سے لہجے میں یوں بولا جیسے کہنا نہ چاہ رہا ہو۔

’’زندگی کو کیسے دیکھتا ہوں، یہ سوال ذرا ٹیڑھا ہے،شاید اس بارے کچھ بھی نہ کہہ سکوں۔‘‘

’’پھر بھی، کچھ تو کہو۔‘‘نویرا نے دلچسپی سے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

’’میں جس طرح زندگی کو دیکھنا چاہتا ہوں،اس طرح مجھے دکھائی دے نہیں رہی۔‘‘وہ بولا

’’اگر دکھائی دے جائے؟‘‘اس نے پوچھا

’’تو میں زندگی کو بتا دوں گا کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔‘‘اس نے دبے دبے جوش سے کہا

’’ٹھیک ہے،تم محنت کرتے رہے تو مجھے امید ہے،تم زندگی سے گلے مل سکو گے۔خیر۔! میٹنگ کے بعد ہم مری کی سیر کرنے نکلیں گے۔ اسے ذہن میں رکھنا۔‘‘اس نے کہا اور ایک طویل سپ لیا۔

’’ٹھیک ہے میڈم میں کل.....‘‘اس نے کہنا چاہا تو نویرا نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا

’’ہم جب تک یہاں ہیں تم مجھے میرے نام ہی سے بلا لیا کرو۔سمجھو آفس کے باہر ہم دوست ہیں۔‘‘

اس نے کہا تو آصف نے چونک کر اسے دیکھا۔پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔وہ بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔یہ ایک بہت بڑا پیغام تھا۔

☆......☆......☆

اس دن نویرا نے اپنے بزنس کے ہر ڈیپارٹمنٹ ہیڈ کو اپنے آفس میں بلایا ہوا تھا۔ان سب کی آمد سے پہلے منیجر انصاری اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔بہت ساری باتوں کے بعد اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا

’’میں نے سنا ہے آپ یہ نیا پراجیکٹ بھی آصف صاحب کو دے رہی ہیں،اگر ایسا ہے تو میں اس بارے آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

’’جی بولیں انصاری صاحب۔‘‘وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی

’’دراصل ہمارے ہاں یہ عادت عام ہے کہ ہم دوسروں کے معاملات پر بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ہمارے آفس میں اور ہماری بزنس کمیونٹی میں دبے دبے لفظوں میں آصف صاحب اور آپ کے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔اس کی وجہ.....‘‘اس نے کہنا چاہا تو نویرا نے کہا

’’یہ ہے کہ میں اس پر کچھ زیادہ ہی اعتماد کرنے لگی ہوں، وہ زیادہ کام دیکھنے لگا ہے،لیکن انصاری صاحب آپ یہ بھی تو دیکھیں،اس نے آؤٹ پٹ کتنا دیا ہے۔اس کا صلہ اسے ملنا چاہئے۔‘‘

’’میں ایک دوسری بات کرنے جا رہا ہوں۔‘‘انصاری صاحب نے تحمل سے کہا

’’وہ کیا؟‘‘اس نے تجسس سے پوچھا

’’یہی کہ آپ آصف صاحب کے بارے میں کافی سے زیادہ نرم گوشہ رکھتی ہیں۔اس کی وجہ کوئی بزنس نہیں بلکہ ذاتی تعلق بھی ہو سکتا ہے۔‘‘

اس نے انتہائی محتاط لفظوں میں اپنا مدعا کہا تو وہ ہنس دی۔پھر چند لمحے سوچ کر بولی

’’انصاری صاحب۔! آپ پاپا کے دور سے یہاں ہیں،وہ آپ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتے تھے۔آپ خود گواہ ہیں کہ میں نے آپ کو ویسا ہی مان اور عزت دی ہے۔بزرگوں کی طرح۔‘‘

’’تو میں نے بھی ایسا ہی سوچ کر یہ بات کہی۔‘‘اس نے پھر محتاط لہجے میں کہا

’’آپ بتائیں،کیا مجھے اب تک شادی نہیں کر لینی چاہئے ؟‘‘اس نے حسرت سے پوچھا

’’کیوں نہیں، لیکن آپ نے ایسا کبھی......‘‘ وہ کہتے کہتے حیرت سے رک گیا، پھر چند لمحے بعد پوچھا‘‘ کیا آپ نے آصف صاحب کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے وہ سوچ سمجھ کر کیا ہے؟‘‘

’’میں نے ایک برس اسے دیکھا اور پرکھا۔اب آپ یا ریٹا کیا کہتی ہیں، میں تو اپنا یہ سب بزنس چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی نا۔‘‘

’’لیکن اس سے پہلے لوگ کردار پر انگلیاں اٹھائیں، جو بھی فیصلہ ہو کرلیں، یہ بہتر ہو گا۔‘‘

’’آپ نے بات کر ہی دی ہے تو اب آپ اور ریٹا مل کر آگے چلائیں۔‘‘اس نے دھیمے سے کہا

’’مطلب شادی کی؟‘‘انصاری صاحب نے وضاحت چاہی۔

’’جی بالکل۔‘‘اس نے حتمی لہجے میں کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا

’’جی میں آج شام ریٹا سے ملنے جاؤں گا۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اس کے آفس سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

نوریا اپنے ہی بیڈ روم میں، اپنے ہی بیڈ پر دلہن بنی بیٹھی ہوئی تھی۔وہ سرخ عروسی جوڑے میں ملبوس ہر آہٹ پر کان دھرے ہوئے تھی۔اس نے کچھ دیر پہلے آصف کو دلہا بنے دیکھا تھا۔کیا روپ آیا تھا اُس پر، وہ سو جان سے فدا ہو گئی تھی۔اس نے اپنی شادی پر اپنی بزنس کمیونٹی کو بلایا تھا۔سبھی جانتے تھے کہ آصف نوریا کے پاس ملازمت کرتا ہے۔آئندہ آنے والے دنوں میں آصف اس کی بزنس کمیونٹی میں ایک ملازم ہی کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جانے والا تھا۔اسے وہ عزت نہ ملتی، جو ملنی چاہئے تھی۔اس لئے نوریا نے آصف کو اپنے کزن کے طور پر متعارف کرایا تا کہ اس کی عزت اور مقام بزنس کمیونٹی میں بن جائے۔اور وہ باتیں جو چہ میگوئیوں میں پھیل کر افسانے بن چکی تھیں، ان کا کسی حد تک سدباب ہو سکے۔دن بھر کے ہنگامے کے بعد نوریا کے بنگلے میں خاموشی چھا گئی تھی۔وہ آصف کا انتظار کر رہی تھی۔رات کا پہلا پہر گذر چکا تھا مگر آصف ابھی تک حجلہ عروسی میں نہیں آیا تھا۔

رات کا دوسرا پہر گذر گیا۔نوریا کو انتہا کی بے چینی ہونے لگی۔ایسے میں دروازے پر سرسراہٹ ہوئی اور آصف اندر آ گیا، نوریا کی سانس میں سانس آئی۔وہ دھیمے قدموں سے اس کے پاس بیڈ پر آن بیٹھا۔کچھ لمحوں بعد بولا

’’ سوری مجھے دیر ہو گئی۔‘‘

’’کیوں، دیر کیوں ہو گئی؟‘‘اس نے پوچھا

’’دراصل میں نے اپنی شادی پر اپنی بہن اور اماں کو نہیں آنے دیا تھا۔نجانے لوگ کیا سمجھیں۔مجھے پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھی رو رہی ہیں تو ان سے ملنے چلا گیا، مجھے معاف کر دیں، میں......‘‘اس نے انتہائی شرمندگی اور دکھ سے کہا تو وہ تڑپتے ہوئے بولی

’’یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کیوں نہیں بلایا انہیں وہ، یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔وہ کیا سوچتے ہوں گے؟‘‘

’’بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔یہ میری طرف سے قبول کر لیں، چاہئے بہت سستا سا ہے۔‘‘یہ کہتے ہوئے اس نے سونے کا ایک ہار نکالا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔

’’نہیں یہ میرے لئے معمولی نہیں ہے۔آپ خود ہی پہنا دیں۔‘‘اس نے کہا اور ذرا سا آگے سرک آئی۔آصف نے اسے ہار پہنایا تو وہ بولی،’’ آصف اب آپ میرے شوہر ہیں، میں آپ اس بزنس کمیونٹی میں وہ مقام دوں گی کہ کوئی بات تک نہیں کر پائے گا۔آپ بھی خود کو ایک ملازم کی حیثیت سے سوچنا چھوڑ دیں۔‘‘

’’جیسے آپ کا حکم۔‘‘ آصف نے دھیمی سی مسکراہٹ سے کہا اور نوریا اس کے ساتھ لگ گئی۔پھر کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولی

’’آپ اپنی بہن اور اماں کو بھی یہیں لے آئیں۔یہ گھر بہت بڑا ہے۔‘‘

''میں یہی کہوں گا، جیسے آپ کا حکم۔''

تبھی دونوں کا قہقہ کمرے میں گونج گیا۔

☆......☆......☆

دو برس تک نویرا اور آصف اپنی دنیا میں گم رہے۔ان کی زندگی بڑی خوشگوار رہی۔ان دونوں کو اپنی بزنس اور اپنی زات کے علاوہ کسی سے کوئی غرض نہیں تھی۔اس دوران انہوں نے آصف کی بہن ذکیہ کی شادی بھی کر دی۔گھر میں ریٹا ہوتی یا پھر آصف کی ماں۔ایک پرسکون زندگی چل رہی تھی۔ بزنس بہت اچھا جا رہا تھا۔انہی دنوں آصف کی ماں نے یہ سب کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا کہ وہ پوتا کھیلانا چاہتی ہے۔ اگرچہ یہ بات آئی گئی ہو گئی لیکن نویرا کے لئے خطرے کا الارم بج گیا۔اسے یہ پوری طرح احساس تھا کہ وہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے۔اس لئے اسی دن سے اس نے آصف کا بہت زیادہ خیال کرنا شروع کر دیا۔مگر اندر سے وہ خوف زدہ رہی کہ نجانے اس کا یہ راز کب فاش ہو جائے۔کیونکہ اس کی ساس کا مطالبہ دن بدن بڑھنے لگا تھا۔وہ ہر آنے جانے والے سے دعا کرنے کا کہتی۔یوں لگ رہا تھا کہ کہ پوتے کی خواہش میں پاگل ہو چکی ہے۔

یوں وقت تھوڑا مزید گذرا تو نویرا بیمار رہنے لگی۔اس کے ڈاکٹر اسے وجہ صرف ذہنی پریشانی اور اعصابی تھکن ہی بتاتے اور اس کے لئے صرف آرام تجویز کرنے لگے۔تقریباً ایک برس تک اس کا علاج چلتا رہا۔بجائے افاقہ ہونے کے اس کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی تھی۔اس دوران وہ بہت کم آفس جانے لگی۔ساری دیکھ بھال آصف ہی کرنے لگا۔

ایسے ہی ایک دن کی صبح ریٹا اس کے پاس آن بیٹھی۔اس وقت نویرا کی ساس گھر سے باہر تھی۔نویرا اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔کچھ دیر بعد ریٹا نے ڈرتے ڈرتے نویرا سے کہا

''بیٹی۔!تم میری گود میں کھیلی ہو۔میری کسی بھی بات پر شک کرنے سے پہلے میری بات تحمل سے سننا۔''

''کیا بات ہے، آپ ایسے کیوں کہہ رہی ہیں؟''نویرا نے حیرت سے ریٹا کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''بیٹا، میں کچھ ایسا محسوس کر رہی ہوں، جو اچھا نہیں ہے، میں اس پر بات کرنا چاہتی ہوں۔''وہ دھیمے سے بولی

''تو کہیں نا، بات کیا ہے؟''وہ تجسس سے بولی

''بیٹی۔! میں یہ جانتی ہوں کہ آپ ماں نہیں بن سکتی ہو لیکن ایسا بھی کیا کہ ایک برس ہونے کو آیا ہے، آپ بجائے تندرست ہونے کو مزید بیمار ہوتی چلی جا رہی ہیں؟''ریٹا بولی

''کیا کروں، میرا علاج تو جاری ہے، اندر ہی اندر کچھ ایسا ہے کہ مجھے ٹھیک ہی نہیں ہونے دے رہا ہے۔''اس نے مایوسی سے کہا

''لیکن میں کچھ اور ہی سوچ رہی ہوں۔''اس نے شک بھرے لہجے میں کہا

''کیا......؟''نویرا نے پوچھا

''کہیں آپ کے سازش تو نہیں ہو رہی ہے؟''وہ محتاط لفظوں میں بولی

''سازش، کون کرے گا؟''یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئی پھر کود ہی تیزی سے بولی،''آپ کا مطلب آصف کریں گے میرے بارے میں سازش، وہ کیوں کریں گے ایسا؟''

''میں نہیں جانتی لیکن مجھے ایسا لگتا ہے۔آپ صرف ایک کام کرو، اپنی دوائیں کسی لیبارٹری سے تصدیق کروائیں۔مجھے انہی دواؤں میں کچھ لگتا ہے۔''ریٹا نے کہا

''آپ کا وہم ہے، یہ دوائیں تو ہمارے خاندانی ڈاکٹر نے تجویز کی ہیں، اور انہی کے ہاں سے آتی ہیں۔''نویرا نے کہا لیکن شک کی گرہ اس

کے من میں بھی لگ گئی تھی تبھی اس کا لہجہ کافی حد تک نرم سا ہو گیا تھا۔

''میں نے یہ بات یونہی نہیں کہی ہے۔ٹھیک ہے انصاری صاحب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن ان جیسے کچھ وفادار لوگ اب بھی موجود ہیں۔''
ریٹا نے کہا تو اس نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''

''بیٹا آپ کے آفس سے کوئی بہتر اطلاعات نہیں آ رہی ہیں۔آپ پچھلے چھ ماہ سے زیادہ عرصے سے آفس نہیں گئی ہیں تو آپ کو کچھ پتہ چل رہا ہے۔'' ریٹا نے کہا تو نورا ایک دم سے پریشان ہو گئی اس نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے پوچھا

''یہ سب کیسے......آصف...... میں کیسے مان لوں؟''

''صرف اپنی دوائیں ٹیسٹ کروائیں۔ان میں ضرور کچھ ہے۔آپ ٹھیک ہوں گی تو سب کچھ ممکن ہے۔'' ریٹا کافی حد تک دکھی لہجے میں بولی تو نورا سوچ میں پڑ گئی۔کچھ دیر بعد سوچتے ہوئے لہجے میں بولی

''میں کرتی ہوں کچھ لیکن اس بارے کسی کو بھی شک نہیں ہونا چاہئے۔''

''میں بھی ایسا ہی چاہتی ہوں۔'' ریٹا نے کہا

''مجھے میرا فون لا کر دیں۔'' نورا نے کہا تو وہ اٹھ گئی۔

کچھ دیر میں اس نے شہر کے معروف ڈاکٹر سے وقت لے لیا۔اسے بتا بھی دیا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔دوپہر ہونے تک وہ اس کے پاس جا پہنچی ۔وہ اپنے ڈرائیور اور ریٹا کے ساتھ وہاں گئی تھی۔تقریباً ایک گھنٹہ تک کی ملاقات اور چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے کہا

''جو بیماری آپ کو بتائی جا رہی ہے اس کے مطابق دوائیں تو ٹھیک ہیں،لیکن آپ کو وہ بیماری ہے ہی نہیں۔لیبارٹری سے ٹیسٹ کے بعد حتمی طور پر کل بتاؤں گا کہ داؤوں میں کچھ ہے یا نہیں ہے۔فی الحال آپ یہ میڈیسن بند کر دیں۔''

وہ ڈاکٹر کی ابتدائی رپورٹ کے بعد کافی حد تک مطمئن ہو کر واپس آ گئی۔لیکن اسے حتمی رپورٹ کا انتظار تھا۔شام تک اسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ آفس میں کافی حد تک تبدیلی ہو گئی تھی۔بہت سارے پرانے لوگوں کی جگہ،نئے بندے آ گئے تھے۔

اگلے دن دوپہر سے پہلے ہی رپورٹ بارے پتہ چل گیا۔اسے سلو پوائزن دیا جا رہا تھا۔ایسا زہر جو آہستہ آہستہ ختم کرتا ہے ۔وہ چونک گئی ۔آصف ایسا بھی کر سکتا ہے؟وہ اسے کیوں مارے گا،اس سوال کا جواب اسے سمجھ میں آ گیا تھا۔

اسی شام جب آصف گھر واپس آیا۔تب وہ لاؤنج ہی میں بیٹھی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی۔اس کی ساس اور ریٹا بھی پاس ہی تھی۔اسے یوں بیٹھا دیکھ کر اس نے انتہائی پیار سے کہا

''ارے تم یہاں بیٹھی ہو؟کہیں تمہاری طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔چلو بیڈ روم میں۔''

''نہیں آصف اب میری طبیعت خراب نہیں ہو گی۔میں ٹھیک ہوں۔کیونکہ اب میں نے تمہاری لائی ہوئی دوائیں لینا چھوڑ دی ہیں۔'' اس نے نفرت سے کہا تو آصف بری طرح چونک گیا۔چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ لاتے ہوئے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ کر بولا

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔یہ لو تمہاری لائی ہوئی میڈیسن کی رپورٹ۔'' نورا نے وہ رپورٹ اس کی طرف اچھال دی تو اس نے دیکھے بغیر کہا

''اوکے۔تمہیں پتہ چل گیا۔ٹھیک ہے،اب کیا کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے صوفے پر پھیلتے ہوئے کہا

''تمہیں یہ کرنا ہے کہ ابھی اٹھو اور اپنی ماں کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ ہمیشہ کے لئے میری زندگی سے نکل جاؤ۔'' نویرا نے انتہائی نفرت سے کہا تو اس کی ساس بولی

''یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹا۔ ایسا کیا ہو گیا؟''

''تم چپ کرو، اپنے بیٹے کی سازش میں تم بھی شریک ہو۔ اب اچھائی اسی میں ہے کہ فوراً یہاں سے چلے جاؤ، فوراً۔'' نویرا نے پھر نفرت سے ہی کہا تھا۔ اس کی آواز اونچی تھی، جیسے اب وہ برداشت نہ کر پا رہی ہو۔ تبھی آصف نے اطمینان سے کہا

''میں نہیں تم جاؤ گی یہاں سے۔ کیونکہ یہ بنگلہ تم نے میرے نام لکھ دیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اپنا سارا بزنس بھی۔ کیونکہ تم ذہنی مریضہ ہو، بلکہ کہیں پاگل ہو۔ اس لئے۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم؟'' نویرا نے انتہائی حیرت سے کہا

''جی بالکل۔! میں تمہیں ابھی یہاں سے اٹھا کر باہر پھینک سکتا ہوں۔ بلکہ کسی پاگل خانے میں داخل کروا سکتا ہوں۔ پھر تم یہ ثابت کرتی رہنا کہ تم پاگل نہیں ہو۔ جب تک تمہارا یہ ثبوت آئے گا، میں یہاں نہیں ہوں گا، میں نے دو دن میں یہ بنگلہ بھی بیچ دینا ہے۔'' آصف نے کہا تو اس کی ماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ریٹا کے تو اوسان خطا ہو گئے تھے۔ نویرا نے ہونقوں کی طرح اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا

''تم ایسا نہیں کر سکتے، ابھی نکلو یہاں سے، میں دیکھتی ہوں تم کیا کرتے ہو۔'' نویرا نے کہا

''تو بلاؤ نوکروں کو، مجھے دھکے دے کر نکالیں یہاں سے، دیکھتے ہیں، وہ کس کی بات مانتے ہیں، کسے اٹھا کر باہر پھینکتے ہیں، تمہیں یا مجھے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے زوردار قہقہہ لگا دیا۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' نویرا نے غصے میں پاگل ہوتے ہوئے کہا

''ظاہر ہے تم پاگل ہو، جو مرضی کہو، میں نے کون سا برا منانا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا

''ریٹا، بلاؤ سب کو وہ اسے باہر پھینکیں۔'' نویرا نے کہا

''تم زحمت نہ کرو، میں بلاتا ہوں۔'' آصف نے کہا اور گھر کے نوکر کو آواز دی۔ اس کی آواز کی بازگشت میں باورچی آ گیا، اسے دیکھتے ہی آصف بولا ''یار یہ تمہاری مالکن کو دورہ پڑا ہے، اسے کسی پاگل خانے میں چھوڑنا ہے، بلاؤ سب کو۔''

''جی میں بلاتا ہوں۔'' اس نے ذرا جھک کر کہا اور واپس پلٹ گیا۔ ذرا سی دیر میں باہر سے چند ملازم آ گئے، جن میں سیکورٹی گارڈ بھی تھے۔

''یار یہ ریٹا اور تمہاری پرانی مالکن اب برداشت سے باہر ہیں، انہیں ذرا باہر تک چھوڑ آؤ۔'' آصف نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ تبھی دو ملازم آگے بڑھے اور نویرا کو اٹھانے کے لئے بڑھے۔ جبکہ وہ صدمے سے نڈھال ہو چکی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ تبھی ریٹا نے انتہائی تحکمانہ لہجے میں کہا

''سب لوگ وہیں ٹھہرو، اور واپس پلٹ جاؤ۔''

وہ لوگ رُک گئے۔ تبھی ڈرائیور آگے بڑھا اور بڑے دکھ سے بولا

''بی بی، یہ سب لوگ بِک چکے ہیں۔ اب آپ یہاں نہیں رہ سکتی ہیں۔ چلیں ورنہ یہ.....'' اس کے لفظ درمیان ہی رہ گئے تھے کہ نویرا ایک دم سے اٹھی اور باہر جاتے ہوئے بولی

''گاڑی نکالو''

''جی بیگم صاحبہ۔'' یہ کہہ کر ڈرائیور باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد وہ نویرا اور ریٹا کو لے کے بنگلے سے باہر تھا۔

''کہاں چلیں اب؟'' ریٹا نے پوچھا

’’میرے گھر۔‘‘ڈرائیور نے کہا

’’نہیں، گاؤں چلو۔‘‘ نوریا نے کہا تو ڈرائیور سمجھ گیا۔اس نے گاڑی گاؤں کی جانب بڑھا دی۔

گاؤں پہنچ کر اس نے اپنے چچا اور نعمان کو کچھ نہیں بتایا۔انہیں یہی کہا کہ وہ چند رہنے آئی ہے۔نوریا یہ چاہتی تھی کہ کراچی ہی میں کسی سے رابطہ کر کے اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔مگر ایک ہفتہ گذر جانے کے باوجود کچھ نہیں ہوا۔لیکن اسے پوری صورت حال کی سمجھ آ گئی کہ وہ آصف کے ہاتھوں لُٹ چکی ہے۔اس نے بڑے طریقے سے نوریا کو پاگل قرار دلوا کر اس کی ساری دولت اور جائیداد پر قبضہ جما لیا تھا۔اس کے ساتھ ان کا خاندانی ڈاکٹر اور وکیل بھی شامل ہو گئے تھے۔انہوں نے بھی بہتی گنگا میں پوری طرح ہاتھ دھوئے تھے۔آصف نے کون سا اپنے پاس سے دینا تھا اور ان کے بغیر کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔اس نے ان دونوں کو خوب نوازا اور خود ساری جائیداد کا مالک بن گیا۔اس نے یہ جائیداد اپنے پاس نہیں رکھی، بلکہ اونے پونے بیچنے لگا۔اس نے بہت سارا سرمایہ باہر بھیج دیا تھا۔اس کا ارادہ یہی تھا کہ اب جو کچھ سمیٹا جا سکتا ہے، وہ سمیٹ کر یہاں سے نکل جائے۔اگر اسے دو تین ماہ مزید وقت مل جاتا تو بلاشبہ وہ غائب ہو جاتا اور دوسرے کوئی آ کر اسے اس کے ذاتی بنگلے سے باہر نکالتے۔

نعمان اور اس کے والد کو آ کر پتہ چل گیا کہ نوریا کے ساتھ کیا بیت گئی۔ دوسرے ہفتے ہی انہوں نے کچھ کرنے کا ارادہ کر لیا۔انہوں نے کراچی میں رابطہ بھی کیا مگر اس کے ساتھ ہی ردعمل کے طور پر اسے قتل کی دھمکی مل گئی۔وہ اپنے گاؤں میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔تیسرے ہفتے تک اس کے اپنے مخلص کاروباری دوستوں کے علاوہ دوسرے دوستوں کا پتہ چلا۔سب کا یہی خیال تھا کہ قانونی کاروائی کی جائے۔مگر اس کیلئے طویل وقت چاہئے تھا اور دوسرا اس دوران وہ جرائم پیشہ افراد سے کچھ بھی کروا سکتا تھا۔تبھی بی بی صاحب کو دو دن پہلے پتہ چلا۔انہوں نے کافی ڈھارس دی اور آپ کو یہاں بھیج دیا۔

رات کا دوسرا پہر بھی ختم ہو گیا تھا جب نوریا نے اپنی بات ختم کی۔ساری بات سن کر نینا نے کہا

’’پریشان مت ہوں۔آپ سکون کرو۔میں دیکھتی ہوں کیا ہو سکتا ہے، آؤ اب آرام کرتے ہیں۔‘‘اس نے سکون سے کہا اور اٹھ گئی۔نوریا بھی اسی کے ساتھ اٹھ گئی۔اسے بلیو کیٹ کو فون کرنا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن کی صبح بلیو کیٹ کا فون آ گیا۔

’’نینا نکلو یہاں سے، ہمارا کام شروع ہو چکا ہے، بہت آرام کر لیا تم نے؟‘‘

’’مطلب؟‘‘اس نے چونکتے ہوئے پوچھا

’’آصف اس وقت کہکشان کے علاقے میں موجود ہے۔وہاں جا کر ہم نے اس سے پیار بھری باتیں کرنی ہیں۔‘‘

’’اتنی جلدی، مطلب تم نے......‘‘اس نے کہنا چاہا تو اس نے اٹھتے ہوئے کہا

’’تم آؤ نا، راستے میں بتاتی ہوں، باہر نکلو، تمہیں راستہ سمجھاؤں۔‘‘بلیو کیٹ نے کہا

’’اوکے میں کال کرتی ہوں۔‘‘ نینا نے کہا اور فون بند کر کے منٹوں میں تیار ہو گئی۔پھر نیچے لاؤنج میں آئی۔وہاں نوریا بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے اختصار سے اسے بتایا

’’نینا! پلیز، بہت احتیاط سے۔‘‘نوریا نے پریشانی میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی

’’میں خیال رکھوں گی اپنا۔تم بھی خیال رکھنا، فون پر رابطہ رہے گا۔چلتی ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ نکلتی چلی گئی۔

باہر آ کر اس نے شعیب کو فون کیا۔اس نے اپنی صورت حال بتاتے ہوئے کہا

''میں نے ایک بار تم سے نیلی بلی کا ذکر کیا تھا نا؟''

''ہاں،اس کا ذکر کیسے؟''شعیب نے کچھ کچھ سمجھتے ہوئے پوچھا تو وہ بولی

''وہ یہیں کی ہے۔اس کا ایک پورا نیٹ ورک ہے یہاں،اس نے ایک لمبی ڈیل کی ہے میرے ساتھ۔''

''ڈیل کی ہے،مطلب کیسی ڈیل؟''اس نے پوچھا

''اگر وہ یہ سب کچھ واپس دلا سکی تو......ورنہ جو نقصان ہوگا اسی کا اپنا ہوگا۔''نینا نے بتایا

''تمہیں یقین ہے،وہ کر لے گی؟''شعیب نے پوچھا

''وہ کر چکی ہے۔اس نے آصف کو کہکشاں میں موجود ایک گھر میں لا کر رکھ لیا ہے۔وہیں اس سے بات ہوگی،اب ہم وہیں جا رہی ہیں۔'' اس نے بتایا

''کیا تم نے رات ہی اس سے بات کر لی تھی؟''شعیب نے پوچھا تو نینا نے یوں کہا جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔

''کل صبح بات ہوئی تھی۔مگر میں یہ سمجھتی ہوں یہ اتنا آسان نہیں ہوگا،وہ کوئی اکیلا بندہ نہیں ہے جو یہ سب فراڈ کر سکا،میں جو سمجھ رہی ہوں اگر ویسا ہے تو ذرا مشکل ہوگا۔لیکن کر لیں گے ہم،دیکھو کیا ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے،جیسے تمہاری مرضی۔''شعیب نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

''اوکے میں چلتے ہوئے بڑی سڑک تک آگئی ہوں۔ٹریفک کا ہجوم ہے۔پھر بات کریں گے۔گڈ بائے۔''یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

نینا نے چند لمحے رُک کر ادھر اُدھر دیکھا،پھر ایک فور وہیل پر نگاہ پڑتے ہی اس جانب بڑھ گئی۔اس میں ایک اکیلی لڑکی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔اسے قریب آتا دیکھ کر لڑکی نے اپنے گاگلز آنکھوں پر لگا لئے۔نینا نے پھر غور سے اسے دیکھا اور پسنجر سیٹ والی سیٹ پر آن بیٹھی تو لڑکی بولی

''بلیو کیٹ سے ویلکم......''یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا دیا نینا نے اس کی آواز سن کر اس سے ہاتھ ملایا۔اس کے ساتھ ہی اس نے فور وہیل بڑھا دی۔تبھی نینا نے پوچھا

''کیا خیال ہے کام آسان ہے یا مشکل؟''

''تمہیں کام سے غرض ہونی چاہئے،مشکل ہو یا آسان۔''بلیو کیٹ نے لاپرواہی سے کہا

''ٹھیک ہے لیکن زیادہ طویل تو نہیں ہوگا کہ کئی دن لگ جائیں؟''نینا نے ہنستے ہوئے پوچھا تو وہ سنجیدگی سے بولی

''اصل میں ہر معاملے کی ایک جڑ ہوتی ہے میری جان،کوئی بھی اپنے بل بوتے پر یہ سب نہیں کرتا،میں بھی نہیں،اور تم بھی نہیں۔ آصف کا ایک پورا گینگ ہے۔اس کی سرپرستی یہاں کا ایک سیاسی مافیا کر رہا ہے۔ظاہر ہے،مافیا کا مقابلہ ایک مافیا ہی کر سکتا ہے۔میں نے وہ جڑ پکڑ لی ہے۔''

''ہوں،گڈ......''نینا نے کہا

''اب دو ہی راستے ہیں،یا تو ان سے ڈیل ہوگی یا پھر مقابلہ،اب دیکھیں ان سے کیا طے ہوتا ہے؟''بلیو کیٹ نے کہا تو نینا نے پوچھا

''کب تک؟''

''ابھی تھوڑی دیر میں،آصف سے بات چیت کے بعد۔''اس نے جواب دیا

''کیسے پکڑا اُسے؟''

'' ایک عورت کے ذریعے،وہ اس علاقے کی میڈم ہے،لڑکیوں کا دھندہ کرتی ہے۔روزانہ رات کو دسیوں لڑکیاں اس کے اڈے سے جاتی

ہیں،مختلف لوگوں کے پاس۔وہ خود بڑی شے ہے لیکن اپنی بے دام غلام ہے۔اب پوچھو گی کیسے؟ یہ میں بعد میں بتاتی ہوں لیکن پہلے سن لو۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے سانس لینے کو رُکی پھر بولی،'' میں نے اس سے پوچھا کہ ایسا ایک بندہ ہے،اس کے بارے میں معلومات چاہئے۔ تب پتہ چلا کہ ایک لڑکی رات ہی اس کے اڈے سے آصف کے پاس گئی تھی۔اسے جگہ کا پتہ تھا، وہ جگہ آصف نے اپنی عیاشی کے لئے بنائی ہوئی ہے ،میں نے چند بندے بھیج دیئے۔''

''ٹھیک،اس طرح وہ قابو آ گیا۔''نینا نے سمجھتے ہوئے کہا

''بالکل،وہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔''بلیو کیٹ یہ کہتے ہوئے قہقہ لگا کر ہنس دی تب نینا نے پوچھا

''وہ میڈم بے دام غلام کیسے بنی؟''

''وہ میڈم ہمارے گینگ کو بھتہ نہیں دے رہی تھی۔بڑے بڑے لوگوں کا ڈراوا دیتی تھی۔بس پھر اس کے اڈے پر سے جانے والی لڑکیاں خراب ہونے لگیں۔ایک وقت آیا کہ اس کے پاس سے سب لڑکیاں بھاگ گئیں۔اس کا کام ہی ٹھپ ہو گیا۔تب اس نے بھتے دیا اور اب کام چل رہا ہے اس کا۔''اس نے یوں کہا جیسے وہ کوئی کاروباری ڈیل کے بارے میں بتا رہی ہو تبھی نینا نے کہا

''یار یہ عورتوں کا دھندہ،کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ......''

''اب مجھے بھاشن مت دینا،کیا غلط ہے کیا درست میں نہیں جانتی۔مجھے صرف پیسہ چاہئے۔وہ نہیں کرے گی تو دوسرے بہت کچھ کر رہے ہیں۔اس ملک میں بہت سارے ایسے ادارے ہیں جن کا کام ہی انہیں روکنا ہے،لیکن نہیں روک رہے ہیں تو کیوں نہیں روک رہے؟ مجھے یہ بھی غرض نہیں کہ وہ کیوں نہیں روک رہے ہیں۔''اس نے تلخی سے کہا

''یار کوئی ضمیر بھی ہوتا ہے؟''نینا نے کہا

''صرف میرے ضمیر جاگ جانے سے کیا ہوگا۔صرف ایک اڈا بند ہوگا،لیکن میں مر جاؤں گی۔اس کے بعد ایک اڈا مزید کھل جائے گا۔ نینا ڈیر۔!یہ ایک ایسی خود رو جھاڑیاں ہیں،جو اگتی ہی چلی جا رہی ہیں،لیکن کوئی اس کی جڑ تک نہیں جاتا،کون پانی دے رہا ہے ان جھاڑیوں کو، یہ کوئی نہیں جانتا؟''وہ طنزیہ لہجے میں بولی

''کون ہے اس کی جڑ؟''نینا نے پوچھا

'' یہ دماغ سوزی تم کرتی رہنا،اگر تمہیں اسے ختم کرنا ہے تب،ورنہ بڑے بڑے تیس مار خان دعوے کرتے چلے گئے انہیں ختم کرنے کے لیکن یہ دھندا ختم نہیں ہوا۔''یہ کہہ کر اس نے ٹرن لیا اور ایک کالونی کے اندر چلی گئی۔چند منزلہ بلڈنگ کے قریب سے ہوتے ہوئے وہ سیدھی گئی اور پھر ایک گلی میں مڑ گئی۔جہاں کچھ کوٹھیاں زیر تعمیر تھیں اور کچھ بن چکی تھیں۔ایک ایسی ہی شاندار کوٹھی کے آگے اس نے فور وہیل روک کے بند کر دی۔تبھی بلیو کیٹ نے ڈیش بورڈ کی جانب اشارہ کیا۔نینا نے کھولا تو اس میں دو پسٹل اور کچھ میگزین پڑے تھے۔اس نے وہ اٹھا کر اڑسے اور نیچے اتر آئے۔

وہاں صرف تین لوگ تھے ۔بلیو کیٹ کو دیکھتے ہی الرٹ ہو گئے۔انہوں نے آصف کو دوسری منزل کے ایک کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ایک لاؤنج میں تھا اور دو اوپر تھے۔وہ تینوں اوپر گئے تو کمرے کے درمیان میں دھرے ہوئے بیڈ پر آصف بندھا ہوا پڑا تھا۔اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا تھا۔

اس کی نگاہ جیسے ہی دو اجنبی خواتین پر پڑی تو وہ انتہائی پریشان ہو گیا۔ بلیو کیٹ نے جاتے ہی ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں لگائی۔آصف کی آنکھوں سے خوف اُبلنے لگا۔بلیو کیٹ کے اشارے سے ایک نوجوان نے اس کے منہ سے کپڑا نکالا تو اس نے گہرے گہرے سانس لے کر کہا

''پانی......پلیز پانی۔''

اس کے یوں کہنے پر بلیو کیٹ نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا

''سب کچھ ملے گا،لیکن پہلے میری بات غور سے سن لو۔''

''کون ہو تم لوگ،اور کیا چاہتے ہو؟'' آصف نے حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا

'' ہم جو کوئی بھی ہیں،اس وقت تمہیں کچھ نہیں کہیں گے جب تک تم ہماری بات مانتے رہو گے۔ورنہ تمہیں نہیں پتہ کتنی اذیت ناک موت تیرا انتظار کر رہی ہے۔''بلیو کیٹ نے یہ کہتے ہی اپنی ہیل اس کے سینے پر ماری۔وہ تڑپ کر رہ گیا۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔اس نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر سہمے ہوئے لہجے میں کہا

''کیا چاہتے ہو تم لوگ؟''

''وہی جو تم نے کیا،ایک عورت سے جو مال چھینا،اس میں سے ہمارا حصہ......''

''میں نے تو کسی عورت کا حصہ نہیں چھینا، میں تو ایک سیدھا سادھا بزنس مین ہوں اور......''اس نے کہنا چاہا تو بلیو کیٹ نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا

''تیری ماں کا بزنس چلتا تھا سلائی کڑھائی کا،وہ جو جمشید کوارٹرز میں رہتی تھی۔یا تیری بہن کا،اڈے چلاتی تھی کیا؟سالا جدی پشتی رئیس۔''

یہ سن کر وہ چند لمحے خاموش رہا،پھر سر اٹھا کر یوں بولا جیسے وہ ساری بات سمجھ گیا ہو۔

''اچھا تو تمہیں نویرا نے بھیجا ہے۔''

''کام کی بات کر۔''بلیو کیٹ نے نخوت سے کہا

''تو پھر سن لو،مجھے مار دو گی تو بچو گی تم بھی نہیں۔میں کچھ دیر مزید آفس نہ پہنچا تو لوگ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں آ جائیں گے لہذا......''

''مگر تب تک تم مر جاؤ گے۔اور سن۔!تیرے آنے والوں کا بھی پورا بندوبست ہے میرے پاس،تیری ماں بھی اس وقت میرے پاس ہے۔مزید آدھے گھنٹے میں وہ اس دنیا میں نہیں رہے گی۔''بلیو کیٹ نے کہا تو ایک بار آصف کے چہرے پر رنگ آ کر گذر گیا۔

''میرے مرنے سے نویرا کو کچھ نہیں ملے گا۔اور اب بھی میں سب بیچ چکا ہوں۔جو تھوڑا بہت ہے،اس کے پیپرز کون سائن کرے گا؟اور اس بھی پہلے نویرا کو یہ ثابت کرنا ہو گا کہ وہ پاگل نہیں ہے؟ ''وہ سکون سے بولا

''مطلب تم ایسے نہیں مانو گے۔''بلیو کیٹ نے کہا اور آگے بڑھی ہی تھی کہ نینا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔پھر اس کے قریب جا کر بولی

''مطلب تم نہیں مانو گے؟''

''میرے ہاتھ میں کچھ نہیں رہا۔سب کچھ بانٹ دیا۔''اس نے طنزیہ لہجے میں کہا

''بانٹ دیا۔''نینا نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھانا ہی چاہتی تھی۔ایسے ہی لمحے،بیڈ کے پاس پڑا آصف کا فون بج اٹھا۔بلیو کیٹ نے اسے اٹھایا تو اسکرین پر نام دیکھ کر چونک گئی پھر بڑبڑاتے ہوئے بولی

''سلیم ٹانڈیا......''یہ کہہ کر اس نے آصف سے پوچھا،''اس سے کیا تعلق ہے تیرا؟''

''سب کچھ۔''اس نے کافی حد تک اعتماد سے کہا تو بلیو کیٹ مسکراتے ہوئے بولی

''اس سے بات کر،''یہ کہتے ہوئے اس نے کال ریسیو کر کے فون کا اسپیکر آن کر دیا،دوسرے ہاتھ سے پسٹل اس کے سر پر رکھ دیا۔

''ابے اب تک آفس نہیں پہنچا تو،اتنی پسند آ گئی ہے وہ بھڑوی تجھے؟''دوسری طرف سے غصے میں کہا گیا

''بس بھائی نکل رہا ہوں۔''اس نے ڈرتے ہوئے کہا

''کب نکلے گا، پارٹی تیرے آفس میں بیٹھی ہوئی ہے۔''اس نے انتہائی غصے میں کہا تو آصف بولا

''میں......میں......''اس نے پوری بات نہیں کی تھی کہ بلیک کیٹ نے فون اچک کر کہا

''اب شاید یہ کبھی بات نہ کر سکے۔ یہ میرے قبضے میں ہے۔ بھول جا اسے، سمجھ مر گیا۔''

''کون ہو تم؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''موت، بے غیرتوں کے لئے صرف موت ۔''اس نے حقارت سے کہا

''ابے کون ہے تو بھڑوی، کیسے ڈائیلاگ مار رہی ہے۔ چھوڑ اسے کام کرنے دے۔''اس نے اس سے بھی زیادہ حقارت سے کہا تو بلیو کیٹ نے ہنستے ہوئے کہا

''تجھے شاید سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر تو اپنے باپ کا ہے تو وہیں اس کے آفس رُک، میں آ رہی ہوں وہیں۔''

''ارے چھمک چھلو۔! دھمکی بھی دیتی ہے۔ چل آ جا۔ میں دیکھتا ہوں تمہیں۔''اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

''چل بھئی اب کام شروع ہو گیا۔'' بلیو کیٹ نے فون بند کرتے ہوئے کہا پھر اپنا فون نکال کر کسی سے بات کرنے لگی ''ہاں بول، ڈاکٹر پکڑ لیا؟......گڈ...... سلیم ٹانڈیا ہے اس کے پیچھے اور میچ بھی پڑ گیا ہے......پارسل بھیج رہی ہوں، اسے وہیں رکھ،......میں ذرا آفس ہو آؤں......ہاں وہیں آصف کے آفس میں، وہیں میچ فکس ہوا ہے۔ آ جا......چل پہنچ۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

''کچھ مجھے بھی بتائے گی؟'' نینا نے پوچھا

''بتانا کیا ہے، یہ گیا اب کام سے، ہم چلیں گے آفس، وہیں ساری بات ہو گی۔ تو نوریا کو کال کر اور اسے آفس بلا۔'' بلیو کیٹ نے کہا اور اپنے آدمیوں کا اشارہ کر کے باہر چل دی۔

باہر نکلنے تک نینا نے نوریا کو کال کر دی کہ وہ اپنے آفس تک آ جائے۔ لیکن اس وقت تک سامنے نہیں آئے جب تک اسے کہا نہیں جائے۔ وہ دونوں وہاں سے آندھی کی طرح نکلیں۔ نینا نے یہ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا کہ آصف کو کہاں رکھنا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی بلیو کیٹ کیا کرتی ہے اور کتنے پانی میں ہے۔ اس کے کام کا انداز کیا ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ اس بلڈنگ کے نیچے فور وہیل روک کر اتر چلی تھیں، جس میں نوریا کا آفس تھا اور وہ اس کی ملکیت تھی۔ ان کے اترتے ہی ایک دم سے وہاں پر ہلچل مچ گئی۔ بلیو کیٹ کے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ اور ظاہر ہے سلیم ٹانڈیا کے لوگ بھی تھے۔ بلیو کیٹ کسی بھی خوف سے بے نیاز آگے بڑھتی چلی گئی۔ نینا بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ پوری طرح الرٹ تھی۔ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ بلڈنگ کے لاؤنج میں آئیں تو سامنے لفٹ تھی۔ وہ اس جانب نہیں گئی۔ بلکہ اس نے کسی بلی کی مانند انتہائی تیزی سے سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دیں۔ وہ لفٹ میں بند نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اسے یہ تک معلومات تھیں کہ نوریا کا آفس کس منزل پر ہے۔ وہ ابھی تیسری منزل پر تھی کہ بلیو کیٹ کا فون بج اٹھا۔ اس نے کال پک کی، چند لمحے سنا اور فون بند کر کے بولی

''نینا۔! چل لفٹ میں، کلیئر ہو گیا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے لفٹ کی جانب بڑھی۔ چند منٹ بعد وہ لفٹ میں تھیں تبھی نینا نے پوچھا

''وہ ٹانڈیا، ہمارے انتظار میں ہو گا، کچھ کیا ہے اس کا مجھے بتا تو دو۔''

''اب گیم دیکھ۔ ہوتا کیا ہے۔''اس نے سکون سے کہا

''میں سمجھی نہیں۔''

''دیکھ۔! یہاں اس بلڈنگ میں دوسرے بہت سارے لوگوں کے آفس ہیں۔ ان کی ایک انتظامیہ ہے۔ میرے ساتھیوں نے یہاں آنے

سے پہلے، انہیں فون کر کے بتا دیا کہ نویرا کے آفس میں کیا ہونے لگا ہے۔ وہ سب وہاں پر ہیں۔ مجھے لگتا ہے ایک تھپڑ کی بھی نوبت نہیں آئے گی۔'' اس نے کہا اتنے میں لفٹ کھل گئی اور وہ نویں منزل پر تھیں۔

سامنے کافی سارے لوگ جمع تھے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ ایک لمحہ کو خاموش ہو گئے۔ بلیو کیٹ کے ساتھ جڑی نینا آگے بڑھیں تو ایک ادھیڑ عمر شخص نے پوچھا

''آپ نے شاید یہاں کسی سے ملنا تھا؟''

''شاید نہیں، یقیناً ملنا تھا۔ وہ سلیم کدھر ہے، پہلے مجھے اس سے بات کرنا ہے۔'' بلیو کیٹ نے پوچھا

''وہ لوگ چلے ہیں، ہم نے انہیں بھیج دیا ہے۔''

''کیوں؟'' اس نے مصنوعی حیرت سے پوچھا

''ظاہر ہے ہم نے جب کہا کہ پولیس کو بلواتے ہیں تو انہوں نے جانا ہی مناسب سمجھا۔'' وہی شخص بولا تو بلیو کیٹ نے نینا کو ساتھ لیا اور آگے بڑھتے ہوئے بولی

''نویرا کو بلاؤ۔''

نینا فون کرنے لگی۔ تبھی اسی ادھیڑ عمر شخص نے کہا

''میرا خیال ہے آپ بھی پلیز اس وقت واپس چلے جائیں، تا کہ کوئی.....''

''مجھے اس بلڈنگ کی مالکن نے بھیجا ہے، وہ ابھی راستے میں ہیں، ابھی آجاتی ہیں۔''

''میڈم نویرا آ رہی ہیں۔'' اس نے حیرت سے پوچھا

''جی۔'' یہ کہہ کر وہ آفس کے اندر جا کر بیٹھ گئی۔ کمپنی کا نیا منیجر آصف کا آدمی تھا۔ وہ وہاں پر آ گیا۔ جبکہ بلیو کیٹ نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ اس نے آتے ہی پوچھا

''جی فرمائیں۔''

''ابے چل، تیری مالکن کے آنے کے بعد بات ہوگی۔'' بلیو کیٹ نے حقارت سے کہا اور نینا کی جانب دیکھا۔ اس نے نویرا کے آنے کا عندہ دے دیا۔

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا۔ نویرا وہاں آ گئی۔ وہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ تبھی بلیو کیٹ نے آصف کے سیل فون سے ٹانڈیا کے ساتھ رابطہ کیا۔

''اَبے کہاں ہے تُو، میں اِدھر ہوں، کہاں ہے تیری پارٹی جو یہ سب خریدنا چاہتے تھے؟''

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ ویسے ہی فون بند کر دیا۔ یہ خاموشی یونہی نہیں تھی۔

چونکہ عمارت نویرا کی تھی۔ وہ سبھی اس کے کرائے دار تھے۔ نویرا نے انہیں حقیقت بتائی تو وہ سبھی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ وہ انہی کے ساتھ ہیں۔ نویرا نے ان چند پرانے ملازمین کو وہاں رہنے دیا جن کے بارے وہ سمجھتی تھی کہ وہ وفادار ہو سکتے ہیں۔ باقیوں کو ایک ہفتے بعد آنے کیلئے کہہ دیا۔ اسی میں دو گھنٹے سے زیادہ کا وقت گذر گیا۔ نویرا نے وہاں ایک طرح سے اپنا قبضہ لے لیا تھا۔ دو گھنٹے بعد جب وہ وہاں سے نکلے تو ان کا رخ نویرا کے بنگلے کی طرف تھا۔ اس جانب جاتے ہوئے بلیو کیٹ بالکل خاموش تھی۔ اس کا فون بھی نہیں بج رہا تھا۔ نینا نے بھی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ خاموشی عجیب سی لگ رہی تھی۔ تقریباً بیس منٹ بعد بلیو کیٹ نے نینا سے کہا

''نویرا سے کہو، اپنے بنگلے تک بہت محتاط ہو کر جائے۔''

''کیا تم سمجھتی ہو کہ......'' نینا نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تو وہ بولی

''دشمن کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کب، کہاں گھات لگائے ہوئے بیٹھا ہو، اس بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ جو میچ آفس میں نہیں پڑا وہ......''

''کہیں بھی پڑ سکتا ہے۔'' بلیو کیٹ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا

''او کے۔'' نینا نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور نوریا کو فون کر دیا کہ وہ محتاط رہے۔ اس نے کوئی بحث نہیں کی۔

اس وقت وہ بڑی سڑک سے اتر کر کلفٹن جانے والی سڑک پر مڑے تھے، ان کی فور وہیل کے ساتھ چند گاڑیاں مزید تھیں لیکن وہ اس طرح آ رہی تھیں جیسے ان کا فور وہیل کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسے میں وہیں سے ان کے ساتھ غیر محسوس انداز میں دو گاڑیاں مزید جڑ گئیں۔ انہیں دیکھتے ہی بلیو کیٹ چونک گئی۔ وہ چند لمحے صورت حال کو سمجھتی رہی پھر بڑبڑانے والے انداز میں بولی

''نینا! لگتا ہے میچ پڑنے والا ہے۔''

''پڑ جائے یار، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' نینا نے لاپرواہی سے کہا تو بلیو کیٹ نے اس کی طرف دیکھا، پھر مسکرا کر سامنے سڑک پر دیکھنے لگی۔ وہ دونوں گاڑیاں ساتھ ساتھ میں چلتی رہی تھیں۔ وہ نوریا کے بنگلے کے سامنے گیٹ پر رکے، سڑک کے دونوں طرف سے کئی گاڑیاں آ کر رک گئیں۔

''لے بھئی، پڑ گیا میچ۔'' بلیو کیٹ نے تیزی سے کہا اور اپنا پسٹل نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

''تم فکر نہیں کرو، میں دیکھتی ہوں انہیں۔'' نینا نے یوں کہا، جیسے اس کے گلے سے غصہ اُبل پڑا ہو۔ نوریا کی گاڑی نے ہارن دیا۔ جس کے جواب میں کوئی رنسپانس نہیں ملا۔ گیٹ ویسے ہی بند رہا۔ بار بار ہارن دینے کے باوجود بھی گیٹ نہیں کھلا تو نینا نے فور وہیل سے اترتے ہوئے کہا

''میں دیکھتی ہوں۔''

تبھی بلیو کیٹ نے اسے پکڑتے ہوئے وحشت ناک انداز میں تیزی سے کہا

''پاگل ہوگئی ہو، ایک دم سے فائر ہوگا۔''

''تم دیکھتی جاؤ، ہوتا کیا ہے۔'' نینا نے خود کو نرمی سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ اس نے پسٹل کو اپنے پیٹ کے ساتھ اُڑسا۔ اچانک دروازہ کھول کر ایک دم سے نیچے آ گئی۔ وہ چند قدم پیچھے گئی اور پھر تیزی سے بھاگتے ہوئے اچھل کر گیٹ پر پاؤں رکھا اور اگلے ہی لمحے وہ گیٹ کے سر پر تھی۔ جس وقت اس نے دوسری جانب چھلانگ لگائی، تب کہیں جا کر کسی کی سمجھ میں آیا کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ تبھی اچانک فائر ہوئے۔ نینا نے نیچے فرش تک آتے ہوئے اپنا پسٹل نکال لیا تھا۔ اس کے سامنے تین لوگ کھڑے تھے۔ جب تک وہ سنبھلتے اس نے فائر کر دیئے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی یوں بھی آ سکتا ہے۔ دو بندے ڈھیر ہوگئے اور ان میں تیسرا بندہ سامنے کی جانب بھاگ گیا۔ نینا نے ان دونوں زخمیوں کو کور کرتے ہوئے چشم زدن میں گیٹ کا بولٹ کھول دیا۔ باہر فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔ بلیو کیٹ نے فور وہیل اندر کی تو اس کے ساتھ ہی نوریا کی گاڑی بھی اندر آ کر پورچ میں چلی گئی، جبکہ بلیو کیٹ فور وہیل سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ سے ایک تھیلا نکال لائی تھی۔ ان کے پاس یہی چند منٹ تھے۔ بلیو کیٹ نے اس تھیلے میں سے ہنڈ گرنیڈ نکالتے ہوئے بولی

''ادھر جاؤ، نوریا کو اندر خطرہ ہو سکتا ہے۔''

یہ سنتے ہی نینا اس جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ باقی کاریں بھی اندر آ رہی تھیں۔ نوریا ابھی تک گاڑی ہی میں تھی۔ نینا نے اسے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور داخلی دروازے کی جانب بڑھنے کی بجائے ایک کمرے کھڑکی کی طرف گئی۔ اس نے پسٹل کے دستے سے شیشہ توڑا اور کمرے میں داخل ہوگئی۔ انہی لمحوں میں باہر ایک دھماکہ ہوا۔ اس کیساتھ ہی کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ نینا جس کمرے میں داخل ہوئی وہاں کوئی نہیں

تھا۔اس نے دروازہ کے کی ہول سے اندر جھانکا،سامنے لاؤنج تھا۔وہاں اسے دو آدمی دکھائی دیئے جو ہتھیار لئے باہر کی جانب متوجہ تھے۔نینا نے انتہائی آہستگی سے دروازہ کھولا۔پھر ایک دم سے اس نے ان پر فائر کر دیئے۔اس کے ساتھ ہی وہ اوٹ میں ہو گئی سامنے سے ایک ہی آدمی فائر کرنے لگا تھا۔نینا نیچے بیٹھی اور تاک کر اس پر نشانہ لگا دیا۔تبھی وہاں خاموشی چھا گئی۔باقی دو بھاگ گئے تھے۔ایسے میں پھر باہر دھماکہ ہوا ۔بلاشبہ بلیو کیٹ ہینڈ گرنیڈ سے کام لے رہی تھی۔نینا لاؤنج میں داخل ہوئی وہاں کوئی نہیں تھا۔اس کے ساتھ ہی اس نے داخلی دروازہ کھول دیا۔ تب اس نے دیکھا۔سامنے کا منظر بڑا وحشت ناک تھا۔سامنے گیٹ پر دھواں ہی دھواں تھا۔ایک گاڑی کو آگ لگی ہوئی تھی۔کئی سارے بندے اندر آ چکے تھے۔باہر فائرنگ رُک گئی تھی۔تبھی نینا نے صوفے کی آڑ میں بیٹھ کر بلیو کیٹ کو فون کیا،اس نے پک کیا تو اس نے پوچھا

''باہر کیا ہے اب؟''

''بھاگ گئے سالے۔''وہ بولی

''اندر میرے کور پر بھیجو کچھ بندے۔''اس نے کہا

''میں آ رہی ہوں۔''یہ کہتے ہی بلیو کیٹ نے فون بند کر دیا۔نینا صوفے کی آڑ میں تھی

اگلے چند منٹ میں وہ اندر تھی۔آدھے گھنٹے میں انہوں نے سارا بنگلہ کلیئر کر لیا۔آصف کی ماں ایک کمرے میں سے ملی جو انتہائی خوف زدہ تھی ۔بلیو کیٹ نے اسے اپنے بندوں کے حوالے کر دیا کہ اسے وہیں پہنچا دو جہاں آصف ہے۔تبھی نوریا اندر آ گئی۔وہ بے تحاشا رو رہی تھی جبکہ ریٹا اسے چپ کرا رہی تھی۔نینا نے اسے بیڈروم میں بھیج دیا۔کچھ ہی دیر میں پولیس آ گئی۔نوریا نے یہی بیان دیا کہ وہ اپنے گھر آ رہی تھی کہ کچھ لوگوں نے اس کے گیٹ پر حملہ کر دیا۔بلیو کیٹ کے چند لوگ زخمی ہو گئے تھے۔جنہیں ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔

اس دن کا سورج ڈھل چکا تھا۔نوریا کے بنگلے پر خاموشی طاری تھی۔بلیو کیٹ خود غائب تھی، لیکن نے چند تربیت یافتہ بندے بھیج دیئے تھے ۔نینا نے بی بی صاحب کو رپورٹ دے دی ہوئی تھی۔

''تم فکر نہ کرو حالات کنٹرول میں ہیں اب۔تم سکون کرو۔تمہاری دوست بہت ساتھ دے چکی ہے۔اب یہ معاملہ قانونی ہوگا جو چند دن میں ہی حل ہوگا،تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں تم اب یہیں سکون کرو۔''

''کب تک،میرا مطلب......''

''میں جلد ہی تمہیں بتاؤں گی۔''بی بی صاحب نے کہا اور فون بند کر دیا۔وہ اٹھی اور نوریا کے کمرے میں چلی گئی جو ابھی تک دہشت زدہ تھی ۔ریٹا اس کے پاس تھی۔وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی

''اس طرح تم اپنے آپ کو واقعی پاگل ثابت کر دو گی،خود کو نارمل کرو۔تاکہ کوئی آ بھی جائے تو اس سے ٹھیک طرح بات کر سکو۔اس سے اچھی طرح مل سکو۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔''نوریا نے کہا اور ایک طویل سانس لی پھر اسکا ہاتھ پکڑ کر بڑے جذباتی انداز میں بولی،''کوئی اپنا بھی اس طرح جان ہتھیلی پر نہیں رکھتا۔میں تمہاری......''

''ایسی باتوں کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔تم خود کو نارمل کرو،بلیو کیٹ نے جو بھی کیا پیسے کے لئے کیا۔ہمیں اسے وہی دینا ہوگا،جو وہ مانگے گی۔''نینا نے اس سے کہا تو وہ بولی

''وہ جو مانگے گی میں دوں گی۔اتنا تو ہے میرے پاس۔''

''بس ٹھیک ہے۔''یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے اٹھ کر باہر ٹیرس پر آ گئی۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ شعیب سے باتیں کرے۔اس نے ایک کرسی پر بیٹھ اسے فون ملایا مگر اس کا فون بند تھا۔وہ وہیں بیٹھی رہی،ہوا چل رہی تھی اور موسم بھی بہت اچھا ہو رہا تھا۔وہ وہیں بیٹھی رہی اور بار

بار شعیب کو کال کرتی رہی لیکن اس کا فون بند جا رہا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک دم سے پریشان ہوگئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس بارے کس سے پوچھے؟ وہ اسی اضطراب میں ٹہلنے لگی۔ وہ بار بار کال کرتی رہی لیکن ہر بار اسے فون بند ہی ملا۔ ایک بار تو اس کے جی میں آئی کہ میڈم فاخرہ سے اس کے بابا کا نمبر لے اور پھر بات کرے لیکن چاہتے ہوئے بھی ایسا نہیں کر سکی۔ یہاں تک کہ آدھی سے زیادہ رات گذر گئی۔ نینا کی بے چینی حد درجہ بڑھ گئی۔ وہ نوریا کے بنگلے میں پاگلوں کی طرح چکر لگاتی رہی۔ دوسرے یہی سمجھتے رہے کہ وہ سیکورٹی کی بنا پر یہ سب کر رہی ہے جبکہ وہ اپنے اندر کی بے چینی کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں کئی طرح کی سوچیں آرہی تھیں جو ساری کی ساری منفی تھیں۔ وہ اس وقت کو کوس رہی تھی، جب شعیب نے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جانا چاہتا ہے اور اس نے منع کر دیا تھا۔ پہلی بار کسی ایسے کام میں وہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اسے عجیب الجھن ہونے لگی تھی۔

وہ اپنے لئے مخصوص بیڈروم میں آگئی۔ اس کی آنکھوں سے نیند اُڑ چکی تھی۔ اس کے من کی بے کلی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نجانے کب اس کی آنکھ لگی تھی لیکن پھر اچانک کھل گئی۔ سب سے پہلے اس نے اپنا فون دیکھا۔ اس میں کچھ نہیں تھا۔ اس نے پھر کال ملائی تو شعیب کا فون بند ملا۔ وہ اضطراب میں اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ یہاں تک کہ کمرے سے باہر آگئی۔ باہر ابھی اندھیرا تھا۔ صبح کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ تبھی اس نے بی بی صاحب کو فون کر دیا۔ چند لمحوں بعد اس کا فون اٹینڈ کر لیا گیا۔ نرم سی آواز جب نینا کی کانوں میں پڑی تو اس نے خود پر قابو پا کر پوچھا

”مجھے شعیب کا فون نہیں مل رہا، وہ کہیں......“

”ہاں، وہ شام سے غائب ہے۔ اس کے بارے پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ کہاں ہے؟“ بی بی صاحب نے اسی نرم آواز میں سکون سے بتایا

”مطلب وہ......“ اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

”میں نے اس لئے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ اس کی تین وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ ممکن ہے مٹھن خان نے اسے غائب کرایا ہو۔ بلاشبہ یہ تمہیں ٹریپ کرنے کے لئے ہے۔ دوسرا وہ خود کہیں روپوش ہو گیا ہو کہ اس پر اور اس کے بابا بہت زیادہ دباؤ تھا۔ قانونی اداروں کا اور حکومتی لوگوں کا۔ تیسری بات یہ کہ مجھے پتہ چلتا تو ہی میں تمہیں بتا سکتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ کیونکہ میں پوری کوشش میں ہوں کہ اس کا پتہ چل جائے۔“ انہوں نے سکون سے کہا

” میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اسے اس کی مرضی کے خلاف اِدھر اُدھر کیا گیا ہے۔ ورنہ وہ مجھے ضرور بتاتا۔“ نینا نے اپنا خیال ظاہر کیا

”ممکن ہے ایسا ہی ہو۔“ وہ دھیمے سے بولیں

”بی بی صاحب۔! مجھے اجازت دیں کہ میں وہاں پر آجاؤں۔“ نینا نے لجالت سے کہا

”جو وہ چاہتے ہیں تم بھی وہی کرنا چاہتی ہو۔ میں نے تمہیں کراچی بھیجا ہی اسی لئے تھا کہ تم کچھ دن وہاں رہ کر منظر سے ہٹ جاؤ۔“ بی بی صاحب نے کہا تو وہ تیزی سے بولی

”اگر انہوں نے شعیب کو نقصان پہنچا دیا تو؟“

”ایسا بھی ممکن ہے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے چند لمحے خاموشی اختیار کی پھر بولیں، ”اچھا میں کچھ دیر بعد بتاتی ہوں“ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ جس سے نینا کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی۔

دن چڑھ آیا تھا۔ ناشتے کی میز پر بلیو کیٹ بھی تھی۔ اس نے بتایا کہ کل سے اب تک اس نے کیا کیا۔ آصف کے ساتھ اس کی ماں اور ڈاکٹر کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ فراڈ کرنے کا اقرار کر لیا گیا تھا۔ اس کی سیاسی پشت پناہی کرنے والے ابھی تک سامنے نہیں آئے تھے۔ نوریا یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگی جبکہ نینا کا ذہن پوری طرح فون کال کی طرف لگا ہوا تھا۔ جو آ نہیں رہی تھی۔ یہاں تک کہ دس بج گئے۔ اس وقت وہ کال کرنے بارے سوچ رہی تھی کہ بی بی صاحب کی کال آگئی۔

’’یہ تصدیق ہوگئی ہے کہ شعیب اس وقت مٹھن خان کے پاس ہے۔‘‘

’’کیا.....‘‘ وہ یہ سن کر ششدر رہ گئی۔

’’ہاں، اسے کل شام ہی اغوا کرلیا گیا تھا۔لیکن بہر حال چند لوگ درمیان میں پڑ گئے ہیں۔جس پر مٹھن کان نے اس کی زندگی کی ضمانت تو دی ہے۔‘‘ بی بی صاحب نے بتایا

’’میں آرہی ہوں۔‘‘ نینا تڑپ کر بولی

’’میں تمہارے جذبات سمجھتی ہوں، تم بھلے آجاؤ لیکن ٹریپ ہو جاؤ گی۔یہی وہ چاہتے ہیں۔‘‘ انہوں نے سمجھایا

’’لیکن میں شعیب کو ایسے تو نہیں چھوڑ سکتی۔‘‘ نینا نے یوں کہا جیسے احتجاج کر رہی ہو۔

’’او کے آجاؤ۔‘‘ بی بی صاحب نے ایک دم سے کہا تو اسے لگا جیسے اس کے من میں سکون اتر گئی ہو اور اس کے ساتھ ہی انتقام کی ایسی لہر اٹھی، جس سے وہ پہلے کبھی آشنا نہیں تھی۔تقریباً! دو گھنٹے بعد وہ ائیر پورٹ تھی۔وہ سیدھے اپنے شہر نہیں بلکہ اسے قریبی شہر تک جانا تھا۔

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔جب وہ ایک کار کے ذریعے اپنے شہر میں آئی۔ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ سیدھی میڈم فاخرہ کی طرف جاتی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔وہ اپنی ایک جاننے والے کے پاس چلی گئی۔اس کا نام روزینہ تھا۔بہت عرصہ ہوا، نینا کے اس سے تعلقات تھے۔جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا، وہ اس کی مدد کرتی تھی۔پھر یہ مدد باقاعدہ سورت میں سوچ سمجھ کے ساتھ کرنے لگی۔کیونکہ اس کا شوہر الیاس ایک تنومند نوجوان تھا۔وہ بڑے عرصے سے مٹھن خان کے ڈیرے پر کام کرتا چلا آیا تھا۔ان دنوں وہ ڈیرے سے اس کے فارم ہاؤس چلا گیا تھا۔کام کرنے کے بعد وہ اکثر اپنے گھر آجاتا تھا۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ ایک درمیانے طبقے کے رہائشی علاقے میں رہتے تھے۔روزینہ اس کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھی۔اس نے کار سڑک پر ہی چھوڑ دی۔اور وہاں سے پیدل اس کے گھر تک آئی۔ وہ اس کے انتظار میں تھی پہلی دستک پر ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔وہ اس کے ساتھ اندر چلی گئی۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں مدقوق بلب جل رہا تھا۔الیاس ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔نینا اس کے ساتھ سلام دعا کر کے ایک دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی۔روزینہ نے دھیرے سے پوچھا

’’تم بیٹھو، میں کھانا لے کر آتی ہوں۔‘‘

’’نہیں کھانے کی ضرورت نہیں، ادھر میرے پاس بیٹھو۔‘‘

’’تم نے جو بات پوچھنی ہے، پوچھو، میں کھانا......‘‘ اس نے کہنا چاہا مگر نینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

’’نہیں نا، تم چھوڑو، آؤ۔‘‘

روزینہ جب اس کے پاس بیٹھ گئی تو نینا نے الیاس کی طرف دیکھ کر پوچھا

’’بھائی، مجھے صرف شعیب کے بارے میں پتہ کرنا ہے، اسے کہاں رکھا گیا ہے؟‘‘

اس کی بات سن کر الیاس چونک گیا۔اس نے مشکوک نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا

’’تمہارا اس سے کیا تعلق؟‘‘

’’اس کا مطلب ہے الیاس بھائی آپ کو پتہ ہے ،اسے کہاں رکھا گیا ہے؟‘‘ نینا نے اس کی بات کا جواب دیئے بنا تیزی سے پوچھا

’’وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہیں کیا؟ تم کسی کے لئے کام تو نہیں کر رہی ہو؟‘‘ اس نے پھر مشکوک لہجے میں پوچھا

’’یہ سارے سوال اپنی جگہ ٹھیک ہیں، لیکن مجھے شعیب کا پتہ چاہئے ،اسے کہاں رکھا گیا ہے۔بس، اس کے لئے تم جتنی چاہو قیمت لے سکتے ہو۔‘‘ نینا نے کہا تو الیاس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔اس نے چند لمحے سوچا، پھر بولا

’’کتنے دے سکتی ہو؟‘‘

’’یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ نینا کے ہم پر اتنے احسان ہیں کہ.....‘‘ روزینہ نے کہنا چاہا تو الیاس نے ٹوکتے ہوئے کہا

’’اسے بھی تو کہیں سے پیسے ملنے ہیں، اس میں سے ہمیں حصہ مل جائے تو کیا برا ہے، یہ پولیس والے کہاں کسی کو معاف کرتے ہیں۔‘‘

الیاس اسے اب تک پولیس والی ہی سمجھ رہا تھا جو کسی اطلاع کے لئے اس کے پاس آئی تھی۔

’’کچھ برا نہیں ہے، بولو کتنے پیسے دوں؟‘‘ نینا نے دوٹوک لہجے میں کہا تو اس نے پوچھا

’’ایک لاکھ ہے تیرے پاس؟‘‘

’’ابھی دیتی ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اپنا چھوٹا سا بیگ کھولنے لگی۔ایک جانب نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھی۔اس نے اندازے سے نوٹ اٹھائے اور اس کی طرف بڑھا کر بولی،’’یہ لو، اب بتاؤ۔‘‘

الیاس نے وہ نوٹ پکڑ لئے، پھر سنبھال کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولا

’’اسے ڈیرے پر نہیں رکھا گیا۔ پہلے اسے وہیں لائے تھے لیکن بعد میں اسے فارم ہاؤس کے گیسٹ ہاؤس میں رکھا ہوا ہے۔وہاں اس پر کافی تشدد کیا گیا ہے۔اس سے کسی گولی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔‘‘ الیاس نے اپنی رُو میں بتایا تو نینا کو لگا جیسے اس کے اندر تک کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔تبھی اس نے جی کڑا کر کے پوچھا

’’تو پھر بتایا نہیں اس نے۔‘‘

’’نہیں، اب تک نہیں بتایا۔‘‘ الیاس نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا تو نینا نے پوچھا

’’وہاں تک پہنچنے کا راستہ؟‘‘

’’جتنا تم نے گڑ ڈالا بات اتنی ہی بتائی ہے۔‘‘ اس نے انتہائی کمینگی سے کہا تو نینا نے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور کافی سارے نوٹ نکال کر اس کے آگے رکھ دیئے۔تبھی وہ بولا،’’وہاں تک جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ سوائے مٹھن خان کی مرضی کے۔وہاں کافی لوگ ہیں سیکورٹی والے۔‘‘

’’دیکھو۔!اس وقت میرے بیگ میں جتنی رقم ہے ساری تمہاری، تم اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ بتا دو۔کوئی ایسا طریقہ۔‘‘

’’مجھے نہیں پتہ، لیکن میں تمہیں وہاں کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ کہاں پر کیا ہے۔‘‘

’’چلو یہی سہی۔‘‘ نینا نے کہا تو وہ اسے سمجھانے لگا۔تقریباً ایک گھنٹہ تک وہ مغزماری کے بعد اٹھ گئی۔

’’کہاں چلی ہو؟‘‘ روزینہ نے پوچھا

’’مجھے کافی کام ہیں۔افسروں کو جواب بھی دینا ہے۔‘‘ اس نے کہا اور وہاں کچھ دیر مزید باتوں کے بعد گھر سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔وہ پیدل نکل پڑی تھی۔رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔سڑک کنارے جلتے ہوئے قمقمے روشن تھے۔وہ ایک طرف سڑک کنارے چلتی چلی جا رہی تھی۔اس کا دماغ بری طرح چکرایا ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے شعیب کا چہرہ تھا۔ یہ تصور بہت بھیانک تھا۔ تشدد کے بعد کس قدر کسمپرسی میں وہ پڑا ہوگا۔اس سے فقط یہی پوچھا جا رہا ہوگا کہ ’’گولی‘‘ کہاں ہے؟اور وہ یہ نہیں بتا رہا ہوگا۔اگر اس دوران اسے کچھ ہو گیا۔کوئی چوٹ غلط بھی لگ سکتی ہے، پھر کیا ہوگا۔لمحہ بہ لمحہ اس کا دوران خون تیز ہوتا جا رہا تھا، اس کا دل کر رہا تھا کہ ابھی سیدھا مٹھن خان کے پاس جائے اور شعیب کو اس اذیت سے چھٹکارا دلا دے۔اس کے ساتھ چاہے کچھ ہو جائے۔لیکن اسے الیاس پر قطعاً بھروسہ نہیں تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ ادھ کچری معلومات پر وہاں جا پہنچے۔اچانک اسے احساس ہوا کہ یوں سڑک کنارے تنہا چلتے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔وہ چاہے جو کچھ بھی ہے لیکن ایک عورت ہے۔کوئی بھی نیت خراب والا بندہ اس کا راستہ کاٹ سکتا ہے۔اسے اپنی صورت حال کا احساس ہوا تو اس نے فوری طور پر اپنا فون نکالا۔لیکن اس کے ساتھ ہی اس

کے ذہن میں یہ آیا کہ وہ کسے فون کرے گی؟ کون اسے لینے آئے گا۔ میڈم فاخرہ بلاشبہ اس سے ناراض ہوگی۔ پہلے تو وہ اسے بتا کر نہیں گئی تھی ۔پھر بار ہا فون کال کا اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کیا جواب دیتی؟ اپنے بارے میں کیا بتاتی؟ پھر اس نے فون واپس جیب میں رکھتے ہوئے فیصلہ کر لیا کہ ابھی تو وہ عورت منزل جائے گی۔ آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ عورت منزل سے کافی دور ہے۔ یہاں سے پیدل نہیں جا سکتی تھی۔ اسے سواری تو بہر حال چاہئے تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اگلے چوک پر اسے کوئی نہ کوئی سواری ضرور مل جائے گی ۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ ایک کار تیزی سے اس کے پاس سے گذری، کچھ فاصلے پر جا کر تیز آواز میں بریک لگا کر رک گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ بیک میں اس کے پاس آکر رک گئی۔ اس میں دو لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں پوچھا

''جانا ہے تو ہم لفٹ دے دیتے ہیں۔''

''ابے اس وقت کون شریف زادی سڑکوں پر ہوگی، ریٹ پوچھ، کام کی ہوئی تو لے چلیں گے۔'' دوسرا شاید اس سے بھی زیادہ ٹُن تھا۔

''یار چیز تو ٹھیک ہے،'' پھر اس کی طرف منہ کر کے پوچھا،'' ہاں بول، چلتی ہے، کتنا لے گی۔''

نینا کا دماغ گھوم گیا تھا لیکن اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

''جتنا دے دو گے۔ اب رات کتنی باقی ہے۔''

''او خیر۔! سمجھ دار ہے یار۔'' پہلے کی باچھیں کھل گئیں۔

''چل بیٹھو، خوش کر دیں گے۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے دوسرے شخص نے کہا تو نینا نے کار کی پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے اپنا پسٹل نکال لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ گیئر لگاتا۔ نینا نے پسٹل کی نال ڈرائیور کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

''نیچے اتر جاؤ ......''

''اوئے تم۔ بہن.....'' اس نے حیرت اور غصے میں پلٹ کر گالی دینا چاہی تھی کہ پسٹل چل گیا۔ نال اس کے سر سے پھسل کر اس کے کاندھے پر جا لگی، تبھی نینا نے فائر کر دیا۔ گولی اس کاندھے کے پار ہوگئی وہ تڑپ کر اسٹیئرنگ پر گرا۔ تبھی نینا نے لمحہ بھی ضائع کئے بنا پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے پر پسٹل تان لیا۔

''اترتے ہو یا.....''

''نن.....نہیں......اترتا ہوں۔'' وہ چھلانگ مار کر باہر ہو گیا۔ پھر اسکے ساتھ ہی اس نے دوڑ لگا دی۔ نینا تیزی سے اتری اس نے ڈرائیور کو کھینچ کر نیچے سڑک پر پھینکا دیا۔ ڈرائیور کا خون کافی حد تک بہہ گیا تھا۔ اس نے ڈرائیور کی قمیص ایک جھٹکے میں پھاڑی۔ انتہائی تیزی سے جس قدر ممکن ہوا خون صاف کیا اور سیٹ پر بیٹھ کر گیئر لگا دیا۔ اس نے زخمی ڈریئوار کو یونہی چھوڑتے ہوئے ذرا بھی دکھ محسوس نہیں کیا تھا۔

وہ عورت منزل کے قریب پہنچ گئی۔ ابھی اس نے کار سے جان چھڑانا تھی۔ اس نے کار عورت منزل سے تھوڑا قریب چھوڑی اور وہاں سے پیدل چلتے ہوئے گیٹ تک جا پہنچی۔ اسے گیٹ پر دیکھ کر چوکیدار چونکا تھا۔ مگر اس نے بات کوئی نہیں کی تھی۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی ہی تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔ وہ میڈم فاخرہ کی کال تھی۔ نینا کی ہیلو کے جواب میں اس نے تیزی سے پوچھا

'' میں نہیں جانتی کہ تم کہاں تھیں اور نہ پوچھوں گی لیکن تمہیں پتہ ہے کہ شعیب......''

''مٹھن خان کے پاس ہے اس وقت۔'' اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا

''تم ملی ہو اس کے بابا سے؟'' میڈم نے پوچھا

''نہیں، میں نہیں ملی۔'' اس نے بتایا

''تو پھر تم ان سے ملنا بھی نہیں، وہ تمہیں شعیب کے عوض مٹھن خان کو دے سکتے ہیں۔'' میڈم نے معلومات دی

’’مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے،لیکن مجھے شعیب کو چھڑانا ہے۔ ہر حال میں ۔‘‘ نینا نے یوں کہا جیسے وہ ٹرانس میں بات کر رہی ہو۔

’’کیا کرنا چاہتی ہو؟ کیا تم خود کو......‘‘ میڈم نے متوحش آواز میں پوچھا

’’مجھے کچھ پتہ نہیں، میں نے کیا کرنا ہے یا میں کا ی کر سکتی ہوں ۔‘‘ اس نے پاگلوں کی طرح کہا تو میڈم فاخرہ نے کافی حد تک سکون سے سمجھاتے ہوئے کہا

’’دیکھو۔!تم تھوڑی دیر یہاں پر رُکو، میں آ رہی ہوں۔ کہیں نہیں جانا، ہم کوئی پلان کرتے ہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

ابھی اس کا فون بند ہی ہوا تھا کہ روزینہ کا فون آ گیا۔ اسکرین پر اس کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ نینا کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کال پک کرے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ اگر وہ نہ چاہتی تو الیاس اس سے رقم لے سکتا تھا۔ اسے یہ دکھ نہیں تھا کہ اس نے رقم کیوں لی، اسے مان تھا جو ختم ہو گیا تھا۔ رقم کے عوض دی گئی معلومات بھی اتنی معتبر نہیں ہو سکتی تھی۔ بیل بج کر ختم ہو گئی۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی کہ بیل ایک بار پھر بج اٹھی۔ اس نے چند لمحے اسکرین پر دیکھا اور فون پک کر لیا۔

’’ہیلو۔!‘‘ اس نے بے دلی سے کہا تو دوسری طرف سے روزینہ روتے ہوئے بولی

’’خدا کے لئے نینا بات سن لینا۔فون بند مت کرنا۔‘‘

’’بولو، کیا کہنا ہے۔‘‘ اس نے سرد مہری سے کہا

’’الیاس نے جو کچھ بھی کیا، بہت برا کیا ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ......‘‘

’’ختم کرو یہ بات، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی میرے اور تمہارے تعلق پر کوئی فرق پڑے گا۔ بھول جاؤ ایسا کچھ ہوا تھا۔ مجھے تو یہ بھی پروا نہیں کہ اس نے مجھے شعیب بارے معلومات درست بھی دی ہیں یا غلط۔‘‘ نینا نے بے دلی سے یوں کہا جیسے اسے اب کوئی افسوس نہیں ہے۔

’’یہ بات بالکل درست ہے کہ شعیب اس وقت مٹھن خان کے گیسٹ ہاؤس ہی میں ہے، اور یہ بھی ٹھیک بتایا تھا کہ وہاں سیکورٹی بہت زیادہ ہے۔ یہ بات میں تمہیں قسم کھا کر بتا سکتی ہوں۔‘‘ روزینہ ہے نے تیزی سے یقین دلانے والے انداز میں کہا تو نینا نے پوچھا

’’تم یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟‘‘

’’میں بھی وہیں کام کرتی ہوں۔ اسی فارم ہاؤس میں، ان کے گھر کے کام کرتی ہوں۔‘‘ اس نے بتایا

’’کیا کرتی ہو وہاں پر؟‘‘ نینا نے پوچھا

’’یہی جو صفائی ستھرائی اور اور جو بھی کام، سب سے اہم کام مٹھن خان کی بیٹی ’مومی‘ کو تیار ہونے میں مدد دیتی ہوں اور پھر ناشتہ کروا دیتی ہوں ، یا پھر جب کبھی اس نے باہر جانا ہو ۔‘‘ اس نے بتایا تو نینا کی آنکھیں ایک دم سے کھل گئیں۔ تبھی اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا

’’ مومی، اس کی بیٹی، کہاں ہوتی ہے؟‘‘

’’یہیں ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ہی باہر یہاں آئی ہے، وہ وہاں پڑھتی تھی۔‘‘ اس نے بتایا

’’آج کل کہاں ہے؟‘‘

’’ادھر ہی ہے۔ دن چڑھے اٹھتی ہے، رات بھر جاگتی ہے۔ بڑی خرانٹ ہے۔ کئی لڑکوں سے دوستیاں ہیں اس کیں۔‘‘ روزینہ نے یوں کہا جیسے وہ اسے پسند نہ ہو۔

’’وہ کبھی گھر سے نکلتی بھی ہے کہ نہیں۔‘‘ نینا نے اچانک پوچھا تو روزینہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا

''نن......کلتی......نکلتی تو ہے۔لیکن بہت زیادہ سیکورٹی میں۔تم یہ جو سوچ رہی ہو، ناممکن ہے۔''

''تم فوراً جاؤ فارم ہاؤس۔اگر اس نے آج نکلنا ہے تو پتہ کرو، نہیں نکلنا تو بھی بتاؤ۔'' نینا نے ہذیانی لہجے میں کہا

''نینا پاگل مت بنو وہ......'' اس نے کہنا چاہا لیکن نینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا

''تمہیں شاید پتہ نہیں شعیب میری محبت ہے۔''

''اُوہ۔!'' روزینہ کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا، پھر چند لمحے توقف کے بعد ایک عزم سے بولی، ''اچھا، میں کوشش کرتی ہوں۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔''

''شاباش، تم صرف مجھے بتا دو، باقی میں دیکھ لوں گی۔''

''ٹھیک ہے، میں بتاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔نینا کے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔

دن نکل آیا تھا، جب میڈم فاخرہ وہاں آن پہنچی۔اس نے اصرار سے نینا کو کھلایا پلایا۔اسے فریش ہو جانے کو کہا۔پھر وہی باتیں کرتی رہی، جو اب تک اسے معلوم تھیں۔اس نے ہوا تک نہیں لگنے دی کہ وہ روزینہ کے ساتھ کیا پلان کرنے جا رہی تھی۔میڈم فاخرہ اسے یہی سمجھاتی رہی کہ بات چیت کے ذریعے اس کا کوئی حل نکال لیتے ہیں۔اس نے اپنے دوستوں میں یہ بات رکھی ہے، دوپہر تک اس کا نتیجہ آ جائے گا۔ میڈم کا موقف یہی تھا کہ وہ سکون سے رہے اور کچھ نہ کرے۔کچھ بھی کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔وہ خاموشی سے سنتی رہی۔یہاں تک کہ میڈم دو گھنٹے کے بعد وہاں سے چلی گئی۔جبکہ نینا بے چینی سے اس کی کال کا انتظار کرنے لگی۔اس کے لئے ایک ایک لمحہ کاٹنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔اچانک اسے خیال آیا کہ اگر روزینہ والا معاملہ نہ بنا تو پھر کیا کرے گی؟ صرف اس کی آس میں نہیں بیٹھے رہنا چاہئے۔اسے کچھ دوسرا بھی کرنا ہوگا۔وہ کچھ دیر سوچتی رہی، پھر اچانک اس نے ایک جُوا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے مٹھن خان کو کال ملائی۔زیادہ بیل نہیں گئی تھیں کہ اس کی کال پک کر لی گئی۔

''بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔'' مٹھن خان کے لہجے میں فتح مندی کا احساس جھوم رہا تھا

''شعیب کو چھوڑ دو۔'' نینا نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

''اسے چھوڑنے ہی کے لئے تو ابھی تک رکھا ہوا ہے، ورنہ کب کا پار کر دیتا۔اس کا جرم یہی نہیں ہے کہ وہ تمہارے ساتھ تھا، بلکہ اس نے میرے بیٹے، میرے؟؟؟ کو زندگی بھر کے لئے معذور کیا۔تم جانتی ہونا، گواہ ہو تم، تمہارے سامنے ہی تو اس نے سب کچھ کیا تھا، تیرے ایماء پر۔'' مٹھن خان لفظ لفظ کہتا ہوا ایک دم سے جذباتی ہو گیا۔

''میں کہہ رہی ہوں اسے چھوڑ دو۔'' اس نے پھر سکون سے کہا تو وہ اسی جذباتی لہجے میں حقارت سے بولا

''قیمت جانتی ہونا اس کی، خود آ جاؤ، اسے لینے ۔اگر لے جا سکی تو لے جانا۔''

''قیمت کی بات بھی کرتے ہو تم اور سودے بازی نہیں کر رہے ہو۔'' نینا نے طنزیہ لہجے میں کہا

''جو مرضی سمجھو، میں تمہیں دیکھنا چاہوں گا۔اگر تم میں دم ہے، اگر تم واقعی گولی ہو، میرے بھیجے میں اُتر سکتی ہو تو لے جاؤ اُسے آج شام تک ۔ اگر تم میں ہمت ہے تو۔ورنہ میں اسے آج سورج غروب ہونے کے بعد مار دوں گا۔'' مٹھن خان نے اسی حقارت بھرے لہجے میں کہا

''میں نے تو سمجھا تھا، تم اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر کوئی ڈیل کر لو گے، مگر ایسا نہیں ہے۔خیر، مجھ میں ہمت ہوئی تو میں اُسے آج ہی سورج غروب ہونے سے پہلے نکال لوں گی وہاں سے۔'' اس نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہا

''میں انتظار کروں گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تو نینا نے فون بند کر دیا۔وہ چند لمحے تک خود کو سمیٹتی رہی، پھر ایک طویل سانس لے کر سوچنے لگی کہ وہ کیا کر سکتی ہے۔یہی سوچتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا کہ یہ تو پتہ چل گیا کہ شعیب اغوا ہو گیا ہے، لیکن ہوا کیسے ؟ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا؟

کیا اس کا سیل فون بھی اس کے دشمنوں کے ہاتھ لگ چکا ہے یا وہ کہیں دوسری جگہ ہے، کیا اس کا سیل فون دشمنوں کی دسترس سے دور ہے یا پھر ان کے ہاتھ لگ گیا ہے؟ یہ سیل فون بہت کام کا تھا۔ کیونکہ اگر وہ شعیب کے اس فون کا تجزیہ کروا لیتے تو بہت کچھ اُنہیں پتہ چل سکتا تھا۔ ساری تکنیک ان کے ہاتھ لگ سکتی تھی۔ پھر نینا کا پکڑا جانا بہت آسان تھا۔ اسی ایک بات نے اسے چونکا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ایک دم سے پریشان ہو گئی۔ کہیں مٹھن خان کا اعتماد اسی وجہ سے تو نہیں ہے؟ وہ مضطرب ہو گئی۔

وہ تیزی سے سوچ رہی تھی کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ یہی سوچتے ہوئے اچانک اسے یاد آیا۔ بلیو کیٹ کی مانند فون ہی کی دنیا میں موجود اس کی ایک سہیلی ذہن میں آ گئی۔ وہ بڑے دعوے کیا کرتی تھی۔ ایک بار اس نے کہا تھا اگر اسے کچھ ہو جائے، یا کوئی اسے اغوا کر لے، یا ایسی کوئی صورت حال بن جائے، جس میں اس کے اپنے کے بارے میں پتہ نہ چل رہا ہو تو اسے ایک کال کر کے صورت حال بتا دینا۔ پھر وہ جانے اور اس کا کام، وہ نمبر نینا نے اپنے ہر سیل فون میں محفوظ کر لیا ہوا تھا۔ نینا نے تیزی سے وہ نمبر تلاش کیا۔ کال کرنے سے پہلے چند لمحے سوچتی رہی، پھر کال کر دی۔ چند لمحے بیل بجتی رہی پھر اسی سہیلی نے فون پک کر لیا۔ چند لمحے باتیں کرتے رہنے کے بعد اسی سہیلی نے پوچھا

''ہاں بولو، آج بہت دنوں بعد یاد کیا تم نے اور وہ بھی بے وقت، خیر تو ہے نا؟''

''خیر ہی تو نہیں ہے۔ میں اس وقت ایک بہت بڑی گھمبیر صورت حال میں پھنسی ہوئی ہوں۔

''بولو، کیا بات ہے۔'' دوسری طرف سے سہیلی نے مشینی انداز میں کہا تو نینا نے شعیب کے لاپتہ ہونے کے بارے میں بتا دیا اور یہ معلومات بھی دے دی کہ وہ کہاں مل سکتا ہے۔ ساری بات سن کر دوسری طرف سے سہیلی نے کہا ''اوکے۔ رابطے میں رہنا، میں کال کرتی ہوں۔''

''کیا کرو گی؟'' نینا نے تیزی سے پوچھا

''یہ میرا کام ہے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ وہ کئی لمحات تک بند فون کو دیکھتی رہی۔

اچھا خاصا دن چڑھ آیا تھا۔ میڈم فاخرہ کا کوئی فون نہیں آیا تھا۔ شاید یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ نینا کو جب بھی شعیب کا خیال آتا، اس کے اندر دکھ کی لہریں یوں پھیل جاتی جیسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ تڑپ کر رہ جاتی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر روزینہ کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ ابھی تک اس نے فون کیوں نہیں کیا۔ ایک بار اس کے دل میں آیا کہ وہ خود فون کر کے پوچھ لے، مگر نمبر پش کر لینے کے باوجود اس نے خود کو روک لیا۔ اس کے پاس دو آپشن تھے۔ یا تو مومی باہر نکلتی یا پھر نہیں نکلتی۔ اگر وہ نکل ہی آتی تو اس کے پاس ایسا کون سا انتظام تھا جس کی وجہ سے وہ مومی کو اپنی دسترس میں کر پاتی۔ وہ اکیلی تو باہر نہیں نکلنے والی تھی۔ اس کے ساتھ سیکورٹی ہونا تھی۔ اسے ان سے زیادہ طاقت چاہئے تھی۔ وہ کافی دیر سوچتی رہی۔ تبھی اسے خیال آیا اسے بی بی صاحب سے بات کر لینی چاہئے۔ اگلے ہی لمحے اس نے کال ملا لی، چند بیل کے بعد ہی فون کال پک کر لی گئی۔ اس نے اب تک کی ساری بات بتا کر کہا

''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''

''لیکن اس میں یہ خیال رہے کہ وہ لڑکی ہے۔'' بی بی صاحب نے کہا تو وہ بولی

''میں خیال رکھوں گی۔''

''ٹھیک ہے، ابھی کچھ دیر بعد ایک بندہ تم سے رابطہ کرے گا۔ جیسے طاقت بھی چاہو، اس سے مل سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' نینا نے اطمینان سے کہا

''اور ہاں، پلاننگ سے یہ کام کرنا، اگر کر سکو تو، مجھے مطلع رکھنا، ہر حال میں۔'' بی بی صاحب نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اس وقت دوپہر ہو جانے والی تھی۔ جب روزینہ کا فون آ گیا۔ اس نے تیزی سے کال پک کی۔ وہ انتہائی خوف زدہ دھیمی آواز میں بتانے

لگی۔

’’ وہ ابھی اپنی ماں سے کہہ رہی تھی کہ اُسے اپنی کسی سہیلی کے گھر جانا ہے، وہاں پارٹی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ رات دیر سے آئے گی جبکہ ماں بہت کم وقت کے لئے اُسے جانے کی اجازت دینا چاہتی ہے۔ ‘‘

’’مطلب وہ باہر جائے گی۔‘‘ نینا نے یوں کہا جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔ اسکے اندر اس قدر سنسنی ہوئی تھی کہ اسے خود اپنی آواز میں لرزش محسوس ہوئی۔ پھر تیزی سے پوچھا’’ کہاں جانا ہے اس نے ؟‘‘

’’ یہی پتہ کرتے ہوئے دیر ہوگئی ہے۔ وہ میں بتا دیتی ہوں، وہ سہ پہر کے قریب نکلے گی۔‘‘ یہ کہہ کر وہ بتانے لگی کہ اس نے جانا کہاں ہے۔ جس قدر معلومات وہ لے سکتی تھی، اس نے لیں اور پھر فون بند کر دیا۔ اسے اب زندگی کا جوا کھیلنا تھا۔ اسے چند گھنٹے کا یہ وقت بہت طویل لگ رہا تھا۔

سہ پہر ہو چکی تھی۔ اس کا رابطہ ہو گیا تھا۔ کال کرنے والے شخص نے چند ایسے لوگوں کا بندوبست کر دیا تھا جو زندگی کی بازی لگا دینے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اس نے انہیں بتایا ہی نہیں کہ وہ کس لڑکی کو اغوا کرنے والے ہیں۔ جس جگہ مٹھن خان کی بیٹی مومی نے جانا تھا۔ اس کے آس پاس اس نے پورا نیٹ ورک بنا لیا ہوا تھا۔ اسے یہ بالکل پتہ نہیں تھا کہ مومی کے ساتھ سیکورٹی کتنی ہوگی۔ مگر یہ سب کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

جس وقت مومی فارم ہاؤس سے نکلی، اسے پتہ چل گیا۔ اس کے ساتھ سیکورٹی بھی اتنی ہی تھی، جس قدر معمول کے مطابق ہوتی تھی۔ ایک فور وہیل آگے، اس کے درمیان مومی کی کار اور اس کے پیچھے ایک کیبن وین تھی۔ وہ کل ملا کر دس کے قریب آدمی تھے اور سبھی مسلح تھے۔ جس وقت نینا عورت منزل سے نکلی، اس وقت تک اکیلی ہی تھی۔ مومی کے نکلنے کی اطلاع اسے ایک شاہراہ پر جاتے ہوئے ملی تھی۔ وہ فور وہیل میں تھی۔ اسے ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے پہنچنا تھا، جہاں سے اس نے دو لوگوں کو لینا تھا۔

نینا اس شاپنگ سینٹر کے سامنے پہنچ گئی۔ وہ دو لوگ بڑے اطمینان سے ٹہلتے ہوئے اس کے پاس آ گئے۔ ان میں سی ایک نے پوچھا

’’بڑا گولی کی طرح آئی ہو؟‘‘

’’گولی نے بھیجا ہے۔‘‘ نینا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

’’گولی تو نہیں دے رہی ہو؟‘‘ اسی نے پوچھا

’’وہ تو دی جا چکی۔‘‘ نینا نے سکون سے جواب دیا تو انہوں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور پچھلا گیٹ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ ان کے درمیان کورڈ ورڈ تھا۔ جو نینا نے ہی ان سے کہا تھا۔ وہی دو آدمی تھے، جنہوں نے سارا نیٹ ورک بنا لیا ہوا تھا۔ وہ راستے میں اسے سمجھاتے گئے کہ ان کی پلاننگ کیا ہے۔

وہ اس گھر کے بالکل پاس پہنچ گئے تھے، جہاں مومی نے آنا تھا۔ وہ شہر کا پوش علاقہ تھا۔ وہ چار کنال سے کم کوئی بھی گھر نہیں تھا۔ بڑی بڑی سڑکوں پر انتشار نہیں تھا۔ وہ ایک چوراہے کی نکڑ پر کھڑے ہو گئے۔ وہاں سے چاروں طرف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک شخص اپنے سارے لوگوں سے رابطہ کئے ہوئے تھا۔ انہی لمحات میں اسے اپنی سہیلی کی کال موصول ہوئی، جس نے شعیب کی رہائی کی ذمہ داری لی۔

’’ایک وفد اس وقت مٹھن خان کے گھر میں پہنچ گیا ہے۔ جس میں پولیس آفیسر، خفیہ اور صحافی ہیں۔ ابھی کچھ دیر بعد پتہ چل جائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔‘‘

’’ دیکھ لو، وہ اس معاملے میں کوئی سمجھوتہ اگر کر لے تو۔‘‘ نینا نے مایوسی سے کہا

’’ دیکھتے ہیں۔ کوئی اچھی خبر ہی ہوگی۔‘‘ سہیلی نے کہا اور فون بند کر دیا۔ جن لمحات میں وہ فون بند کر رہی تھی، اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ مومی کا

قافلہ آرہا تھا۔ وہ دونوں بھی دیکھ چکے تھے اور انہوں نے پورے نیٹ ورک کو الرٹ کر دیا تھا۔ چند لمحوں کا کھیل تھا۔

نینا نے ایک طویل سانس لی، اور گیئر لگا دیا۔ اس نے اچانک یوں سامنے بریک لگائے جیسے ان کا راستہ روکنا چاہ رہی ہو۔ سامنے سے گاڑیوں کے بریک چرچرائے۔ جیسے ہی پہلی فور وہیل رُکی، اس کے سن روف سے ایک بندہ گن لے کر نکل آیا۔ ایسا ہی پچھلی فور وہیل سے ہوا۔ ہر کھڑکی سے گن کی نال برآمد ہو گئی۔ اگلے چند لمحوں میں کئی گاڑیاں ان کے اردگرد آن رکی تھیں۔ مومی کے قافلے کو پتہ چل گیا تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے، ہر لمحہ قیمتی تھا۔ وہ کسی کو بھی اطلاع کر سکتے تھے۔ اس لئے اردگرد آجانے والی گاڑیاں رکی نہیں بلکہ ایک گاڑی مومی کی کار کے آگے اور ایک پیچھے گھس گئی۔ اسکے ساتھ انہوں نے بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی۔ مومی کے قافلے سے بھی اسی شدت سے فائرنگ ہونے لگی تھی۔ نینا نے اس فائرنگ کی پرواہ کئے بغیر اپنی فور وہیل بڑھائی اور سیدھی مومی کی کار کے پاس لے گئی فور وہیل رکتے ہی ایک بندے نے لوہے کا راڈ اٹھایا اور شیشے پر دے مارا اور کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پچھلی نشست پر ایک سہمی ہوئی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی لمحے نینا کی نگاہ ڈرائیور پر پڑی جو دروازہ توڑنے والے پر پسٹل تان چکا تھا۔ نینا نے تاک کر نشانہ لیا، ڈرائیور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ نینا نے مومی کا بازو پکڑا اور اسے گھسیٹ کر فور وہیل میں ڈال لیا۔ تب تک فور وہیل میں موجود شخص ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا، جیسے ہی مومی اندر آئی، اس نے فور وہیل بھگا دی۔ مومی تڑپ رہی تھی۔ لیکن نینا نے ایک زوردار تھپڑ اس کے مارا وہ ایک دم ٹھٹک کر لیٹ گئی۔ تب تک وہ چوراہا پار گئے تھے۔ نینا نے سب سے پہلے اس کا فون تلاش کرنے کی کوشش کی۔ جس اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ کہیں اس کے پرس ہی میں رہ گیا تھا۔ پیچھے والوں کو اطلاع ہو گئی تھی۔ اب انہوں نے وہاں سے نکلنا تھا۔ وہ کیسے نکلے، یہ بات وہ بہتر سمجھتے تھے۔

سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا، جب وہ شہر کے مضافات میں موجود ایک فارم ہاؤس تک جا پہنچے تھے۔ اس دوران پتہ چل گیا تھا کہ ان کے اپنے اور مومی کے قافلے والے شدید زخمی ہوئے تھے۔ ان میں ایک کی حالت نازک تھی۔ ڈرائیور مارا گیا تھا۔ ان کے اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہوا؟ اس بارے اسے نہیں بتایا گیا۔ فارم ہاؤس پہنچتے ہی اس نے بی بی صاحب کو فون کر کے بتانا چاہا تو اس کی سہیلی کی کال آئی ہوئی تھی۔ اس نے سہیلی کو فون نہیں کیا بلکہ بی بی صاحب کو بتا دیا کہ وہ ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکی ہے۔ بی بی صاحب کو بتانے کے بعد اس نے سہیلی کو فون کیا

''فون کال کیوں نہیں لی؟'' سہیلی نے پوچھا

''میں مصروف تھی۔ بتاؤ کیا بنا؟'' نینا نے پوچھا

''وہ نہیں مانا، کہہ رہا ہے کہ اس کے بیٹے کی قاتل دے دو تو یہ لے جاؤ'' اس نے سکون سے بتایا

''مجھے معلوم تھا کہ وہ تم لوگوں کے کہنے پر نہیں مانے گا۔ وہ سکون سے ماننے والوں میں سے ہے ہی نہیں۔ خیر۔! بہت شکریہ، تم میری مدد کی۔'' نینا نے غصے میں کہا

''سکون سے سمجھانے کا مطلب، ایک وارننگ تھی۔ آج رات وہاں آپریشن ہو جائے گا۔ وہ صبح سے پہلے تمہارے پاس ہوگا۔'' سہیلی نے بتایا

''میں سمجھی نہیں۔'' نینا نے تشویش سے کہا

''ہمارا مقصد یہی تھا کہ وہ اتنا مان جائے کہ شعیب اس کے پاس ہے۔ اب اسے ہم بازیاب کرائیں گے۔ ہم نے شعیب سے ملنے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے اجازت ہی نہیں دی۔ خیر۔! تم کل صبح میرا شکریہ ادا کرنا، یہ اب میرے لئے بھی چیلنج ہے۔'' سہیلی نے گہرے لہجے میں کہا

''ٹھیک ہے۔ میں رابطے میں رہوں گی۔'' نینا نے کہا اور کچھ سمجھتے ہوئے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا۔

مومی اس کے سامنے صوفے پر ڈھیر تھی۔ اس عمر یہی بیس پچیس کے قریب رہی ہوگی لیکن اس کا صحت مند بدن اسے اپنی عمر سے کہیں بڑا ظاہر کرتا تھا۔ گول چہرے پر شولڈر کٹ بال۔ موٹے نین نقش، جنہیں بنانے سنوارنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ گورا رنگ، بھاری سینہ، جین اور

لانگ شرٹ میں اس کا بدن پھنسا ہوا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے ۔وہ سہمی ہوئی خوف زدہ تھی۔ نینا اس کے قریب گئی اور اسے بالوں سے پکڑ کر بولی

''اگر میرے ساتھ تعاون کرو گی تو کچھ نہیں کہوں گی اور اگر اپنے باپ کی طرح بے غیرتی کی تو......''اس نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''مجھے یہاں کیوں لایا گیا؟''مومی نے ہمت کر کے پوچھا تو نینا بولی

''تیرے باپ کی وجہ سے، تیرا کوئی قصور نہیں ہے، میں......''وہ ایک دم سے چپ ہوگئی۔وہ اس سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی ۔نینا نے اپنا خاص فون نکالا اور اس پر نمبر پش کر کے مٹھن خان کو کال کر دی۔چند لمحوں بعد ہی اس نے کال پک کر لی تو نینا نے سیدھے ہی کہا

''شعیب کو چھوڑ رہو یا نہیں؟''

''لیکن جو تم نے کیا، وہ اچھا نہیں''،مٹھن خان نے ایسے لہجے میں کہا، جس سے وہ فوراً اس کا لہجہ نہ سمجھ سکی لیکن اتنا سمجھ گئی کہ وہ کہیں زیادہ شاک میں ہے۔

''تم نے اچھا کیا؟''نینا نے پوچھا

''مومی کو چھوڑ دو، میں شعیب کو چھوڑ دوں گا''اس نے دھیمے سے کہا

''یہ تو اب میری مرضی ہے کہ میں کیا کروں گی۔ابھی اور اسی وقت شعیب کو چھوڑ دو، اگلے پندرہ منٹ میں سورج غروب ہو جائے گا۔اور اس پہلے مجھے شعیب کی کال ملنی چاہئے کہ وہ آزاد ہے۔اس کے بعد میں کوئی فیصلہ کروں گی۔''نینا نے بپھرتے ہوئے کہا

''دیکھو۔!میرا صبر مت آزماؤ۔''

''بکواس نہیں، سالے صبر کے۔''نینا ایک دم سے پھٹ پڑی۔پھر سانس لے کر بولی،''تم نہیں جانتے، اگر سورج غروب ہونے سے پہلے مجھے شعیب کی کال نہ ملی تو میں کیا کر سکتی ہوں، اس کا تم تصور نہیں کر سکتے ہو۔بس چند منٹ ہیں تیرے پاس۔''یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

فون بند کر کے وہ خود پر قابو پاتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے، پھر کھڑکی کے قریب جا کر ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھنے لگی۔ڈوبتے ہوئے سورج کے ساتھ ہی شعیب کی رہائی تھی۔ایک ایک لمحہ بھاری ہو رہا تھا۔

پندرہ منٹ یونہی گزر گئے۔وہ فون ہاتھ میں لئے کھڑی رہی۔اس میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ مومی کی طرف سے غافل ہوگئی۔اگر اس کی جگہ وہ ہوتی تو ضرور مزاحمت کرتی لیکن مومی مٹی کے ڈھیر کی مانند وہی صوفے پر ڈھیر ہی رہی۔تبھی اس کا فون بج اٹھا۔وہ اجنبی نمبرز سے کال تھی۔نینا نے فون پک کیا تو بولنے والا شعیب ہی تھا۔

''میں اب آزاد ہوں، گھر جا رہا ہوں، یہ لوگ مجھے چھوڑنے جا رہے ہیں۔''اس کے لہجے میں جو کراہ تھی، اس سے نینا اندر تک تڑپ گئی۔اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کافی حد تک غصے میں بولی

'' تم خود کیوں نہیں چلے جاتے ہو۔ان سے گاڑی لو اور اکیلے نکلو۔''

''میں گاڑی نہیں چلا سکتا۔میں......بس چلا جاتا ہوں۔''اس نے کہا اور فون ہٹا دیا۔پھر فون بند ہو گیا۔

نینا کے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں۔اس قدر تشدد کیا ہے انہوں نے۔اس نے پلٹ کر مومی کی طرف دیکھا۔وہ اپنا غصہ اس پر نکال سکتی تھی ۔لیکن چاہتے ہوئے بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

سورج نکل آیا تھا۔نینا آدھی رات کے قریب اس فارم ہاؤس سے نکل کر شعیب کے اس دوست کے فارم ہاؤس جا پہنچی تھی جہاں وہ کبھی کبھی ملے کرتے تھے۔نکلنے سے پہلے اس نے مومی کو بے ہوش کر دیا تھا۔اس نے اسے کار میں ڈالا اور وہاں سے اکیلی ہی نکلی تھی۔اس نے باقی سب کو

چلے جانے کا کہا تھا۔وہ لوگ بہتر جانتے تھے کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔اس وقت وہ دوسری منزل کے ایک کمرے میں تھی۔آدھی رات کے بعد کہیں شعیب کی اپنے سیل فون سے کال آ گئی تھی۔اس کے بابا نے گھر میں ڈاکٹرز کو بلوا لیا تھا۔اس کا بڑا دل چاہا تھا کہ وہ اُڑ کر شعیب کے پاس چلی جائے لیکن نہ تو وہ اس کے پاس جا سکتی تھی اور نہ ہی وہ مومی کو اکیلا چھوڑ سکتی تھی۔اب اس کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہی مومی تھی۔وہ اسے واپس بھیجنا چاہتی تھی۔یہ بہت اچھا موقع تھا کہ وہ مٹھن خان کو سامنے آنے پر مجبور کر دیتی۔مگر نجانے کیوں اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔وہ ایک لڑکی کو ہتھیار نہیں بنانا چاہتی تھی۔اس کے دماغ نے بہت ساری دلیلیں دی تھیں۔

’’یہ کیا ہے،اب بھی تو تم نے اسے ہتھیار ہی بنایا ہے،یہ بھی لڑکی ہی کا استعمال کیا ہے تو نے۔‘‘ دماغ نے دلیل دی تھی

’’مگر یہ مجبوری تھی،اب ایسا کچھ نہیں ہے۔‘‘اس نے جواب دیا تو دماغ بولا

’’اب کیا اس نے تمہارے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں،معافی مانگ لی ہے؟‘‘

’’نہیں،اب حالات اور ہیں۔‘‘

’’ فرض کرو،اگر وہ شعیب کو نہ چھوڑتا،ضد پر اَڑ جاتا تب کیا پھر بھی تم مومی کو استعمال نہ کرتی ؟‘‘

’’وہ حالات دوسرے ہوتے۔‘‘اس نے زچ ہو کر کہا

اسی کشمکش میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔یہ تو طے تھا کہ مٹھن خان سے دشمنی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔وہ چاہے مومی کو چھوڑ دے یا پھر اسے ہمیشہ کی نیند سلا دے۔مومی جب ہوش میں آئی تو بہت دیر تک خوف زدہ رہی پھر ساری رات جاگتی رہی تھی۔صبح کے وقت اسے نیند آ گئی۔اس وقت وہ سوئی ہوئی تھی۔نینا کی آنکھوں سے نیند جیسے روٹھ گئی تھی۔وہ اٹھی اور اس نے کھڑکی کھول دی۔تازہ ہوا کے جھونکے نے اسے خوشگوار کر دیا۔اس نے سوچنا بند کر دیا تھا۔لیکن سوچیں کسی بچے کی طرح اپنا آپ منوانے لگی تھیں۔اسے بہت سارے فیصلے کرنا تھے،ایک ایک بندے کے بارے میں اسے سوچنا تھا۔اس نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگی۔

☆......☆......☆

زندگی میں سب سے مشکل وقت وہ ہوتا ہے جب کسی شے کی شدید خواہش ہو رہی ہو،وہ شے سامنے بھی ہو اور اسے حاصل نہ کر پا رہے ہوں۔نینا کے لئے وہ بڑا صبر آزما لمحات تھے۔ شعیب اس سے تھوڑے سے وقت کے فاصلے پر ہسپتال میں پڑا تھا۔لیکن وہ اس سے مل نہیں پا رہی تھی۔اس کا ایک بندہ اسی ہسپتال میں موجود تھا،جو تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی حالت کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔پتہ نہیں وہ کونسی قوت تھی جس کے بل بوتے پر شعیب تشدد ہو جانے کے باوجود ہوش میں تھا۔لیکن جیسے ہی وہ ہسپتال میں گیا،اس کی حالت بگڑنے لگی تھی۔دوپہر ہونے کو آ گئی تھی لیکن شعیب کے بارے میں کوئی اچھی خبر نہیں مل رہی تھی۔وہ شاید کوئی نہ کوئی راستہ نکال کر اس تک پہنچ جاتی لیکن اسے مومی کو سنبھال کر رکھنا تھا۔اسے مٹھن خان پر شدید غصہ آ رہا تھا۔اس نے ایک نگاہ بیڈ پر پڑی مومی کو دیکھا اور پھر اپنا غصہ کم کرنے کے لئے مٹھن خان کو فون کر دیا۔جیسے ہی اس نے مٹھن خان کی ہیلو سنی،تب اس نے دھاڑتے ہوئے کہا

’’اگر شعیب کو کچھ ہو گیا تو میں تم سے وہ انتقام لوں گی،جس کا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔‘‘

’’وہ صرف دکھاوے کے لئے ڈرامہ کر رہا ہے۔تاکہ زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں حاصل کر سکے۔تم اپنی کہو،اپنا وعدہ پورا کرو،اور چھوڑ دو مومی کو ۔‘‘

’’اس وقت نہیں چھوڑوں گی جب تک شعیب پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتا۔اور اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تیری بیٹی کو نہیں چھوڑوں گی۔اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قسطوں میں تمہیں بھیجوں گی۔یاد رکھنا۔‘‘

’’تم ایک کام کیوں نہیں کرتی ہو،ہم سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔جو بھی مانگو گی تمہیں ملے گا،صرف درمیان سے شعیب اور اس کے خاندان کو نکال دو

۔"اس نے مفاہمانہ لہجے میں کہا

"ایک یہی تو نہیں کر سکتی ہوں مٹھن خان۔ تیرا اور میرا سمجھوتہ ہی کیا؟ میں تمہیں تڑپا تڑپا کر مارنے والی ہوں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے نفرت سے کہا

"دیکھ لو، یہی وقت ہے سمجھوتے کا۔" اس نے پھر سکون سے کہا تو نینا دھاڑتے ہوئے بولی

"بس۔! بہت ہو چکا۔ مجھے وہ سب لوگ چاہئیں جنہوں نے شعیب پر تشدد کیا۔ چاہئے تیرے ہی حکم پر کیا۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ ہسپتال میں ہوں۔ ورنہ تیری بیٹی کے پاس چھ ایسے خونخوار بندے بیٹھائے ہوئے ہیں میں نے، تم سمجھتے ہو وہ کیا کر سکتے ہیں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتی۔" اس نے تیزی سے کہا

"مجھے روک بھی نہیں سکتے۔" یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ تبھی اس کی نگاہ مومی پر پڑی۔ وہ حیرت سے نینا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید اس کی آواز سے بیدار ہو گئی تھی۔ مومی چند لمحے اس کی طرف حیرت سے دیکھتی رہی پھر حیرانگی بھرے لہجے میں ہی اس نے پوچھا

"یہ بابا سے بات کر رہی تھی؟"

"ہاں۔! اسی سے، جسے مارنے کے لئے میں لمحہ لمحہ تڑپ رہی ہوں۔" اس نے یوں کہا جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔

"شعیب سے کیا تعلق ہے آپ کا؟" مومی نے پوچھا

"وہ میری محبت ہے لڑکی، ایک عورت ہونے کے ناطے تم جان سکتی ہو کہ میں اس کے لئے کیوں تڑپ رہی ہوں، جس پر تیرے باپ نے صرف میری وجہ سے اتنا تشدد کیا کہ وہ ہسپتال میں جان کنی کے عالم میں پڑا ہے۔" نینا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا جہاں کئی سوال تھے۔

"ہاں۔! میں سمجھ سکتی ہوں۔" مومی نے ہولے سے کہا پھر تیزی سے بولی، "آپ......گولی ہو؟"

"میں جو بھی ہوں، لیکن پہلے ایک عورت ہوں۔" نینا نے پھر یوں کہا جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ آپ نے یہ جھوٹ کیوں بولا کہ یہاں کچھ مرد ہیں اور......" وہ کہتے کہتے رُک گئی

"صرف تیرے باپ کو دھمکانے کے لئے۔" نینا نے کہا تو مومی تیزی سے بولی

"لیکن آپ نے تو مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔"

"نہیں، ضرورت ہی نہیں پڑی۔" یہ کہہ اس نے چند لمحے سوچا پھر مومی کی طرف دیکھ کر کہا، "چل اٹھ، میں تمہیں چھوڑ دوں، تم اپنے گھر چلی جانا۔"

"مگر میں نہیں جانا چاہتی۔" مومی نے حتمی لہجے میں کہا

"کیوں؟" نینا نے حیرت سے پوچھا

باقی آئندہ۔

"میں کچھ وقت تمہارے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" مومی نے اس قدر سکون سے کہا کہ نینا نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ وہ چند لمحے اسے حیرانگی میں دیکھتے رہنے کے بعد بولی

"حالانکہ تمہیں جلد از جلد مجھ سے چھٹکارا پا لینا چاہئے، میں نے تمہیں اغوا کیا ہے لڑکی، کوئی مہمان بنا کر نہیں لائی ہوں۔ کسی بھی وقت میرا دماغ خراب ہو سکتا ہے اور میں تجھے کسی......" نینا نے کہنا چاہا لیکن مومی اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولی

"قتل کر دو گی نا، تو کر دو۔ مجھے برہنہ کر کے کوئی وڈیو بنا لو گی، بنا لو، اس ویڈیو کو انٹرنیٹ پر وائرل کر دو گی، کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

''لڑکی تم شاید حالات کی نزاکت کو نہیں سمجھ رہی ہو یا پھر تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں تمہیں صرف عورت ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ رہی ہوں، ورنہ جو کچھ تیرے باپ اور بھائیوں نے عورت کے ساتھ کیا ہے وہ تیری سات پشتوں ست انتقام لینے کے بعد بھی بدلہ پورا نہ ہو۔'' نینا نے انتہائی غصے میں کہا تو مومی سکون سے بولی

''میں جانتی ہوں کہ میرے بھائی اور میرا باپ کیا کرتے رہے ہیں، یہی میں چاہتی ہوں کہ میں بھی اپنی مرضی کروں۔ مجھے بھی عیاشی کا اتنا ہی حق ہونا چاہئے۔ جتنا میرے باپ اور بھائیوں کو ہے۔ جو بھی لڑکا مجھے پسند آئے، میں اسے حاصل کرلوں۔''

''تو یہ خواہش اپنے باپ اور بھائی سے کہو، مجھے کیوں سنا رہی ہو، اپنی ماں سے کہو۔'' نینا نے کہا

''اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ حالات ایسے ہیں، جن کا سہارا لے کر میں اس خواہش کا اظہار کر سکتی ہوں۔'' مومی نے سکون سے کہا تو نینا اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے بولی

''تم پہیلیاں نہ ڈالو اور نہ مجھے تمہاری باتوں میں اُلجھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے عوض اپنے شعیب کی رہائی چاہی ہے۔ وہ رہا ہو گیا ہے۔ اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔''

''مگر مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی

''میری ضرورت، وہ کیسے؟'' نینا نے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا

''دیکھو، تم میری بات مانو یا نہ مانو لیکن میری بات سن لینا'' اس نے کہا، جس پر نینا خاموش رہی تب وہ کہتی چلی گئی، '' جس طرح تم اپنے شعیب کے لئے اتنا کچھ کر گذری ہو، میں بھی اپنے بہزاد کے لئے اب جاں سے گذر جانا چاہتی ہوں۔ تم کہہ سکتی ہو کہ پہلے کیوں نہیں اب کیوں، تو یہ جان لو کہ یہ حوصلہ مجھے تم سے ملا ہے۔ میں جس ماحول میں رہتی رہی ہوں، وہاں عورت کو انسان سمجھا ہی نہیں جاتا۔ یوں جیسے وہ جانور ہوں، ان کی کوئی خواہش ہی نہ ہو، کوئی جذبہ نہیں ہے ان کے اندر۔ میں بہزاد سے محبت کرتی ہوں، لیکن محض اس لئے اپنی پسند کا اظہار نہیں کر پائی کہ میں عورت ہوں؟ ''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے لڑکی، میں تمہیں آزاد کر رہی ہوں، تم جاؤ اپنی دنیا میں اور لڑو یا مرو جو مرضی کرو۔'' نینا نے اکتاتے ہوئے کہا

''مگر میں نہیں جاؤں گی۔ یہ پسٹل پکڑو اور مجھے مار دو۔'' یہ کہتے ہوئے مومی نے صوفے کے نیچے سے پسٹل نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا تو نینا ایک دم سے سٹپٹا گئی۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ مومی یوں پسٹل اس کی طرف بڑھا دے گی۔ وہ یہی پسٹل اس پر تان سکتی تھی۔ اسی پسٹل سے نینا کو یرغمال بنا سکتی تھی۔ یہ بعد کی بات تھی کہ وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکتی تھی یا نہیں۔ وہ مومی کی ہتھیلی پر پڑے ہوئے اس پسٹل کو دیکھ رہی تھی جو اس نے خود ہی صوفے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ یہ اعصاب کو شل کر دینے والے لمحات تھے۔ مومی کے اس طرز عمل سے کچھ دوسرا سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن یہ ضرور پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنی بات میں مخلص ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔ وہ چاہتی بھی وہی ہے جو کہہ رہی ہے۔ تبھی نینا نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا

''اس کی ضرورت نہیں ہے، وہیں رکھ دو، خالی ہے۔''

''تو گولیاں بھر لو اس میں۔'' مومی نے یوں کہا جیسے کوئی بچکانہ حرکت کرتا ہے۔

''اسے وہیں رکھو اور میری بات غور سے سنو۔'' یہ کہہ کر وہ انتظار کرنے لگی کہ مومی کیا کرتی ہے۔ مومی چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نیا اس نے واپس وہیں پسٹل رکھ دیا، جہاں سے لیا تھا۔ تب نینا اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی

''بتاؤ، میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔''

’’میں بہزاد کو ٹوٹ کر چاہتی ہوں، وہ کوئی امیر زادہ نہیں ہے، مڈل کلاس فیملی کا ایک عام سالڑکا ہے دنیا کی نگاہ میں۔اس کا باپ اسی شہر میں چھوٹا سا بزنس کرتا ہے۔میں اور وہ یونیورسٹی میں پڑھتے رہے ہیں، حالانکہ میں بہت کم جاتی تھی، مگر اسی کے لئے جاتی تھی۔وہ میرے قریب اس لئے نہیں ہوا کہ میرے بھائی اور میرا باپ اسے مار دیں گے۔‘‘

’’جب اس میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ تم سے اظہار محبت ہی کر سکے تو پھر تم اس کی طرف کیوں......‘‘ نینا نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی

’’وہ بھی مجھے چاہتا ہے۔ہماری بات ہوتی ہے۔میں اس ملتی ہوں، وہ بھی مجھے ملتا ہے۔ایسے ہی کسی تقریب میں، کل بھی اسے ملنا تھا۔لیکن نہیں مل پائی۔‘‘ مومی نے افسردگی سے کہا......

’’اوکے، کیا وہ تمہارے لئے اپنی جان دے دے گا۔‘‘ نینا نے لبوں میں ہنستے ہوئے پوچھا

’’میں کیوں اس کی جان لوں گی۔میں تو اس کے ساتھ بسنا چاہتی ہوں۔‘‘ مومی نے کہا

’’بے وقوف، جب تم اس کے ساتھ رہو گی تو کیا تمہارا باپ اسے معاف کر دے گا۔نہیں وہ تو اسے کبھی بھی زندہ نہیں چھوڑے گا، ویسے بھی جب اسے پتہ چل گیا کہ تمہارا اور اس کا کوئی تعلق ہے، وہ تو گیا اس دنیا سے۔‘‘ نینا نے سمجھاتے ہوئے کہا

’’کچھ بھی کرو، لیکن مجھے اس سے ملا دو، اتنا وقت دے دو کہ ہم یہاں سے نکل کر کہیں دور چلے جائیں، پھر ہم سامنے ہی نہیں آئیں گے، مجھے میرے باپ کی دنیا سے کچھ نہیں لینا دینا، مجھے بہزاد چاہئے۔‘‘ مومی ضدی بھرے لہجے میں کہا

’’اوکے اس کا سیل نمبر ہے تمہارے پاس تو مجھے دو۔میں دیکھتی ہوں، کیا کرنا ہے۔‘‘ نینا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو مومی ایک دم سے خوش ہو گئی۔اس نے جلدی سے سیل نمبر بتا دیا۔نینا نے اسے آرام کرنے کا کہا اور وہاں سے ہٹ گئی۔

اس کے سامنے ایک ایسی صورت حال آچکی تھی، جس سے وہ بہت حد تک فائدہ اٹھا سکتی تھی۔لیکن یہ وقت ایسا تھا، جب اسے سوائے شعیب کے کچھ دوسرا نہیں سوجھ رہا تھا۔اسے نجانے کیا ہوا تھا، وہ ہوش میں نہیں آرہا تھا۔جب تک شعیب کے بارے میں اسے کوئی اچھی خبر نہیں مل جاتی تھی اس وقت تک اسے یونہی لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے ہوش وحواس کھو چکی ہے۔اس نے یہی سوچا تھا کہ شعیب کی رہائی کے بعد مومی کو واپس کر دے گی۔ایسا وہ صرف اسی لئے چاہ رہی تھی کہ مومی ایک عورت ہے۔اگر وہ ہی عورت کی تذلیل کرے گی تو اپنے ضمیر کے سامنے کیا جواب دے گی۔یہاں وہی اس کے گلے کا ہار بن گئی تھی۔کیا وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھائے یا پھر مومی کو واپس بھیج دے، جیسا اس نے سوچا تھا، یا پھر مٹھن خان کی بیٹی کو ذلیل کر کے رکھ دے؟ وہ سوچنا چاہ رہی تھی لیکن کوئی جواب بھی اس کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔اس وقت شعیب ہوتا تو کوئی مشورہ ہی دے دیتا۔وہ سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

شام ہو چکی تھی۔نینا فارم ہاؤس کے کاریڈور میں کھڑی تھی۔اس سے کافی فاصلے پر ایک سیاہ کار آ کر رک گئی تھی۔اس میں سے پہلے دو افراد نکلے، پھر ایک لمبے سے نوجوان کو لئے ایک آدمی باہر نکلا۔نوجوان کی آنکھوں پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔آنے والے لوگ نینا کو کاریڈور میں کھڑا دیکھ چکے تھے۔وہ اس کی طرف آنے لگے۔تبھی نینا نے انہیں وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔وہ رُک گئے۔اس نے ایک آدمی کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔وہ اس کی طرف آنے لگا۔اس دوران نینا نے اس نوجوان کو دیکھا، مومی کی پسند واقعی ہی بہت اچھی تھی۔ بہزاد گورا چٹا، ہینڈسم لڑکا تھا۔اچھا قد کاٹھ مضبوط بدن کا مالک تھا۔کوئی بھی لڑکی اس پر فریفتہ ہو سکتی تھی۔وہ آدمی اس کے قریب آ گیا تو وہ بولی

’’اسے اوپر کمرے میں لے جاؤ۔تم سب وہیں رہو گے، میرے ساتھ رابطے میں رہنا، جیسے ہی کہوں اسے وہاں سے نکال لانا۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ اس بندے نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور واپس مڑ گیا۔ نینا بھی مڑی اور اس خاص کمرے کی سمت بڑھ گئی، جہاں سے سبھی کمروں میں دیکھا جا سکتا تھا۔ہر کمرے میں کیمرہ لگا ہوا تھا۔کمپیوٹر اسکرین پر وہ کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔نینا اس منظر کو دیکھتے ہوئے ایک

کرسی پر جابیٹھی۔سامنے اسکرین پر مومی بیڈ پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔کچھ ہی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور بہزاد اندر داخل ہوا۔ مومی کی نگاہ جیسے ہی بہزاد پر پڑی تو وہ والہانہ اس کی جانب بڑھی۔وہ دونوں یوں ملے جیسے صدیوں سے بچھڑے ہوئے ہوں۔چند لمحے الگ ہونے کے بعد وہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئے۔ان کی باتیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔دس منٹ سے زیادہ نہیں گزرے ہوں گے۔وہ دونوں ایک دم سے اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔اسی وقت وہاں باہر موجود بندے کا فون آ گیا۔نینا نے فون کال رسیو کی تو اس نے بتایا

''وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، انہیں کمرے ہی میں بٹھاؤ، میں آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی۔دونوں واپس کمرے میں آ گئے تھے۔چند منٹ بعد وہ ان کے پاس ایک کرسی پر جا بیٹھی۔

''بولو، کیا بات ہے؟''نینا نے پوچھا تو بہزاد بولا

''مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی، آپ مٹھن خان کی دشمن ہو اور ہمیں یہاں سے بھاگ جانے کا موقعہ دے رہی ہو۔ ہم ساری زندگی تو نہیں بھاگ سکتے؟''

''میں تم لوگوں کو نہیں بھگا رہی، یہ مومی کی خواہش ہے۔میری طرف سے تم لوگ جہاں جانا چاہو جاؤ، اسے اس کے گھر چھوڑ دو یا کہیں لے جاؤ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔باقی رہی میری اور مٹھن خان کی دشمنی، دل تو کرتا ہے کہ اس کی نسل سے بچی اس لڑکی کو بھی مار دوں، مگر میں یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ میں عورت کا احترام کرتی ہوں۔''نینا نے اس تفصیل سے بتا دیا تو وہ چند لمحے سوچ کر جھجکتے ہوئے بولا

''اس میں سارا نقصان تو میرا ہے نا، اب تک مٹھن خان کو ہمارے بارے میں نہیں معلوم، اسے پتہ چل جائے گا، وہ تو مجھے نہیں چھوڑے گا۔ میرا خاندان تباہ کر دے گا۔''

''یہ تم جانو اور مومی جانے، اب نکلو یہاں سے، مجھے اور بہت سارے کام کرنے ہیں۔''نینا نے حتمی لہجے میں کہا تو بہزاد گھبرا گیا۔

''میں لے جاتی ہوں تمہیں، ہم ایک......'' مومی نے کہنا چاہا تو بہزاد نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا

''تم نہیں جانتی ہو، کیا ہو سکتا ہے۔مجھے اپنی جان کی پروا نہیں لیکن میری وجہ سے میرے والدین ذلیل و خوار ہوں، یہ میں نہیں چاہتا۔تمہیں واپس جانا ہو گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''مومی حیرت سے بولی تو بہزاد انتہائی جذباتی انداز میں گویا ہوا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔یہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا باپ تمہیں تو اپنے ساتھ لے جائے گا اور میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کے لئے اس کے پاس یہی جواز کافی ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔میرا خاندان مقابلہ نہیں کر سکتا۔میرے باپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میرے بارے میں ایسا پتہ چلے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو، مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؟''مومی پریشان ہوتے ہوئے بولی

''اس میں نہ سمجھ آنے والی کوئی بات نہیں ہے۔''اس نے سکون سے جواب دیا

''ہم جب واپس جائیں گے ہی نہیں، انہیں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ ہم کہاں پر ہیں تو پکڑے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''مومی نے دلیل دی

''کہاں جائیں گے ہم، کہاں بھاگتے پھریں گے۔ایک دن وہ ہمیں تلاش کر لیں گے۔''بہزاد نے سمجھاتے ہوئے کہا

''یہی تو تم غلط سوچ رہے ہو، وہ ہمیں تلاش ہی نہیں کریں گے۔نینا انہیں بتا دے گی کہ اس نے مومی کو قتل کر دیا ہے۔''اس نے بڑی سادگی سے کہہ دیا تو وہ سر مارتے ہوئے بولا

’’یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا،’’آپ سمجھائیں اِسے۔‘‘

’’مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کرنا کیا ہے۔تم لوگوں کے پاس اتنا ہی وقت ہے جب تک تم لوگ کچھ طے نہیں کر لیتے ہو۔‘‘ نینا نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے دلچسپی سے کہا کیونکہ وہ ان دونوں کے چہرے کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ان کے چہرے بہت کچھ بتا رہے تھے۔

’’آپ میری پوزیشن سمجھ سکتی ہیں۔‘‘ بہزاد نے دھیمے سے لہجے میں کہا اور سر جھکا لیا۔ان کے درمیان خاموشی چھا گئی،تب نینا نے کہا

’’دیکھو، میں مٹھن خان سے بات کرتی ہوں۔اس کا ردعمل کیا ہے، یہ تم دونوں سن لینا،اس کے بعد کوئی بھی فیصلہ کر لینا۔ٹھیک ہے؟‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا تو اس نے اپنا سیل فون نکال کر کال ملائی، چند لمحوں ہی میں اس نے کال پک کر لی۔اس نے اسپیکر آن کرتے ہوئے غصے میں اس نے دانت پیستے ہوئےکہا

’’تم نے میری بات نہیں مانی نا، وہ بندے ہسپتال نہیں بھیجے جنہوں نے شعیب پر تشدد کیا تھا۔‘‘

’’دیکھو، میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ہم سمجھوتہ کر لیتے ہیں، بندے میرے پاس ہیں، تم انہیں جو چاہو سزا دے لو،مگر میری بیٹی کو چھوڑ دو۔تم جو کہو میں کرنے کے لئے تیار ہوں۔‘‘ اس نے مفاہمانہ لہجے میں کہا

’’اپنا آپ مجھے دے سکتے ہو تا کہ میں تمہیں تڑپا تڑپا کر مار سکوں۔‘‘ نینا نے غراتے ہوئے کہا

’’دیکھو، میں سب کچھ چھوڑ کر اس ملک ہی سے باہر چلا جاؤں گا۔ یہاں رہوں گا ہی نہیں۔پورا خاندان لے جاؤں گا۔اس کے بعد تو......‘‘ اس نے کہنا چاہا لیکن نینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے انتہائی نفرت سے کہا۔

’’مگر میری بات تو پوری نہیں ہو گی، میں نے تمہیں مارنا ہے، ہر حال میں مارنا ہے۔‘‘

اس دوران نینا اس انداز سے مومی کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی کہ اسے پتہ نہ چلے۔مومی کا چہرہ سپاٹ تھا، جہاں کسی قسم کا بھی کوئی جذبہ نہیں تھا۔اسی انداز پر نینا کے دماغ میں شک کی ایک لہر دوڑ گئی۔تبھی مٹھن خان کی آواز ابھری

’’اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے مجھے قابو کر لیا ہے، جو چاہو منوا سکتی ہو لیکن اپنا فائدہ سوچو اور سب ختم کر دو۔تمہیں جس نے بھی......‘‘ اس نے کہنا چاہا لیکن نینا نے بات کاٹتے ہوئے کہا

’’تو بس ٹھیک ہے، میں نے جو کہا تھا، وہ بات تم نے نہیں مانی۔ میں اب وہ پورا کرتی ہوں، میں نے کہا ہے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا۔جیسے ہی اس نے فون بند کیا، مومی تیزی سے پوچھا

’’تم نے میری اور اس کی بات ہی نہیں کی؟‘‘

’’میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔لیکن مجھے پہلے بہزاد کے باپ سے بات کرنا ہو گی۔‘‘ نینا نے کہا

’’ان سے کیوں، وہ تو ناں ہی کہیں گے نا۔‘‘ مومی نے جواب دیا تو نینا نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بہزاد کو مخاطب کر کے کہا

’’تم آؤ میرے ساتھ۔‘‘

’’اسے کہاں لے جا رہی ہیں۔‘‘ مومی نے پوچھا

’’بتاتی ہوں، تم تیاری کرو، آج رات ہونے سے پہلے میں تم دونوں کو یہاں سے نکال دوں گی۔‘‘ نینا نے کہا اور بہزاد کی طرف دیکھا، وہ اٹھ گیا۔ نینا باہر چلی گئی۔

کمرے سے باہر اس کے آدمی کھڑے تھے۔ بہزاد باہر نکل گیا تو نینا نے اپنے خاص آدمی سے دھیمے لہجے میں کہا

’’اس لڑکی پر پوری نگاہ رکھنا، مشکوک ہے۔‘‘

اس کی بات سن کر خاص آدمی نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے سر ہلا دیا۔تب نینا نے آگے بڑھتے ہوئے دو بندوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ

کیااور آگے بڑھ گئی۔

بہزاد چند قدم آگے تھا۔ نینا نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور چلتی چلی گئی۔ نچلی منزل کے ایک کمرے میں آ کر دو بندوں کو باہر ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور بہزاد کو ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے باہر چلی گئی۔

''تم دونوں خیال رکھنا، جیسے ہی بلاؤں اندر آ جانا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک نے کہا تو وہ واپس اندر چلی گئی۔ بہزاد صوفے پر بیٹھا ہوا تھا وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی

''جو پوچھو، سچ سچ بتا دینا، مجھے کسی مشکل میں مت ڈالنا اور نہ خود کسی مشکل میں پڑنا۔''

''پوچھیں۔'' وہ اختصار سے بولا

''کیا پلان لے کر آئے ہو؟'' اس نے بہزاد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''میرا کوئی پلان نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے میں مومی سے محبت کرتا ہوں لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ وہ مٹھن خان کی بیٹی ہے تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ مجھے اس سے شادی کر کے اپنے خاندان کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا'' اس نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو نینا نے کہا

''جو درست بات ہے وہ کہو، جھوٹ مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' اس نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا

''جو کہہ رہی ہوں تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو۔'' نینا نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو وہ سنبھل کر بولا

''میں بھی نہیں سمجھا۔''

''میں سمجھاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے باہر کھڑے بندوں کو آواز دی۔ وہ آواز کی بازگشت میں اندر آ گئے۔ تبھی نینا نے بہزاد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا، ''اس کے سارے کپڑے اُتار دو۔''

یہ سننا تھا کہ وہ دونوں آدمی اس کی طرف بڑھے۔ اس سے پہلے کہ وہ بہزاد کو پکڑتے، وہ صوفے پر سے اسپرنگ کی مانند اچھلا اور ان دونوں کو لیتا ہوا قالین پر آ گرا۔ پھر بجلی کی سی سرعت سے اس نے ایک بندے کے پسٹل پر ہاتھ ڈالا اور اس سے پسٹل چھین کر اچھلا اور چند دم کے فاصلے پر پسٹل تان کر انہیں کور کرتے ہوئے بولا

''بس گولی، اب تمہارا کھیل ختم ہو گیا۔ تم ابھی اور اسی وقت مجھے گولی مار بھی دو گی تو پھر بھی تمہارا کھیل ختم، اب تک تیری یہ محفوظ پناہ گاہ، تیرے لئے چوہے دان ثابت ہونے والی ہے۔'

''اچھا، مجھے نہیں پتہ تھا۔ ویسے مومی تو بہت چالاک نکلی، اور تم اسے بھی زیادہ نڈر اور بہادر۔ اچھا لگا مجھے۔'' نینا نے کہا تو بہزاد ہنستے ہوئے بولا

''کیا تم ہی اس دنیا میں عقل کل ہو۔ تھوڑی دیر بعد دنیا دیکھے گی کہ گولی کون تھی، جو ایک چوہیا کہ طرح مر گئی۔ چلو نکلو باہر۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پسٹل کی نال سے اسے باہر کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں بندے زمین پر پڑے تھے۔ ایک کے پاس پسٹل ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر پڑا تھا۔ دوسرے بندے کا پسٹل بہزاد کے ہاتھ میں تھا۔ نینا اپنا پسٹل نکال نہیں سکتی تھی۔ نینا کی ساری توجہ اس پر تھی۔ تبھی وہ سکون سے مڑ گئی۔ اس نے باہر جانے کے لئے جیسے ہی قدم بڑھایا، بہزاد نے قالین پر پڑے بندے پر فائر کرنا چاہا، اس نے پسٹل کی نال موڑی ہی تھی کہ نینا اسی لمحے کے انتظار میں تھی۔ وہ اڑتی ہوئی بہزاد پر جا پڑی۔ فائر نجانے کہاں لگا تھا، لیکن فائر کی گونج میں بہزاد قالین پر تھا اور نینا اس کے اوپر تھی۔ پسٹل والا ہاتھ نینا نے پکڑا ہوا تھا اور اسے وہ زور زور سے جھٹک رہی تھی۔ قالین پر پڑے دونوں بندوں کو جیسے ہوش آ گیا تھا۔ وہ سرعت سے اٹھے اور اس پر پل پڑے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں دونوں نے اس سے پسٹل چھین لیا اور اسے رگیدنے لگے۔ لیکن نینا نے اس پر زیادہ وقت ضائع نہیں کرنے

دیا۔

''اسے چھوڑ واوراس لڑکی کو لے کرفوراً نکلو۔ یہاں کوئی بھی نہ رہے،فوراً نکلو'' اس نے تیزی سے حکم دیا۔ان بندوں نے بہزاد کو وہیں چھوڑا اور باہر کی جانب چلے گئے۔ تبھی نینا آگے بڑھی اوراسے اٹھاتے ہوئے بولی

''اب میں اکیلی ہوں، اگر ہمت ہے تو مجھے زیر کرلو۔ تاکہ تمہارے دل میں کوئی حسرت نہ رہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے جھٹکا دیااور ساتھ ہیں ایک ٹھوکراس کے پہلو میں ماری۔ وہ برداشت کر گیا۔وہ ذراسا دہرا ہوااوراس نے اپنا باز و گھما کر نینا کی گردن پر مارا۔وہ لڑکھڑا گئی۔تبھی وہ اس پر حاوی ہو گیا۔اس نے نینا کی گردن کو اپنی بغل میں دبایااور پوری قوت سے پنچ اس کے سر پر مارا، نینا بے بس سے ہوگئی۔اس نے دوسرا پنچ اس کی پشت پر مارا۔تبھی نینا نے اسے کمر سے پکڑ کر اٹھالیا۔اور پھر پوری قوت سے قالین پر دے مارا۔پھر پوری قوت سے ٹھوکراس کے سر پر ماری۔دوسری اس نے سینے پر ماری۔وہ اُوخ کی آواز کے ساتھ سینہ پکڑ کر بیٹھ گیا۔نینا نے اس بار اسے موقعہ نہیں دیا تھا۔اسے سر کے بالوں سے پکڑااوراپنا گھٹنااس کے سینے پر مارا، بہزاد کا سانس بند ہونے لگا۔مگر نینا نے بس نہیں کی۔اس کی جب آنکھیں باہر آنے لگیں تو نینا نے چڑھی سانسوں میں کہا

''مٹھن خان نے تجھے مرنے کو یہاں بھیج دیا۔کوئی کمانڈو بھیجنا ہی تھا تو اتنا بے وقوف بھیجا۔''

''مم.....مگر.....تم اب......بچو گی نہیں۔'' اس نے کہا

''دیکھتی ہوں۔'' یہ کہہ کراس نے پھر سے اس کے سینے پر گھٹنا مارا تو وہ دہرا ہوتا چلا گیا۔پھراس کے بالوں کر جھٹکتے ہوئے بولی

''اب بتا پلان کیا ہے؟ کہاں چھپائی ہوئی ہے تم نے ڈیوائس ،صرف دس سیکنڈ ہیں تیرے پاس۔'' نینا نے یہ کہتے ہوئے اس کا سر قالین سے لگا دیا۔لفظ ابھی نینا کے منہ ہی میں تھے کہ بہزاد نے اس کے پاؤں پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچ لئے۔ جھٹکا لگنے سے نینا اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی وہ لڑکھڑائی تو بہزاد نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے سارا وزن اسی پر دال ڈیا۔نینا بھی قالین پر گر گئی۔تبھی بہزاداس پر چھا گیا۔وہ اس کے سینے پر سوار ہو گیااوراس نے پوری قوت سے ایک گھونسہ اس کی گردن پر دے مارا تھا۔اس نے پے در پے گھونسے مارنے شروع کر دیئے ۔نینا بے حواس سی ہوگئی تو وہ ہزیانی لہجے میں کہتا چلا گیا

'' بتاؤں تجھے کہاں ہے ڈیوائس،سالی گولی بنی پھرتی ہے۔شاید کسی مرد کا ہاتھ نہیں لگا اسے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے نینا کا گلا دبانا شروع کر دیا۔انہی لمحات میں اس نے پوری قوت سے ٹھوکراس کی ٹانگوں کے درمیان ماری۔اس کے ہاتھوں کی گرفت ذراسی کمزور ہوئی تو وہ تڑپ کر ایک طرف ہوگئی۔بہزاد اپنی ہی جونک میں آگے گرا تو نینا اس پر سوار ہو گئی،اس نے پوری قوت سے اس کی گدی میں گھونسہ مارا تو وہ زمین بوس ہو گیا۔تبھی نینا نے اس کی کنپٹی پر پنچ مارا تو وہ تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگا۔وہ اُٹھ گئی۔اس قریب ہی میز پر پتھر کا گلدان دکھائی دیا۔اس نے وہ اٹھایااوراس کی پسلیوں میں مارا، بہزاد کی چیخ نکل گئی۔

''تجھے اب تک کسی وحشی عورت سے پالا نہیں پڑا، تیرا جیسا بے غیرت مرد جس کے ہاتھ لگ جائے،اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔بھاگ سکتا ہے تو بھاگ......'' آخری لفظ کہتے ہوئے اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ بہزاد نے اٹھنے کی کوشش کی، ذراسا اٹھا پھر گر گیا، نینا نے اس کے ٹھوکر ماری۔وہ بلبلاتا ہوا اٹھ گیا۔وہ دروازے کی جانب بڑھا، کاریڈور میں آیا تو کافی سارے لوگ وہاں جمع تھے،ان کے ساتھ موی بھی کھڑی تھی۔جیسے ہی اس کی نگاہ بہزاد پر پڑی اس کا رنگ پیلا ہونا شروع ہو گیا۔نینا نے اس کی طرف نہیں بلکہ اپنے ایک آدمی کی طرف دیکھا تو وہ تیزی سے بولا

''سب آگئے ہیں کوئی نہیں بچا تو نہیں یہاں اس فارم ہاؤس میں؟'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کا فون بج اٹھا اس نے کال رسیو کی تو دوسری طرف اس کا ایک انفارمر تھا

’’میڈم ۔! جتنی جلدی ہو سکے نکل جائیں، پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ بہت سارے لوگ فارم ہاؤس کے قریب پہنچ رہے ہیں، چند منٹ ہیں آپ کے پاس۔‘‘

یہ سنتے ہی اس نے پسٹل نکالا اور بہزاد کے ماتھے پر رکھ دیا۔ تبھی مومی نے ہزیانی انداز میں کہا،

’’نہیں،نہیں خدا کے لئے اسے مت مارو۔ اسے میں نے بلایا تھا، یہ مجھے بچانے آیا تھا۔‘‘

’’بچانے کے لئے بلایا تھا، یا مجھے پکڑانے کا ناٹک کر رہی تھی۔ سانپ کا بچہ سنپولیا ہی ہوتا ہے ابھی دیکھتی ہوں تجھے۔‘‘ نینا نے کہا اور فائر کر دیا۔ ایک لمحے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ بہزاد زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ مومی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تبھی نینا نے اپنے خاص آدمی سے کہا

’’پولیس چند منٹ میں پہنچنے والی ہے۔ اسے کسی کار میں لے جا کر دور کہیں پھینک دینا۔‘‘

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھی، اس نے مومی کا ہاتھ پکڑا تو وہ مزاحمت کرنے لگی۔ نینا نے اسے گردن سے پکڑ کر دھکا دیا، وہ لڑکھڑاتی ہوئی آگے کی طرف چل پڑی۔ نینا نے اسے فور وہیل میں جا بیٹھایا۔ وہاں گاڑیاں زیادہ نہیں تھیں۔ باقی لوگ بھی بیٹھے تو اس نے ڈرائیور کو کھیتوں کی طرف سے چلنے کا کہا۔ کیونکہ عام راستے سے کہیں بھی پولیس سے سامنا ہو سکتا تھا۔ وہ ٹکراؤ سے بچنا چاہتی تھی۔

وہ کھیتوں کے درمیان سے بنی کچی سڑک پر سے گذرتے چلے جا رہے تھے۔ نینا تیزی سے سوچ رہی تھی۔ یہاں سے نکلنا اور وہ بھی مومی کے ساتھ بہت مشکل تھا۔ اگر اس علاقے کا گھیراؤ ہو گیا تو اتنے سارے لوگوں کے ساتھ نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔ اگر وہ دونوں ساتھ نہیں ہوں گی تو یہ سب لوگ آسانی سے نکل سکتے ہیں۔ تبھی اچانک اس کی نگاہ گنّے کے ایک بڑے سارے کھیت پر پڑی۔ اس کے دماغ میں آ گیا کہ کیا کرنا ہے۔ اس نے اسی لمحے ڈرائیور کو رُکنے کا کہا۔ اس نے فور وہیل روک دی۔

’’تم لوگ نکل جاؤ، کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچتے ہی اطلاع کرنا، پھر آگے جو کرنا ہے۔ وہ بتاتی ہوں۔‘‘

’’میڈم ہم اگلے موڑ سے الگ الگ ہو جائیں گے۔‘‘ ایک آدمی نے کہا

’’نہیں، پولیس جانتی ہے کہ ہم کہاں ہے، انہوں نے اس علاقے کو گھیر لیا ہو گا۔ مومی سب سے بڑی نشانی ہے، تم لوگ میری بات کو سمجھو۔‘‘ اس نے تیزی سے کہا اور مومی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نیچے اُترنے لگی۔

’’نہیں مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔‘‘ مومی نے خوف زدہ سے لہجے میں کہا۔ وہ نجانے کیا سمجھ رہی تھی، اس لئے اُترنا نہیں چاہ رہی تھی۔

’’او نیچے اُتر، سانپ کے بچے کو دودھ نہیں پلاتے۔‘‘ نینا نے کہا اور اس کی گردن سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ وہ گھسٹتی ہوئی نیچے آ گئی۔ جیسے ہی وہ نیچے آئی ڈرائیور نے فور وہیل بڑھا دی۔

’’چلو آگے بڑھو۔‘‘ نینا نے اسے آگے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا

’’تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟‘‘ مومی نے لرزتے ہوئے لہجے کے ساتھ پوچھا

’’وہی جو تم میرے ساتھ کرنا چاہ رہی تھی۔‘‘ نینا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ لرزتے ہوئے بولی

’’مجھے معاف کر دو۔‘‘ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تو نینا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چل دی۔ وہ تقریباً گھسٹتی ہوئی اس کے ساتھ چل دی۔ گنّے کے کھیت تک ان میں کوئی بات نہیں ہو۔ وہ دونوں اس میں جا پہنچی قدرے صاف جگہ پر بیٹھتے ہوئے اس نے مومی کو بھی بیٹھنے کا شارہ کیا تو مومی نے پھر سے لرزتے ہوئے لہجے کے ساتھ التجائیہ لہجے میں کہا

’’مجھے چھوڑ دو، معاف کر دو مجھے، میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔‘‘

’’اب تو تم آ چکی ہو میرے راستے میں۔اب تمہیں معاف صرف ایک صورت میں کیا جا سکتا ہے۔‘‘نینا نے گہری سنجیدگی سے کہا

’’بولو، میں تمہاری ہر بات مانوں گی۔‘‘وہ تیزی سے بولی تو نینا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

’’آرام اور سکون کے ساتھ یہاں بیٹھ جاؤ۔جیسے ہی یہ پولیس والوں کا سکون ہوتا ہے، میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔‘‘

ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔انہیں گنّے کے کھیت میں چھپے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ایسے میں انہیں محسوس ہوا کہ ان سے کچھ دور کچی سڑک پر کافی ساری گاڑیاں آن ٹھہری ہیں۔ایک شور سا اٹھا تھا۔ایسے میں نینا نے کھیت کے کنارے جا کر دیکھنے کی کوشش کی، اندھیرے میں سامنے کئی گاڑیاں کھڑی دکھائی دی تھیں۔اس کے دماغ میں خطرے کا الارم بج اٹھا۔کیا اُس کی مخبری ہوگئی ہے یا وہ لوگ اُسے تلاش کرتے ہوئے یہاں آن پہنچے ہیں؟ کہیں مومی کے پاس تو کوئی ایسی شے نہیں جس سے وہ ٹریک ہو جائے؟

اس سے پہلے کہ اس بارے وہ مزید سوچتی، اسے مومی کا خیال آیا اس نے مڑ کر دیکھا، وہ وہاں پر نہیں تھی۔اسے اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔وہ ایک دم سے ساکت ہوگئی۔اگر وہ گنے کے کھیت سے نکل کر گاڑیوں کی جانب بھاگ گئی تو مومی تو ہاتھوں سے جائے گی ہی، وہ یہیں پر گھیری جائے گی۔اب اس کے لئے دو ہی آپشن تھے خودکشی کر لیتی یا پھر گرفتار ہو جاتی۔کتنی دیر تک مقابلہ کر سکتی ہے۔اس دوران اس نے کان لگا کر سنا۔ایک جانب سے سرسراہٹ کی آواز آ رہی تھی۔نینا انتہائی سرعت کے ساتھ تیر کی سی تیزی سے اس جانب بڑھی۔اگرچہ اس سے تیز سرسراہٹ ابھری تھی لیکن اگلے چند لمحوں میں وہ مومی تک جا پہنچی، جو سرکتے ہوئے کھیت سے باہر جا رہی تھی اور بالکل کنارے پر پہنچ چکی تھی۔مومی نے خود کو چھڑاتے ہوئے چیخ مارنا چاہی لیکن نینا نے اس کا منہ دباتے ہوئے ایک گھونسہ اس کی گردن پر دے مارا پھر منہ کو مزید دباتے ہوئے سرد لہجے میں بولی

’’خاموش......ورنہ گلہ دبا کر یہیں مار دوں گی۔‘‘

مومی ایک دم سے سہم گئی۔اسے یوں لگا موت نے اسے گھیر لیا ہے اب وہ زندہ نہیں بچے گی۔نینا نے اس کی گردن بغل میں دبائی، منہ سے ہاتھ ہٹائے بنا اسے کھیت کے اندر تک لے آئی۔باہر شور کی ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔وہ خاموش سے آوازوں پر کان دھرے بیٹھی رہی۔

کچھ وقت گذرا، چند لوگ کھیت کے پاس آ گئے۔ان کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔نینا نے مومی کا منہ ایک بار پھر دبا لیا۔نینا اس بات کو سمجھ رہی تھی کہ باہر والے انہیں تلاش کرنے کے ’’موڈ‘‘ میں نہیں بلکہ صرف فارمیلٹی پوری کر رہے ہیں۔ورنہ وہ خاموشی سے کھیت میں گھستے۔باتیں کر کے تو وہ خبردار کر رہے تھے۔

آدھے گھنٹے سے زیادہ کا وقت ہو گیا تھا۔دھیرے دھیرے شور کم ہوتا چلا گیا۔یہاں تک کہ بالکل خاموشی ہوگئی۔ایسے میں نینا کا فون بج اٹھا۔اسکرین پر اُس کے خاص آدمی کا نمبر تھا۔اس نے کال ریسیو کرتے ہوئے ہولے سے کہا

’’ہاں بولو۔‘‘

’’سب ٹھکانے پر پہنچ چکے ہیں۔سب ٹھیک ہے۔آپ کدھر ہیں؟‘‘اس نے کہا

’’وہیں جہاں چھوڑا تھا۔‘‘اس نے گول مول سا جواب دیا

’’میں نزدیک ہی ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے، قریب آ کر بتانا۔‘‘اس نے جواب دے کر فون بند کر دیا۔

اس کے اندر نجانے کیوں شک اُتر گیا تھا۔اس کے دماغ میں یہی آیا کہ اس کے بندے پکڑے گئے ہیں۔اور انہوں نے فون کے ذریعے اسے تلاش کرنے کو فون کروایا ہے۔یہ خیال آتے ہی اس نے مومی کو لیا اور گنّے کے کھیت سے نکلتی چلی گئی۔سامنے کپاس کا کھیت تھا، وہ اس

میں سے ہوتی ہوئی آگے نکل گئی۔

کچی سڑک کے پاس سرسوں کا کھیت تھا، وہ اتنا اونچا نہیں تھا کہ کھڑا ہونے سے بندہ چھپ جائے۔ وہ اس میں جا بیٹھی۔ تھوڑی دیر میں ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ ان سے ذرا فاصلے پر رُک گئی۔ چند لمحوں بعد اس کا فون بج اٹھا۔ نینا دیکھ رہی تھی کہ وہ اکیلا ہے۔ پھر بھی اس نے تصدیق کی۔ آگے پیچھے دیکھا اور اگلے چند منٹ میں وہ مومی کے ساتھ کار میں آ بیٹھی۔ وہ پوری طرح چوکنا تھی۔ وہاں سے نکل پڑی تھی۔ میں سڑک پر آتے ہی اس نے سوچا کہ کہاں جائے؟ اس کے ذہن میں تھا کہ عورت منزل سے زیادہ محفوظ جگہ کوئی نہیں ہے۔ وہ کم از کم ایک رات وہاں رہنا چاہتی تھی۔ اس ایک رات میں وہ بہت کچھ کر سکتی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو اتر جانے کا کہا اور خود سوار ہوگئی لیکن اس سے پہلے مومی کو باندھنا نہیں بھولی تھی۔ وہ اس کے لئے اب بہت بڑا خطرہ تھی۔

☆......☆......☆

آدھی رات سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ نینا فریش ہو کر کھانا کھا چکی تھی۔ اس نے مومی کو بھی زبردستی کھلا دیا تھا۔ وہاں عورت منزل میں اس نے ابھی تک کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ یہ لڑکی کون ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ مومی کو لے کر کراچی نکل جائے یا پھر نوریا کے کزن کے حوالے کر دے، وہ اسے اپنے پاس رکھے گا۔ وہ مٹھن خان کو اپنی بیٹی کے لئے تڑپانا چاہتی تھی۔ وہ تاجاں سے بھی رابطہ کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تاجاں کو ایک محفوظ ٹھکانہ دے کر اسے مومی کا نگران بنا دے۔ یہ سب کیسے ہوگا؟ یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ فون سامنے رکھ کر یہی سوچ رہی تھی کہ بی بی صاحب کی کال آگئی۔ وہ مومی کے سامنے یہ کال نہیں سننا چاہتی تھی، اس لئے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس نے بی بی صاحب کے ساتھ سچی باتیں کرنا تھیں اور یہ باتیں وہ مومی کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔

''کہاں ہو تم؟'' انہوں اسی نرم لہجے میں پوچھا

''یہیں اسی شہر میں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا

''وہ مٹھن خان کی بیٹی ہے تمہارے پاس یا......؟'' انہوں نے نرم سے لہجے میں پوچھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہاں، ہے میرے پاس۔'' اس نے سچ بول دیا۔

''کیا کرو گی اس کا؟'' انہوں نے پوچھا

''ابھی میں نے سوچا نہیں۔'' اس نے جواب دیا

''کیوں، زندہ رکھنا چاہتی ہو اُسے؟'' پھر سوال ہوا

''کچھ پتہ نہیں، کیونکہ کچھ دیر پہلے وہ میرے ہاتھوں مر جانے والی تھی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں، یہ جب تک میرے پاس رہی، مٹھن خان اس کے لئے تڑپتا رہے گا۔'' اس نے انتہائی نفرت سے کہا تو بی بی صاحب نے اسی نرم سے انداز میں کہا

''اگر میں یہ کہوں کہ یہ لڑکی تم مجھے دے دو؟''

''آپ......؟ آپ اس کا کیا کریں گی اس کا؟'' نینا نے حیرت سے پوچھا تو وہ اسی نرم لہجے میں گویا ہوئیں

''میں اس کا کچھ بھی کروں، تم یہ سوال مت کرو۔''

''اوکے، کہاں پہنچاؤں۔'' نینا نے حتمی لہجے میں کہا

''میں ایک نمبر بھیج رہی ہوں۔ اسی کے ساتھ طے کر لینا، وہ اسے مجھ تک پہنچا دے گا۔'' بی بی صاحب نے سکون بھرے لہجے میں کہا

''اوکے۔'' اس نے کہا تو فون بند ہو گیا۔

اسی لمحے نجانے کیوں اس کے اندر متضاد قسم کے جذبات اندر تک سرائیت کر گئے۔ اسے لگا کہ مومی کو یوں دینا اچھا نہیں، مٹھن خان کی کمزوری

اس کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ دوسرا جذبہ یہ تھا کہ چلو اس سے نجات ملی۔ ایک بوجھ تھا جو اُتر گیا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے من میں یہ بات آئی کہ بی بی صاحب نے اُسے کیوں لیا ہے؟ بہت سارے خیال اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں گھوم گئے۔ مگر اس نے سب خیالوں کو جھٹک دیا۔ کوئی ایک منٹ بعد بی بی صاحب نے وہ نمبر بھیج دیا، اس کے ساتھ ہی اس نمبر سے کال آگئی۔ دونوں کے درمیان طے پا گیا کہ مومی کو کس طرح ان کے حوالے کرنا ہے۔

رات کا تیسرا پہر تھا، جب وہ مومی کو لے کر نکلی۔ مومی کی حالت بری ہو رہی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ اب اس کی موت آگئی، یہ مجھے کہیں باہر لے کر قتل کر دے گی۔ کیونکہ مومی کے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے کہاں لے کر جا رہی ہے۔ وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہتی تھی لیکن نینا اسے لے کر چل دی۔

''دیکھو نینا۔! تم ایک بار میرے بابا سے بات کر لو، جتنی رقم چاہو، میں تمہیں دلا دوں گی، میرے بابا کی زندگی کے علاوہ جو چاہو میں تمہیں لے کر دوں گی، لیکن مجھے معاف کر دو، میں تمہیں بہت بڑی غلطی کی۔'' وہ روہنسا ہوتے ہوئے بولی

''کیا میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا؟'' نینا نے اس سے سوال کیا

''میں مانتی ہوں، تم نے بہت اچھا کیا، میں ہی غلط تھی پلیز خدا کے لئے مجھے مت مارو۔'' وہ روتے ہوئے بولی

''اس کا فیصلہ کوئی اور ہی کرے گا۔'' نینا نے کہا اور پوری توجہ سڑک پر لگا دی۔

شہر کی ایک شاہراہ پر ان لوگوں نے ملنا تھا۔ وہ ایک سیاہ کار میں تھی ۔اس کا فون پر ان لوگوں سے رابطہ تھا۔ ایک خاص مقام پر وہ لوگ کھڑے اسکا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ان سے تھوڑے فاصلے پر رُک گئی۔

''مومی جاؤ، یہ لوگ تجھے تیرے باپ تک لے جائیں گے۔ اُترو نیچے۔'' نینا نے کہا تو اس نے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا

''مجھے میرے بابا تک، مطلب......؟''

''ہاں، تجھے تیرے گھر لے جائیں گے۔'' نینا نے کہا

''میں جاؤں۔'' اس نے پھر تسلی کرتے ہوئے پوچھا

''کہہ رہی ہوں نا جاؤ۔ اور اپنے باپ کو بتا دینا، میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔ اب جاؤ۔'' اس نے کہا اور جانے کیلئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

مومی جلدی سے اتری اور ان کی طرف بڑھ گئی۔ کار میں سے دو عورتیں باہر نکلیں اور انہوں نے مومی کو پکڑ لیا۔ وہ اسے کار کی جانب لے جانے لگیں تو نینا نے کار موڑی اور واپس چل دی۔

اس وقت وہ واپسی کی راہ پر تھی۔ ابھی وہ عورت منزل نہیں پہنچی تھی۔ اس کے ذہن میں شعیب تھا۔ جسے چھڑانے کیلئے اس نے مومی کو اغوا کیا تھا۔ پتہ نہیں وہ اب کیسا ہوگا؟ اس کا جی چاہا کہ وہ شعیب کو دیکھنے ہسپتال چلی جائے۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ یہی نا کہ وہ اس سے مل نہیں پائے گی۔ دشمن اس کی راہ تک رہے ہوں۔ لیکن کیا وہ دشمنوں کی خاطر اپنے شعیب کو بھی نہ دیکھے؟ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا، وہ اس کے قریب نہ جا پائے گی۔ وہ دور ہی سے دیکھ کر آجائے گی۔ شعیب کا خیال آتے ہی اس سے رہا نہیں جا رہا تھا۔ ایک دم سے اس کا دل بے اختیار ہو گیا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ دل اتنا بے اختیار کیوں ہو گیا ہے۔ وہ بے مقصد سڑکوں پر گھومتی رہی۔ پھر اس نے ایک چوراہے سے کار ہسپتال کی جانب موڑ لی ۔وہ تیزی سے کار بھگائے جا رہی تھی۔

اس نے کار ہسپتال کے پارکنگ ایریا میں کھڑی کی اور اس طرف بڑھ گئی جہاں انتہائی نگداشت وارڈ میں شعیب کو رکھا گیا تھا۔ وہ بے حد محتاط تھی۔ اس نے آنچل سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہوا تھا۔ اس کا پسٹل لوڈ تھا۔ جسے وہ لمحوں میں نکال سکتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے، انتہائی نگہداشت وارڈ میں پہنچ گئی۔ جہاں راہداری میں چند لوگ کھڑے رو رہے تھے۔ اس نے شیشے کے پار شعیب کو دیکھنا چاہا لیکن

وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا۔وہاں کا منظر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ انتہائی سوگوار ماحول تھا۔اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔وہ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتی رہی تھی، ایک موہوم سے خیال سے ڈرنے لگی تھی۔وہ وہاں پر کھڑے کسی بندے سے شعیب کے بارے میں پوچھنا نہیں چاہ رہی تھی۔وہ خود رورہے تھے۔اسے کیا بتاتے۔ایسے میں ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر انتہائی نگہداشت وارڈ سے باہر آیا، وہ فوراً اس کی جانب بڑھی، قریب جاکر آہستگی سے پوچھا

”ایکسکیوزمی ڈاکٹر۔“

وہ رُک گیا اور اس نے استفہامیہ نگاہوں سے کہا

”جی بولیں۔“

”یہاں ایک پیشنٹ ہیں، ان کا نام شعیب ہے۔مجھے ان سے ملنا ہے، وہ یہاں سے دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔“ اس نے شیشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا

”اوہ، کہیں آپ ان مسٹر شعیب کی بات تو نہیں کر رہے ہو جو صاحبزادہ عبدالکریم کے بیٹے ہیں نا؟“

”جی جی وہی۔“ اس نے تیزی سے کہا تو ڈاکٹر نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا

”کیا آپ ان کے والد کو نہیں جانتیں؟“

”جی میں پہلے کبھی ان سے نہیں ملی ہوں۔“ اس نے دھیرے سے کہا

”اوہ اچھا، وہ سامنے جو بزرگ کھڑے ہیں، وہی صاحبزادہ عبدالکریم ہیں۔“ ڈاکٹر نے راہداری میں کھڑے ایک بزرگ سے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو نینا نے صاحبزادہ عبدالکریم کی طرف دیکھ کر کہا

”آپ پلیز مجھے شعیب کے بارے میں بتا دیں، میں ان سے کیا پوچھوں، وہ ......“ اس نے خوف زدہ ہوتے ہوئے پوچھا، اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔اس پر ڈاکٹر نے معذرت خواہانہ لہجے میں

”سوری، آپ کچھ دیر لیٹ ہو گئیں۔ابھی دو گھنٹے پہلے وہ فوت ہو گئے ہیں۔“

”کیا......؟“ بے ساختہ اس کے منہ سے چیخ بلند ہو گئی۔وہ بڑبڑاتے ہوئے بولی ”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، وہ مجھے یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔“

وہ پاگلوں کی طرح بولنے لگی تھی۔اسے بالکل بھی پتہ نہیں چلا کہ ڈاکٹر جا چکا ہے اور صاحبزادہ عبدالکریم اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہا ہے۔وہ چند لمحے یونہی کھڑی رہی، پھر تیزی سے انتہائی نگہداشت وارڈ میں داخل ہو گئی۔وہاں دائیں جانب ایک اسٹریچر پر شعیب آنکھیں بند کئے ہوئے پڑا تھا۔اس کے اوپر سفید چادر تھی لیکن چہرہ ابھی تک نہیں ڈھکا تھا۔شعیب اس دنیا کو چھوڑ چکا تھا۔

نینا کو لگا کہ جیسے اس کی اپنی جان بھی نکل گئی ہے۔اس کے بدن میں کہیں زندگی کی رمق باقی نہیں رہی تھی۔وہ بھی شعیب کی مانند بے جان ہو گئی ہے۔وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے شعیب کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں تشدد کے واضح نشان موجود تھے۔وہ اندر سے کٹ کر رہ گئی تھی۔یہ وہی تھا، جسے اس نے پوری دنیا میں سے چاہا تھا۔اس کا ساتھی، دوست اور محبت، جسے موت نے اپنے لئے چن لیا۔وہ رونا چاہتی تھی لیکن ایک بھی آنسو اس کی آنکھ سے نہیں ٹپک رہا تھا۔وہ آنکھیں پھاڑے شعیب کا چہرہ تکتی چلی جا رہی تھی۔ایسے میں ایک ڈاکٹر قریب آیا تو اس نے پوچھا

”کیا ہوا تھا؟......کیسے یہ سب؟“

”میں بتاتا ہوں۔“

اس کی پشت سے آواز آئی تو اس نے گھوم کر دیکھا، پیچھے شعیب کا والد صاحبزادہ عبدالکریم کھڑا تھا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔نینا کچھ نہ بولی تو انہوں نے پوچھا، ” لیکن تم کون ہو؟“

’’میں نینا.....‘‘اس نے آہستگی سے کہا تو صاحبزادہ عبدالکریم نے یوں دیکھا جیسے اسے اپنے اندازے کی تصدیق ہوگئی ہو تب وہ سکون سے بولا

’’میری اولاد میری دشمنی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ بہت تشدد کیا تھا انہوں نے اس پر، پتہ نہیں اتنا تشدد سہہ کیسے گیا۔ڈاکٹر یہ کہتے ہیں کہ اس کے سر اور دل پر گہری چوٹ تھی، اسی باعث وہ زیادہ.....‘‘ یہ کہتے ہوئے صاحبزادہ عبدالکریم سسک پڑا۔

’’یہ سب مٹھن خان نے کیا۔‘‘اس نے یوں کہا جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔

’’ہاں، اس کی دشمنی میرا سب کچھ لے ڈوبی۔‘‘ وہ سسکتے ہوئے بولا تو نینا نے ایک نگاہ شعیب کے چہرے پر ڈالی۔ وہاں موت کا سکوت تھا۔ نینا کے اندر دکھ کی لہر نے اُسے لہولہو کر دیا۔ وہ چند لمحے دیکھتی رہی، پھر پلٹی اور باہر کی جانب بڑھتی چلی گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ساری دنیا کی آوازیں ختم ہو گئی ہیں اور اگر کوئی شور ہے تو اس کے اندر ہے۔

ہسپتال سے باہر آتے ہی اس نے بی بی صاحب کو فون کیا۔ تیسری بیل پر فون ریسیو کر لیا گیا۔

’’مومی کہاں ہے؟‘‘اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا تو دوسری طرف سے اسی نرم لہجے میں سوال ہوا

’’کیوں کیا ہوا؟‘‘

’’مجھے وہ چاہئے، میں نے اس کے بارے فیصلہ کر لیا ہے۔‘‘نینا نے غراتے ہوئے کہا تو بی بی صاحب بولی

’’اب دیر ہو چکی ہے۔اب وہ میرے پاس نہیں ہے۔‘‘

’’کہاں گئی؟‘‘اس نے پوچھا

’’اپنے باپ کے پاس۔‘‘نرم سے لہجے میں کہی گئی اس بات میں جو چنگاری تھی، اس نے نینا کے اندر سلگتی ہوئی آگ کو ہوا دے دی، جس نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اس نے چیختے ہوئے کہا

’’یہ کیا کیا آپ نے؟‘‘

’’اس کا واپس جانا میری مجبوری بن چکا تھا۔اور پھر تم نے خود اسے بھیجا ہے۔اب کیوں اس کے بارے میں پوچھ رہی ہو؟‘‘بی بی ساحب نے کہنا چاہا تو نینا تیزی سے بولی

’’میں نے اسے مٹھن خان کو دینے کے لئے نہیں بھیجا تھا بی بی صاحب، میں نے تو اسے تڑپانا تھا، میں نے اسے آپ کو دیا تھا۔‘‘

’’کہیں ہسپتال تو نہیں جا پہنچی ہو اور......‘‘

انہوں نے کہنا چاہا لیکن نینا نے بات کاٹتے ہوئے کہا

’’میں اپنی زندگی کھو چکی ہوں، شعیب اب اس دنیا میں نہیں رہا۔میرا سب کچھ ختم ہو گیا۔وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔‘‘

’’مجھے پتہ تھا، اسی لئے میں مومی کو مانگا۔‘‘بی بی صاحب نے کہا تو نینا حیرت اور دکھ سے بولی

’’یہ ظلم کیا آپ نے۔بہت برا کیا، یہ اچھا نہیں کیا۔‘‘

’’میں جانتی ہوں، میں نے کیا کیا۔‘‘بی بی صاحب نے اسی نرم اور پر سکون لہجے میں کہا تو نینا پھٹ پڑی

’’میں جانتی ہوں کہ آپ نے کیا کیا، آپ نے دھوکا کیا۔آپ جانتی تھی کہ شعیب نہیں رہا تو مومی کو مجھ سے مانگنے کا کوئی جواز نہیں تھا، آپ نے دھوکا کیا ہے بی بی صاحب۔دھوکا کیا۔‘‘

’’ایسا نہیں نینا، تم غلط سمجھ رہی ہو...... جب تمہیں پتہ چلے گا کہ یہ فیصلہ کیوں گیا تو تم......‘‘بی بی صاحب کا لہجہ ذرا بھی نہیں بدلا، اسی نرم اور پرسکون انداز میں کہنے جا رہی تھی کہ نینا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''اب کوئی جواز نہیں رہا۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا۔

غصے میں اس کا سر پھٹ رہا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اپنی کار تک گئی۔ اس کی ڈرائیونگ پر بیٹھ کر خود پر قابو پایا اور کار سٹارٹ کر کے چل پڑی۔ اس کا دماغ اس کے قابو میں نہیں تھا۔ ایک ساتھ اتنے دُکھ اسے ملنا تھے یہ کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ یہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ بی بی صاحب اس سے دھوکا کر جائے گی۔ یہ بھی کہاں اسے گمان تھا کہ شعیب اس کا ساتھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی سے نکل جائے گا۔ یہ دنیا ہے۔ یہاں کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر کوئی اپنے مفاد کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ کھیل ہی فائدے کا ہے۔ بی بی صاحب کو اس سے کوئی مفاد تھا ہی تو اس نے نینا پر مومی کو ترجیح دے دی۔ اس کی زندگی میں آنے ہر بندہ کوئی نہ کوئی مفاد ضرور رکھتا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پوری دنیا کو آگ لگا دے۔ اس جہاں میں کوئی بھی اس کا اپنا نہیں رہا تھا؟

''اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں، میں بھی کسی کی نہیں۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود کلامی کی۔ یہ اس کا فیصلہ تھا یا محض جذباتی سوچ، اس بارے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

جس وقت وہ عورت منزل پہنچی، سورج نکلنے کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ وہ بیڈ پر آ کر لیٹی تو اس کا دماغ تپ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ایسی حالت میں کیا جاتا ہے۔ ورنہ اس کے اندر بگولے اٹھ رہے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہاں سے اٹھے، سیدھی مٹھن خان کے سامنے جا پہنچے اور اسے موت کے گھاٹ اُتار دے۔ پھر اس کے بعد وہ خود بھی مر جاتی ہے تو کوئی بات نہیں۔ مگر وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ مٹھن خان تک پہنچنے سے کہیں پہلے وہ خود ماردی جائے گی۔ اسے اپنے مرنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ اس وقت تو اسے اپنی زندگی کچھ زیادہ ہی بے معنی لگ رہی تھی۔ جس وقت اسے یہ خیال آتا کہ اب وہ اس کی زندگی میں نہیں ہے تو اسے یوں لگتا جیسے آگ کی لہر اٹھتی ہے اور اس کا پورا وجود اس میں جھلسنے لگتا ہے۔ وہ بیڈ پر پڑی نجانے مزید کیا سوچتی کہ اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے پتہ ہی نہیں رہا کہ وہ کب خود سے غافل ہو گئی ہے۔

اس کی آنکھ کھٹکا ہونے سے کھل گئی۔ وہ تیزی سے اٹھی تو اس کے سامنے میڈم فاخرہ بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے تو اسے سمجھ میں نہیں آیا لیکن اگلے ہی لمحے سب کچھ اس کے ذہن میں تازہ ہو چکا تھا۔

''پتہ ہے کتنی دیر سوئی ہو؟'' میڈم فاخرہ نے دھیمے سے لہجے میں کہا

''پتہ نہیں؟'' وہ بیزاری سے بولی جیسے اسے خود کے سو جانے پر شرمندگی ہو رہی ہو۔

''آٹھ گھنٹے سے زیادہ ہو گئے ہیں سوئے ہوئے۔ میں تو گھبرا گئی کہ خدانخواستہ کہیں......'' میڈم نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تو نینا نے غصے کی انتہا میں کہا

''میں جب تک مٹھن خان کو مار نہیں لیتی، اس وقت تک نہیں مرنے والی۔''

''دیکھو، بہت برا ہوا، مجھے شعیب کے بارے میں پتہ چلا، میں گئی تھی ان کے ہاں۔ ہر کسی کو اس کی جوان موت کا افسوس ہے۔'' میڈم نے افسوس بھرے لہجے میں کہا

''کاش میں اس کے پاس ہوتی، مٹھن خان کے غنڈوں کو اس تک پہنچنے ہی نہ دیتی۔'' اس نے یاسیت سے کہا

''جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ میرے خیال میں اب تمہیں جو قدم بھی اٹھانا ہے، بہت سوچ سمجھ کر۔ کیونکہ اب حالات بالکل مختلف ہو گئے ہیں۔'' میڈم نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو نینا نے اس کی جانب دیکھ کر کہا

''کیا ہو گیا ہے حالات کو، کیا مٹھن خان مر گیا؟''

’’نہیں، مگر میری اطلاع کے مطابق، وہ یہ ملک چھوڑ کر جانے والا ہے۔ وہ چند دن تک چلا جائے گا ایک لمبے عرصے کے لئے۔ باہر جانے کے کچھ ہی عرصے بعد وہ ایم این اے سے استعفٰی بھی دے گا۔‘‘ میڈم نے اسے بتایا تو وہ بولی

’’کیا یہ بات صرف آپ ہی کو پتہ ہے یا......‘‘

’’نہیں صرف چند لوگوں کو معلوم ہے۔ تاہم مٹھن خان کیسا فیصلہ کرتا ہے، اس بارے بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔‘‘

’’ٹھیک۔‘‘ نینا نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا کیونکہ وہ بہت دور تک معاملہ سمجھ گئی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس سمجھ آ گئی تھی اب اسے کیا کرنا ہے۔

’’کیا مطلب ٹھیک۔‘‘ میڈم نے پوچھا

’’یہی کہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مجھے اب بہت سوچ کر ہی کچھ کرنا ہوگا۔‘‘ وہ تلخی سے مسکراتے ہوئے بولی

’’اچھی بات ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے کہ تم پندرہ بیس دن، مہینہ کے لئے کسی دوسرے ملک چلی جاؤ۔ تب تک تمہارے ذہن سے کافی حد تک بوجھ اتر جائے گا، پھر سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔‘‘ میڈم نے اسے آفر دی۔

’’کیا اس سے شعیب واپس آ جائے گا، میرا دکھ کم ہو جائے گا۔ مٹھن خان مرنے کے لئے کو دچل کر میرے پاس آ جائے گا، یا......‘‘

’’پاگل مت بنو۔ میرے بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایسا جنون اچھا نہیں ہوتا۔‘‘

’’کیا کروں گی اب میں؟‘‘ اس نے کہا

’’پرسکون ہو جاؤ۔ بدلہ جوش سے نہیں ہوش سے لیا جاتا ہے۔ میری بات مانو پرسکون ہو جاؤ۔‘‘ میڈم نے نرمی سے کہا

’’ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں۔‘‘ نینا نے ایک دم سے اس کی بات مان لی۔ وہ میڈم سے کسی قسم کی کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میڈم فاخرہ کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ جب اس نے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر جھانکا، شام اُتر رہی تھی۔ وہ فریش ہونے کے لئے چل دی۔

اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا، جب وہ کار میں عورت منزل سے باہر نکلی۔ کار کی رفتار کچھ اتنی زیادہ نہیں تھی۔ وہ پرسکون انداز میں کار بڑھائے جا رہی تھی۔ اس کے کسی انداز سے بھی عجلت کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس نے ہلکے رنگ کا سادہ سی شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ وہ شہر کی شاہراہوں سے ہوتے ہوئے قدیمی شہر کی جانب نکل پڑی۔ ایک بڑی ساری نہر نئے اور قدیمی شہر کو الگ الگ کرتی تھی۔ وہ پل پار کر کے قدیمی شہر کی جانب چل پڑی تھی۔ وہاں ٹیڑھی میڑھی گلیاں اور تنگ سے بازار تھے۔ پرانی طرز کے بنے ہوئے گھر اور دیگر عمارتیں تھیں۔ اس نے ایک بڑی سڑک کے کنارے پارکنگ میں کار روکی، اپنا بڑا سا بیگ اٹھایا اور پیدل ہی نکل پڑی تھی۔ وہ بظاہر پرسکون دکھائی دے رہی تھی لیکن اس کے اندر ایک حشر بپا تھا۔

وہ تقریباً تین چار منٹ پیدل چلی ہوگی۔ ایک چھوٹی سڑک کے ساتھ وہ ایک تنگ گلی کے سامنے تھی۔ اسے اس گلی میں موجود وہ ایک پرانی سی حویلی تک جانا تھا۔ وہ وہاں اس گلی میں داخل ہو گئی۔ وہ حویلی کے بڑے سے پھاٹک کے سامنے جا کر رکی ہی تھی کہ بڑے پھاٹک کی چھوٹی کھڑکی سے ایک نوجوان باہر آ گیا۔ اس نے ایک نگاہ نینا پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے بولا

’’مہمان، نینا جی۔‘‘

’’ہاں، ٹوانہ صاحب سے کہو میں......‘‘

’’جیسے ہی آپ نے نہر کا پل پار کیا تھا۔ ہمیں خبر ہو گئی تھی کہ ہمارے مہمان ہمارے علاقے میں آ گئے ہیں۔ ہم تب سے آپ کے منتظر ہیں، آئیں۔‘‘ نوجوان نے جس انداز میں کہا، اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ طنزیہ کہہ رہا ہے یا اس نے یہ بات سنجیدگی میں کہی ہے۔ نوجوان واپس کھڑکی میں سے اندر چلا گیا تو وہ بھی اس کے پیچھے چلے گئی۔ سامنے بڑا سا را صحن تھا۔ اس کے سامنے پرانی طرز کا برآمدہ تھا جس پر چکیں لگی ہوئی تھیں۔

ڈیوڑھی پار کرتے ہوئے اس نوجوان نے بڑے فخر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

’’ماں باپ نے تو میرا نام ندیم رکھا تھا لیکن جرم کی دنیا میں دیما پھوکر کے نام سے مشہور ہوں، کبھی سنا ہو یہ نام ؟‘‘

’’نہیں سنا، کیونکہ میں جرم کی دنیا سے تعلق نہیں رکھتی۔‘‘ نینا نے خشک لہجے میں کہا اور لا پرواہی سے حویلی کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتی گئی۔

’’مگر یہاں پر آپ کے بارے میں تو بہت مشہوری ہے۔ بڑی شے بتایا جا رہا ہے تمہیں؟‘‘ اس نے نینا کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا تو نینا نے اس کی بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ تب تک وہ برآمدے میں آ گئی تھی۔

وہیں سے آگے ایک بڑا سا داخلی دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس دروازے میں داخل ہو گئی تو اپنے آپ کو ایک گول کمرے میں پایا۔ جس میں صوفے، کرسیاں اور میز لگے ہوئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے یہاں صرف بیٹھک ہوتی ہے۔ وہ ابھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ دائیں جانب کے دروازے سے ایک لحیم شحیم شخص وارد ہوا۔ اس نے سفید کرتا اور شلوار پہن رکھی تھی۔ اسکے لمبے لمبے کھچڑی بال تھے۔ نینا پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اونچی آواز میں کہا

’’بیٹھو پتری، بولو کیا پیئو گی۔‘‘

یہ کہتے ہوئے وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا، نینا بھی اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی

’’کچھ نہیں ٹوانہ صاحب، میرا جی نہیں چاہ رہا۔‘‘

تبھی اس نے نینا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دیمے کی طرف دیکھ کر کہا

’’جاؤ، اندر سے کوئی تازہ جوس لے کر آؤ۔‘‘ دیمے نے سر ہلایا اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ٹوانہ نے کہا، ’’میرے خیال میں تمہیں دو چار سکون سے یہاں میرے پاس رہنا چاہئے۔ اس دوران ہم ساری معلومات کر لیں گے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔‘‘

’’ٹوانہ صاحب۔! میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ اب ہر کام سکون سے ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔‘‘ اس نے کہا تو وہ خوش ہوتا ہوا بولا

’’میرے بندے تمہارے بارے میں بتاتے رہے ہیں، اس سے مجھے اندازہ ہے۔‘‘

’’آپ نے اب تک جتنے بھی بندے بھیجے میری مدد کے لئے انہوں نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا اور......‘‘ اس نے کہنا چاہا تو ٹوانہ نے مسکراتے ہوئے کہا

’’اُو پتری، تم رقم بھی تو ہمارے معیار کی دیتی رہی ہو۔ یہ تو سیدھا سادھا کاروبار ہے۔ لیکن اب تمہارے ساتھ جو ڈیل ہوئی ہے، میں نے اس پر بہت سوچا، کام بہت بڑا ہے، اور رسک بھی۔ مگر تم نے جو رقم دینے کا وعدہ کیا ہے، اس کا کہیں پتہ نہیں؟ ایسا کیسے ہوگا؟‘‘

’’آپ میرے پلان کے ساتھ چلیں، سب ہو جائے گا۔‘‘ نینا نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا

’’مجھے تم پر یقین ہے۔‘‘ ٹوانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اتنے میں دیما اندر سے آ گیا۔ اس کے پیچھے ہی ایک لڑکی ٹرے میں جوس رکھے آ گئی۔ سرو کرنے کے بعد وہ جانے لگی تو ٹوانہ نے اس سے کہا، ’’میڈم کے لئے اوپر والا کمرہ ٹھیک کروا دو۔ اب تمہی نے ان کا خیال رکھنا ہے۔‘‘

’’جی ٹھیک ہے۔‘‘ اس نے مودب لہجے میں کہا اور پلٹ گئی۔ نینا جوس پینے لگی۔ اس دوران دیما کھڑا رہا۔ ٹوانہ اور نینا کے درمیان شہر میں موجود لوگوں کے بارے میں بات ہوتی رہی، کون کیا کر رہا ہے۔ تبھی اچانک اس نے پوچھا

’’رات صاحبزادہ عبدالکریم کا لڑکا نہیں رہا۔ سنا ہے اس پر مٹھن خان نے تشدد کیا تھا۔ کیا یہ لڑکا ہی تمہارا دوست تھا؟‘‘ ٹوانہ نے پوچھا تو نینا کو د پر قابو پاتے ہوئے بولی

’’وہ میرا دوست ہی نہیں میرا سب کچھ تھا ٹوانہ صاحب، یہ جتنا میں نے آپ کے ساتھ پلان کیا ہے، یہ سب......‘‘ یہ کہتے ہوئے اسے کود پر قابو نہیں رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔تم پرواہ مت کرو، میں دیکھ لوں گا سب ہو جائے گا۔'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ وہی لڑکی آ گئی۔اس نے نینا کی طرف دیکھ کہا

''آئیں۔''

نینا اُٹھ کر اُس کے ساتھ چل دی۔

اوپری منزل پر وہ ایک ایسے کاریڈور میں پہنچے جہاں ایک کمرے میں وہ لڑکی داخل ہو گئی۔اس کمرے کے سامنے سے نیچے حویلی کا صحن دکھائی دیتا تھا۔وہ کمرے میں گئی تو وہاں جدید انداز میں ہر شے تھی۔بہت آرام دہ کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔اس نے بیگ رکھا اور سیدھے کھڑے ہو کر بولی

''میرا نام زوبی ہے۔یہ سامنے بیل ہے۔ساتھ میں میرا فون نمبر بھی لکھا ہوا ہے۔جب چاہیں کال کر لیں۔ابھی آپ فریش ہو جائیں، میں آپ کے لئے کھانا لاتی ہوں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' نینا نے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی

''چلیں جب آپ کو ضرورت ہو۔'' زوبی نے پرسکون سے انداز میں کہا اور واپس پلٹ گئی۔نجانے کیوں نینا کو وہ زوبی دلچسپ لگی تھی۔اس کی کیا وجہ تھی اسے خود سمجھ نہ آسکی۔وہ تھوڑی دیر کے لئے کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔اس لئے اس نے ساری سوچوں سے چھٹکارا لینے کے لئے خود کو آزاد چھوڑ دیا۔

عطا ٹوانہ بظاہر ایک درمیانے درجے کا تاجر تھا۔شہر میں اس کی کئی دکانیں تھیں۔ایک شاپنگ سنٹر بھی تھا لیکن اس کا اصل ''بزنس'' کچھ اور ہی تھا۔وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں جرائم پیشہ لوگوں کی ماں کہا جاتا ہے۔ہر مجرم کو تحفظ دینا اور پھر اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق اس سے کام لینا ہی اس کا اصل دھندہ تھا۔بظاہر اس کے ارد گرد کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا تھا، جو پولیس کو یا کسی بھی قانون نافذ کرنے والے ادارے کو مطلوب ہو۔لیکن شہر میں اور شہر کے باہر ایسے ایسے جرائم پیشہ لوگوں کا ایک ہجوم اس کے پاس تھا جو اس کے ایک اشارے پر بہت کرنے کو تیار رہتے تھے۔بہت سارے اعلیٰ سطح کے لوگ اس سے کام لیتے تھے۔کسی کو اپنے سیاسی جلسے میں لوگوں کا رش چاہئے، کسی کو بلوہ کروانا ہو۔کسی کو احتجاج کروانا ہو، سڑک بلاک کرنی ہو، کہیں آگ لگانی ہے تو کہیں توڑ پھوڑ کرنی ہے۔یہ سب وہ ایک خاص رقم لے کر کر دیتا تھا۔اس کے ارد گرد چند لوگ ایسے تھے جو چند گھنٹوں میں ایک جلوس نکال دیتے تھے۔اس کے علاوہ بہت خاص لوگوں کو سیکورٹی کے لئے بندے مہیا کرتا تھا۔اس کے پاس ایسے لوگ بھی تھے جو کسی بھی جرم میں کسی کا ساتھ دے سکتے تھے۔

نینا کے ساتھ عطا ٹوانہ کا رابطہ پچھلے ایک برس سے تھا۔اس دوران نینا کے اس کے لئے کام کیا تھا اور اس سے اپنے لئے مدد بھی لی تھی۔اس نے کوئی پیسہ نہیں لیا تھا لیکن مدد کے عوض اس نے بڑھ کر رقم دی تھی۔بات یہ نہیں کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔سب کچھ معلوم تھا لیکن اسے پکڑنے کے لئے ہمت اور ایسا دل گردے والا بندہ چاہئے تھا جو خود مفاد پرست نہ ہو اور اس کے ہاتھ صاف ہوں اور پھر ادارہ بھی اس بندے کی پوری حمایت کرتا ہو۔لیکن کوئی بھی ادارہ ایسا نہیں جو ایسے کسی سر پھرے بندے کی پوری طرح حمایت کر سکے۔اس لئے جرم بڑھتا، پھلتا پھولتا ہے۔لہٰذا قانون نافذ کرنے والے چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ممکن حد تک وہ بھی اس سے مدد لے لیتے تھے۔یوں عطا ٹوانہ کا کام پورے عروج پر تھا۔

نینا مایوس ہو چکی تھی۔اسے جو دھچکا لگا تھا۔وہ اس سے سنبھل ہی نہیں پائی تھی۔اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ جب تک وہ ہے، دوسرے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس کے مقصد کی جھلک دکھا کر اس سے اپنا ہی کام نکالتے چلے جا رہے ہیں۔اتنی کوشش کے باوجود وہ اب تک مٹھن خان تک نہیں پہنچ پائی تھی۔اگرچہ شعیب نے اس کی بہت مدد کی تھی۔جو اس کی محبت کا درجہ بھی پا گیا تھا۔وہ نہیں رہا تو کسی نے اس کا دکھ محسوس

نہیں کیا بلکہ اسے مٹھن خان ہی سے ڈراتے رہے۔اسے دنیا کی سمجھ آ گئی تھی۔اب وہ دنیا کو اپنے انداز میں برتنا چاہتی تھی۔اس نے بہت سوچا، پھر جو اس کی سمجھ میں آیا، اس میں عطا ٹوانہ ہی اس کی بھرپور مدد کر سکتا تھا۔اور وہ یہاں پر آ گئی۔وہ یہاں رہ کر اپنے مقصد کے لئے پلان کر سکتی تھی

۔

وہ پوری رات اور پھر اگلا دن کمرے ہی میں پڑی رہی۔شاید وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔لیکن ایسا ہو نہیں سکا تھا۔شام کے سائے پھیل گئے تھے۔وہ نیند سے بیدار ہو کر فریش ہو چکی تھی۔اسے ایک کال کا انتظار تھا۔تین دن سے وہ ایک ایسے آدمی کے ساتھ رابطے میں تھی، جو اسے ایک خاص خبر دینا تھی۔شعیب کے سانحہ کی وجہ سے وہ اس طرف دھیان نہیں دے پائی تھی۔دوپہر سے پہلے اس نے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔لیکن اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ممکن ہے وہ کسی ایسی صورت حال میں ہو۔نینا کے سامنے انتہائی دھیمی آواز میں ٹیلی وژن چل رہا تھا۔مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا۔اس کے خیالوں میں شعیب تھا۔جس کے ساتھ گذرا ہوا وقت کو وہ اپنی زندگی کا بہترین وقت سمجھ رہی تھی۔تبھی اس کا فون منمنا اٹھا۔اس نے جلدی سے فون اٹھایا،لیکن یہ وہ کال نہیں تھی، جس کا اسے انتظار تھا۔ اسکرین پر شعیب کے اُس دوست ساجد اقبال کا نمبر تھا، جس کے فارم ہاؤس میں اس نے بہزاد کو قتل کیا تھا اور وہاں سے بھاگی تھی۔یہی وہ فارم ہاؤس تھا، جہاں اس نے شعیب کے ساتھ بہت زیادہ وقت گذارا تھا۔اس نے کال رسیو کر لی۔

''کیسی ہو؟''اس نے پوچھا

''تم جانتے ہو کہ میں کیسی ہو سکتی ہوں۔''نینا نے دکھی لہجے میں جواب دیا

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔آج اور ابھی۔اگر تم مجھے ملنا پسند کرو تو۔''اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں پوچھا

''یہ کیا بات کر رہے ہو ساجد، میں تم سے کیوں نہیں ملوں گی۔بولو کہاں آنا ہے۔کہاں ہو تم؟''نینا نے پوچھا

''ابھی تو گھر پر ہوں۔تم بتاؤ کہاں پر......''اس نے پوچھنا چاہا لیکن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی نینا نے اسے ایک خاص پوائنٹ بتایا، جہاں وہ مل سکتے تھے۔ڈن کرنے کے بعد اس نے کال بند کر دی۔نینا حیران تھی کہ اس نے پہلے کبھی ملنے کے لئے نہیں کہا تھا۔یہ اچانک کیوں ملنا چاہتا ہے؟

نینا نے اپنی کار اس شاپنگ سینٹر کے سامنے روکی جہاں اسے ساجد سے ملنا تھا۔آج تک وہ اس سے ملی نہیں تھی۔لیکن تصویروں میں اس کئی بار دیکھا تھا۔فون کالز پر بے شمار دفعہ اس سے بات ہو چکی تھی۔آج پہلی بار وہ اس سے ملنے والی تھی۔اس نے فون پر نمبر ملائے ہی تھے کہ نینا نے اپنی کار کے سامنے ایک تنومند نوجوان کو کھڑے پایا۔اس نے جین کے ساتھ ڈھیلی سی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ہلکے ہلکے بال بہت اچھے لگ رہے تھے۔وہ اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔نینا نے نمبر تلاش کر کے کال کی اور سامنے کھڑے نوجان کو دیکھا۔ اس نے اپنا سیل فون نکال لیا، پھر اس کی کال لے کر کہا

''میں ادھر ہی ہوں، آ گئی ہو۔''

''یہ تم ہی ہو، کار کے سامنے نیلی جین میں اور آف وائیٹ شرٹ میں؟''نینا نے اپنی کار کا نمبر بتاتے ہوئے کہا تو اس نے کار کی طرف دیکھا، کال بند کی اور کار کی جانب بڑھ آیا۔اس نے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے کہا

''کیسی ہو؟''

''یہ مت پوچھو کہ میں کیسی ہوں۔''یہ کہتے ہوئے اس نے گیئر لگا دیا۔ساجد خاموش رہا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ ایسا اس نے کیوں کہا ہے۔تبھی نینا نے کہا،''اس کے بغیر تو اب کہیں دل بھی نہیں لگتا۔ بس ایک آگ ہے من میں بھری ہوئی۔میں جس میں جل تو رہی ہوں، اب اسی آگ میں اس دنیا کو جلانا ہے۔انہوں نے مجھ سے میرا شعیب چھینا ہے، میں ان سے ہر شے چھین لوں گی۔''

''میں تمہارے جذبات سمجھتا ہوں اور تمہارا دُکھ بھی۔''اس نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ان کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

''کہاں جانا ہے؟''نینا نے پوچھا

''میں بتاتا ہوں۔''اس نے کہا اور اشارے سے سیدھے چلتے رہنے کو کہا۔

مصروف سڑک پر وہ کار بھگائے جا رہی تھی۔دونوں کی نگاہیں سامنے تھیں۔ساجد اسے راستہ بتاتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک سنسان چاردیواری کے پاس آن ٹھہرے۔وہ اس علاقے کا قبرستان تھا۔نینا نے کار وہیں روک دی۔دونوں اُتر کر قبرستان کے گیٹ تک جا پہنچے۔ اگرچہ گیٹ پر مدقوق سے بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی تاہم گیٹ کے اندر سے اندھیرا شروع ہو گیا تھا۔ساجد نے ٹارچ روشن کر لی۔وہ دونوں خاموشی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔کافی آگے جا کر وہ ایک تازہ قبر کے پاس رُک گیا۔اس کے پیچھے نینا بھی رک گئی۔اس قبر پر کافی تعداد میں تازہ پھول پڑے تھے۔ابھی تک اس کی مٹی گیلی تھی۔اس نے ٹارچ کی روشنی کرتے ہوئے کہا

''یہ پڑا ہے شعیب، منوں مٹی کے نیچے۔''

یہ کہتے ہوئے ساجد کے آنسو نکل پڑے لیکن نینا کی آنکھیں کسی بنجر زمین کی مانند خشک تھیں۔ایک آنسو تو کیا، آنکھیں بھی تر نہیں ہوئیں تھیں۔ یہ اس کا من جانتا تھا کہ اندر لگی ہوئی آگ کس طرح بھانبڑ بن گئی تھی۔اسے لگا کہ اس کے اندر کی آگ اسے ہی جلا کر خاکستر کر دے گی۔وہ چند لمحے خاموشی سے کھڑی رہی۔اسے لگا کہ جیسے وہ پھٹ جائے گی۔ اس نے خود پر قابو پایا اور ایک جھٹکے سے واپس پلٹ پڑی۔تقریباً بھاگتے ہوئے وہ قبرستان کے گیٹ تک چلی گئی۔ساجد اسے دیکھتا رہا۔اس نے سکون سے فاتحہ پڑھی اور قبرستان سے باہر آ گیا۔نینا وہاں کھڑی لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی خود پر قابو پا رہی تھی۔

''کیا ہوا تھا۔''ساجد نے جان بوجھ کر پوچھا تھا حالانکہ وہ نینا کے من کو سمجھ رہا تھا

''ساجد مجھے یوں لگا جیسے مجھے ابھی یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔میں نے بہت غلطی کی یہاں آ کر۔''نینا نے یوں کہا جیسے وہ بہت نادم ہو، بڑی شرمندگی محسوس کر رہی ہو۔

''میں سمجھا نہیں، یہ کیا کہہ رہی ہو؟''ساجد نے حیرت سے یوں پوچھا جیسے اس بات کی توقع نہ رہی ہو

''مجھے اپنے ان سارے دشمنوں کو مار کر یہاں آنا چاہئے تھا، جنہوں نے میرے شعیب پر تشدد کیا تھا۔اسے مجھ سے چھین لیا۔یا میں اب تک زندہ کیوں ہوں۔میں خالی ہاتھ کیا لینے چلی آئی ہوں یہاں؟''

یہ سن کر ساجد چند لمحے خاموش رہا پھر بولا

''میں تمہیں یہاں ایک خاص مقصد کے لئے لایا ہوں۔''

''کس مقصد کے لئے؟''نینا نے پوچھا

''آؤ، کار میں بیٹھو، بتاتا ہوں۔''ساجد نے کہا اور کار کی جانب بڑھ گیا۔نینا پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھی۔تو ساجد اسے راستہ سمجھانے لگا کہ کدھر جانا ہے۔کچھ دور جانے کے بعد اس نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا

''نینا۔!اب شعیب نہیں رہا، میں جانتا ہوں وہ تمہارا بہت بڑا سہارا تھا، اب کیسے اپنا مقصد حاصل کر پاؤ گی؟''

''مجھے جو کچھ بھی کرنا پڑا، میں وہ کروں گی۔''اس نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا

''تمہارے مقصد میں کوئی شریف آدمی تو سہارا دینے سے رہا، اور نہ کوئی ایسا بندہ جو مٹھن خان سے بھی زیادہ طاقتور ہو۔پھر کیا کرو گی؟''اس نے اپنی بات سمجھاتے ہوئے کہا

''کہا نا کچھ بھی کر لوں گی۔''اس نے جواب دیا

’’میرے خیال میں جرم کے علاوہ کوئی ایسا راستہ نہیں بچتا جو مجھے تمہیں منزل تک لے جائے گا، کیا تم......‘‘ اس نے کہنا چاہا تھا کہ نینا نے بات کاٹتے ہوئے کہا

’’تم یہی سمجھ لو ساجد، میں نے جرم کی گلی میں قدم رکھ دیا ہے۔ مجھے اپنی زندگی کبھی بھی نہیں چاہئے تھی، جو دکھوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں دے سکی ۔مجھے صرف اس بندے کو ختم کرنا ہے بس، یہ چاہئے جیسے ہو۔‘‘ نینا نے بے حد جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو ساجد بولا

’’یہ تم جہاں پر چلی گئی ہو نا، وہ کوئی اچھی جگہ نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں ایسے لوگوں کے ساتھ جڑنا چاہئے۔وہ ایک ایسی دلدل ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔‘‘

’’میں یہ سب اچھی طرح جانتی ہوئی۔لیکن میرے پاس کوئی چارہ نہیں۔میرا دشمن اتنا مضبوط ہے یہ تو میں جانتی تھی لیکن میں اس تک پہنچ ہی نہیں پاؤں گی، یہ میں سوچا ہی نہیں تھا، ان کی وجہ سے راہوں میں بھٹکتی رہی، جنہوں نے مجھے میرے دشمن تک پہنچانا تھا۔‘‘ وہ یوں افسوس بھرے لہجے میں بولی جیسے اس کا سب کچھ کھو گیا ہو۔

’’تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ لوگ تمہیں اس تک پہنچا دیں گے، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔‘‘ ساجد نے کہا

’’مگر ایک اُمید تو ہے۔‘‘ وہ بڑابڑا دینے والے لہجے میں بولی جیسے اسے خود اُمید نہ ہو۔تبھی ساجد تیزی سے بولا

’’نہیں نینا ایسا نہیں، وہ جرم کی دنیا ہے۔کیا تمہیں مجرم بننا ہے؟ میں تمہیں جرم کی دنیا کا ایندھن نہیں بننے دوں گا۔‘‘

’’تو پھر کیا کروں، میرے پاس اتنے وسائل نہیں، لیکن مجھ پر دشمن کا قرض بڑھ گیا ہے۔‘‘ نینا نے بے بسی سے کہا

’’اگر تم یہ وعدہ کرو کہ پلٹ کر جرم کی دنیا میں نہیں جاؤ گی تو ہم اس پر بات کر سکتے ہیں۔تمہیں ٹھکانہ چاہئے، وسائل چاہئے مل جائیں گے۔ سب کچھ ملے گا لیکن مجرم نہیں بننا۔‘‘ ساجد نے ایک عزم سے کہا تو نینا چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی

’’مجھے پھر سے ایک نیا سفر شروع کرنا پڑے گا۔‘‘ وہ بولی

’’یہ جرم کے راستے پر چلنے والا بھی کیا نیا سفر نہیں ہے؟‘‘ اس نے تیزی سے پوچھا

’’ہے مگر، میں بہت جلد اپنا مقصد حاصل کر لوں گی۔پھر مجھے نہیں جینا، جی کر کروں گی بھی کیا؟‘‘ اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا

’’چلو۔!اپنے دشمنوں کو ختم کرنے تک تو زندہ رہ سکتی ہو نا؟‘‘ اس نے پوچھا

’’وہ تو جینا ہے؟‘‘ اس نے جواب دیا

’’تو چلو پھر میرے ساتھ، مجھے صرف دو دن دے دو، اس کے بعد تم جو چاہئے فیصلہ کرنا۔‘‘ ساجد نے کہا

’’اوکے، جیسا تم چاہو۔‘‘ اس نے کہا

ان کے سفر کا اختتام اسی فارم ہاؤس پر ہوا جہاں اس نے بہزاد کو مارا تھا۔ جہاں وہ شعیب کے ساتھ آتی رہی تھی۔ پورچ میں کار کھڑی کر کے جب وہ باہر نکلی تو اسے یوں لگا جیسے ابھی کسی طرف سے شعیب آ جائے گا۔ وہ ساجد کے ساتھ چلتی ہوئی لاؤنج میں آ گئی۔

’’کچھ کھاؤ گی؟‘‘ ساجد نے پوچھا

’’نہیں۔‘‘ اس نے دھیمے سے لہجے میں جواب دیا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی

’’کیا پولیس نے تمہیں نہیں پوچھا کہ یہاں پر کوئی چھپا ہوا تھا۔مطلب میں تھی یہاں پر؟‘‘

’’یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ بہزاد کی لاش یہاں سے دور پھنکوا دی، ورنہ اگر وہ یہاں سے ملتا تو بہت مشکل ہو جاتی۔ثبوت نہیں ملا تو تھوڑے بہت سوالوں کے بعد چھوڑ دیا تھا۔لیکن میں جانتا ہوں، میں مشکوک اب بھی ہوں۔‘‘ اس نے کہا۔اس سے پہلے کہ وہ کوئی مزید بات کرتی ، اُس کا فون بج اٹھا۔اس نے اسکرین پر دیکھا تو چونک گئی۔ یہ وہی کال تھی، جس کا اسے انتظار تھا۔وہ جلدی سے کال رسیو کرتے ہوئے بولی

’’ہاں بولو۔‘‘

یہ کہہ کر وہ سنتی رہی۔تقریباًایک منٹ بعد اس نے فون کان سے ہٹا کر کال بند کر دی۔

’’کیا ہوا؟‘‘ساجد نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا

’’مجھے ابھی اور اسی وقت جانا ہے۔میں نے غلطی کی یہاں آ کر۔بہت وقت ضائع ہوگا‘‘اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تو ساجد نے پوچھا

’’بات کیا ہے،کچھ بتاؤ گی؟‘‘

’’مٹھن خان کے وہ غنڈے جنہوں نے شعیب پر تشدد کیا تھا،ان کے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔وہ اس وقت کہاں ہیں۔میں یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دوں گی۔‘‘اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا

’’اور یہ غلطی والی بات کیا تھی؟‘‘ساجد نے پوچھا

’’میرے پاس اس وقت صرف پسٹل ہے۔مجھے ہتھیار اور بندے چاہئے،ان کے لئے مجھے اب دیر ہوگی۔خیر میں کرتی ہوں کچھ۔‘‘یہ کہتے ہوئے اس نے قدم باہر بڑھانے چاہے تو ساجد نے کہا

’’اسی فارم ہاؤس میں ہتھیار ختم تو نہیں ہو گئے ، یہ تم جانتی ہو۔تمہیں کسی بندے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے،میں ہوں نا تمہارے ساتھ، بندے نہیں،حوصلہ لڑتا ہے۔‘‘

اس نے کہا تو نینا نے یوں اس کی طرف دیکھا جیسے اسے ساجد پر بے تحاشا پیار آیا ہو۔اسے لگا جیسے شعیب اس کی مدد کیلئے کہیں سے آ گیا ہو ۔اس نے شدتِ جذبات میں کہا

’’چل پھر نکل۔‘‘

’’پہلے ہتھیار تو لے لیں۔‘‘ساجد نے کہا اور لاؤنج سے اندر کی جانب چلا گیا۔نینا بھی اس کے پیچھے ہی چل دی۔

☆......☆......☆

اس وقت وہ دونوں ساجد کی ہی کی فور وہیل پر تھے۔وہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ نینا نے اپنی کار وہیں فارم ہاؤس میں چھوڑ دی تھی۔اس کے ذہن میں جو پلان تھا،اسی کے مطابق اس نے ہتھیار لے لیئے تھے۔وہ شہر سے باہر آ چکے تھے۔اُن کے درمیان خاموشی تھی۔دونوں ہی اپنی اپنی جگہ چپ تھے۔ان کے سورس نے جو کچھ بتایا تھا،انہوں نے اس پر آپس میں کافی بات کر لی ہوئی تھی۔وہ صرف دو تھے اور وہ جانتے تھے کہ جہاں وہ جا رہے ہیں اس ڈیرے پر کافی سارے لوگ ہوں گے۔ساجد نے ایک جگہ پر آ کر فور وہیل آہستہ کی اور بائیں جانب جاتے ہوئی ذیلی پختہ سڑک کو دیکھا۔ہر طرف اندھیرا تھا۔سڑک کے نیچے فصلیں تھیں۔ہیولوں کی مانند درخت کھڑے تھے۔ اس نے باہر کا جائزہ لے کر تصدیق کرنے کے لئے نینا سے پوچھا

’’یہی سڑک ہے نا؟‘‘

’’یہی ہے۔‘‘اس نے تصدیق کر دی۔

ساجد نے اس سڑک پر دور وہیل موڑ دی۔تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بستی تھی،جس سے پہلے ہی وہ ڈیرہ تھا۔وہ ڈیرہ سڑک ہی سے دکھائی دے رہا تھا۔نینا نے اسے سڑک پر رکنے کو کہا اور فون نکال کر اپنے سورس کو کال ملائی۔پوری بیل بھی نہیں بجنے پائی تھی کہ کال رسیو کر لی گئی۔

’’بولو کہاں ہیں وہ لوگ۔‘‘

’’مین گیٹ کے دائیں جانب جو کمروں کی قطار ہے،اس کے برآمدے میں ہیں۔کچھ وہیں بیٹھے ہوئے تاش کھیل رہے ہیں اور کچھ سو گئے

ہیں۔"

"گیٹ پر کون ہیں، بند ہے یا کھلا ہوا ہے ابھی؟" اس نے پوچھا

"گیٹ پر ایک ہی بندہ ہے ابھی۔اور گیٹ کھلا ہوا ہے۔کچھ دیر میں جب دوسرا بندہ آجائے گا تو گیٹ لگ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، تم نکل جاؤ ڈیرے سے۔" نینا نے کہا

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے کہا تو نینا نے کال بند دی۔ پھر اس نے ساجد کو ساری بات بتا دی۔اس نے فور وہیل کی ہیڈ لائیٹس بند کرتے ہوئے اس کچے راستے پر ڈال دی جو اس ڈیرے کی طرف جاتا تھا۔

نینا کی بھنوئیں تن گئیں تھیں۔وہ پوری توجہ سے اس ڈیرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔تقریباً سو میٹر کے فاصلے پر اُس نے فور وہیل روک دی۔ نینا نے اپنے قدموں میں پڑے راکٹ لانچر کو اٹھایا اور نیچے اتر گئی۔باقی ہتھیار اس کی جیکٹ میں تھے۔اسی لمحے ساجد نے فور وہیل کو گھمایا اور یوں موڑ کر کھڑی کر دی کہ بھاگتے ہوئے بھی اس میں آن بیٹھیں۔ساجد تیز قدموں سے چلتے ہوئے نینا تک آیا اور آتے ہی راکٹ لانچر پکڑ لیا۔اس نے اپنی جیکٹ میں سے راکٹ نکالا اور لانچر کے بیرل میں لگانے لگا۔تب تک نینا نے دو پسٹل نکال لئے تھے۔اس نے اردگرد دیکھا اور محتاط انداز میں گیٹ پر جا پہنچی۔

اس نے ہلکے سے گیٹ کھولا تو سامنے ہی ایک آدمی گن لئے کھڑا تھا۔ بائیں جانب برآمدے میں کافی شور مچا ہوا تھا۔گیٹ سے کچھ دور کھڑے اس بندے کی ساری توجہ اسی برآمدے میں تھی۔تبھی اسے سمجھ آ گئی کہ گیٹ پر کھڑے بندے کو فور وہیل کے آنے کی آواز کیوں نہیں سنائی دی۔چارپائیوں پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔وہ تاش کھیلنے میں مشغول تھے۔ وہ زور زور سے باتوں کرنے کے علاوہ گالیاں بھی بک رہے تھے۔سامنے رہائشی عمارت میں کوئی نہیں تھا۔خبر دینے والے نے بالکل ٹھیک اطلاع دی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر ساجد کو دیکھا، وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ساجد سمجھ گیا کہ اب کیا کرنا ہے۔نینا نے سامنے کھڑے آدمی پر پسٹل تانتے ہوئے آہستہ سے بڑبڑائی

"ایک......دو......تین۔"

تین کہتے ہی اس نے فائر کر دیا۔نینا نے جیسے ہی فائر کیا تھا، اس کے ساتھ ہی اس نے نیچے بیٹھتے ہوئے گیٹ کھول دیا۔فائر کے ساتھ ایک چیخ بلند ہوئی اور اگلے ہی لمحے برآمدے کی جانب راکٹ فائر ہو گیا۔ایک زبردست دھماکا ہوا۔ساتھ ہی زور زور سے چیخیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔چند لوگ صحن کی طرف بھاگے، کیونکہ برآمدہ کی چھت سے اینٹیں گرنے لگیں تھیں۔ان کا صحن کی جانب آنا ہی غلطی ثابت ہوا تھا۔نینا زمین پر پڑی تاک تاک کر ان کا نشانہ لینے لگی۔ساجد نے اس وقت تک ایک مزید راکٹ فٹ کر لیا تھا۔اسے یقین تھا کہ اس قدر حملہ ہو جانے کے بعد سامنے کے رہائشی حصے میں سے لوگ ضرور باہر نکلیں گے۔لیکن کوئی باہر نہیں آیا۔جو سامنے تھے زمین پر پڑے تڑپ رہے تھے۔نینا نے رسک لینا مناسب نہیں سمجھا، وہ اٹھتے ہوئے بولی

"نکلو، ساجد۔"

یہ کہتے ہوئے وہ گیٹ کی جانب چل دی۔ایسے میں سامنے کی رہائشی حصے سے فائر ہوا۔ساجد اور نینا گیٹ کی اوٹ میں ہو چکے تھے۔ساجد نے گھوم کر ایک راکٹ وہاں بھی فائر کر دیا۔ایک دھماکا ہوا اور وہاں پر آگ لگ گئی۔وہ مزید وہاں دیکھنے کے لئے نہیں رُکے بلکہ تب تک یہ دونوں فور وہیل تک آن پہنچے تھے۔یہ دونوں اس میں بیٹھے اور وہاں سے نکل پڑے۔ساجد نے انتہائی تیزی میں وہاں سے فور وہیل نکالی تھی۔نینا نے اپنے سورس کو کال ملائی

"کہاں ہو؟"

"میں ڈیرے سے کافی دور کھیت میں ہوں۔"

’’وہاں جاؤاور وہاں پر جا کر دیکھو۔میں اس کے بارے میں تفصیل کچھ دیر بعد پوچھتی ہوں۔رقم تیرے گھر ابھی پہنچ جاتی ہے،تھوڑی دیر بعد پتہ کر لینا۔‘‘

’’جی ٹھیک ہے۔‘‘اس نے کہا تو نینا نے فون بند کر دیا۔ساجد طوفانی انداز میں فوروہیل بھگائے جارہا تھا۔وہ جلد از جلد طے کردہ ٹھکانے پر پہنچ جانا چاہتے تھے۔راستے میں اس نے اپنے سورس کو فون کر کے پوچھا

’’ہاں بتا،کتنے مر گئے کوئی بچا تو نہیں؟‘‘

’’سبھی مر گئے ہیں۔سب کچھ جل رہا ہے۔‘‘اس نے تیزی سے کہا تو نینا بولی

’’کال بند ہونے کے بعد اپنا فون اس آگ میں پھینک دینا،اب میں تمہیں کال نہیں کروں گی۔‘‘

’’جی ٹھیک ہے۔‘‘اس نے کہا تو نینا نے کال بند کر دی۔کچھ فاصلے پر نہر آئی تو نینا نے اپنا فون نہر میں پھینک دیا۔اس نے اپنے پاس شعیب کا دیا ہوا فون ہی رکھا۔باقی وہ سب سے اپنا رابطہ ختم کر دینا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

صبح کی روشنی نے اس کمرے میں آکر ہر شے روشن کر دی تھی جہاں وہ سوئی ہوئی تھی۔وہ بیڈ سے اٹھی تو دائیں جانب بنی کھڑکی کھولی۔دوسری منزل کے اس کمرے سے سامنے دور دور تک فصلوں کی ہریالی دکھائی دے رہی تھی۔یہ فارم ہاؤس نہیں تھا۔بلکہ شہر سے باہر ساجد کا ایک بنگلہ تھا،جو انہوں نے نیا تعمیر کروایا تھا۔ساجد رات اسے وہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ نینا اس کے بارے میں سوچنے لگی۔یہ ساجد،اچانک کہاں سے آگیا۔کیا اس کے دل میں شعیب کی اس قدر محبت ہے کہ اس کا انتقام لینے یہ اس کے ساتھ جڑ گیا ہے؟یا اس کا بھی اپنا کوئی ذاتی مفاد ہے؟وہ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں دے سکتی تھی۔

اس نے اپنے ساتھ رابطے ختم کر دیئے تھے۔وہ یہ بات سمجھ چکی تھی کہ یہ دنیا اگر کسی کی مدد کرے گی بھی تو پہلے اس کا اپنا ذاتی مفاد ہوگا۔یہ مفاد وہ کس طرح لیتی ہے،یہ اپنا اپنا طریقہ ہے۔کون کس طرح اپنا مفاد نکالتا ہے۔اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ایک یہ کہ وہ یونہی لوگوں کے مفاد کے لئے استعمال ہوتی رہے اور جب بھی موقعہ ملے اپنا مقصد حاصل کر لے ،دوسرا وہ لوگوں کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دے اور اپنے مقصد کو خود حاصل کرے۔وہ ابھی اس پر سوچ ہی رہی تھی کہ پشت پر دروازہ بجا۔کسی نے دستک دی تھی۔وہ پلٹ کر دروازے تک آئی۔تب تک دستک پھر ہوئی اس کے ساتھ ہی ساجد کی آواز آئی

’’کھول رہی ہوں۔‘‘نینا نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔

ساجد نے نینا کو سر سے پیر تک دیکھا پھر اس کی جانب ایک شاپنگ بیگ بڑھا کر مسکراتے ہوئے بولا

’’یہ کچھ کپڑے ہیں،فریش ہو کر پہن لو،ناشتہ نیچے کرنا ہے آکر،میں انتظار کر رہا ہوں۔‘‘

’’اوکے۔‘‘نینا نے کہا اور شاپنگ بیگ پکڑ لیا۔

کچھ دیر بعد وہ نیچے لاؤنج میں آئی تو ناشتہ لگا ہوا تھا۔ساجد ایک سرے پر بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔وہ بیٹھی تو ساجد نے کہا

’’یہ لو،خبر دیکھو،مٹھن خان نے اسمبلی رکنیت سے استعفی دے دیا ہے۔‘‘

’’مجھے اس کے استعفی دینے یا نہ دینے سے کیا مطلب،کیا کسی رکن اسمبلی کے گولی نہیں لگتی؟‘‘نینا نے اخبار کی طرف ہاتھ بڑھائے بنا کہا

’’اس سے فقط یہ ہوا ہے کہ اس کی طاقت پہلے سے بہت کم ہو گئی ہے۔پہلے جو حکومت کا اس کے ساتھ سہارا ہوتا تھا،وہ اب نہیں رہا۔‘‘ساجد نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا

’’ہوں،یہ تو ہے لیکن وہ اپنے ارد گرد زیادہ سیکورٹی کر لے گا۔‘‘اس نے پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا

”لیکن خبر یہ ہے کہ وہ اب ملک میں نہیں رہے گا، باہر چلا جائے گا۔اس میں زیادہ دن نہیں لگیں گے،بس یہی دو چار دن، وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ یہاں سے شفٹ ہوجائے گا۔اس طرح تو زیادہ مشکل نہیں ہوجائے گا“ ساجد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو نینا نے آنکھیں بند کرتے ہوئے انتہائی غصے میں کہا

”میں اسے یوں نہیں جانے دوں۔“

”کیسے روک پاؤ گی اُسے۔ایک بار یہاں سے چلا گیا تو پھر بہت مشکل ہوجائے گی۔مٹھن خان کو مارنا ایک خواب ہوجائے گا“ ساجد نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا

”میں اس خواب کو حقیقت بنادوں گی۔“ نینا نے کہا اور خاموش ہوگئی۔ساجد نے بھی کوئی بات نہیں کی۔دونوں ناشتہ کرنے لگے۔کتنی دیر تک ان میں خاموشی رہی۔یہاں تک کہ وہ ناشتے سے فارغ ہوگئے۔ایک ملازمہ برتن اٹھانے لگی تو وہ دونوں اٹھے اور باہر کاریڈور میں جابیٹھے۔

”نینا مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آرہی ہے، کیا تم اس کا جواب دے پاؤں گی؟“ ساجد نے گہرے لہجے میں پوچھا

”سمجھ تمہیں نہیں آرہی، جواب میں دوں، یہ کیا بات کررہے ہو؟“ وہ طنزیہ لہجے میں بولی

” ابھی تم نے کہا کہ تم خواب کو حقیقت بنادوں گی، یہ کیسے ممکن ہوگا؟ کیا تم یہ فقط خود کو حوصلہ سے رہی ہو۔ یا پھر یونہی بڑ ہانک رہی ہو، کیا ہے؟ صرف کہہ دینے سے تو خواب حقیقت میں نہیں بدلتے ،اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ ساجد نے سخت بات بھی بڑے نرم لہجے میں کی تھی۔اس پر نینا چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ظاہر ہے کچھ کرنا پڑے گا لیکن۔! پہلے یہ کنفرم کرنا ہوگا کہ وہ واقعی ہی باہر جارہا ہے یا اس نے افواہ اڑائی ہے؟ ان سیاست دانوں کا کیا پتہ؟“

”تم چاہو تو اپنے ذرائع سے تصدیق کرسکتی ہو۔ورنہ کل سے یا شاید آج سے ہی میڈیا میں آجائے گا۔“ ساجد نے گہرے لہجے میں کہا

” اب دیکھنا میں خواب کو حقیقت کیسے بناتی ہوں۔ مجھے یہ کرنا ہوگا۔“ وہ ایک عزم سے بولی تو ساجد نے جیب سے ایک سیل فون نکالا اور اسے دیتے ہوئے بولا

”میں ایک فون کال پر ہوں۔ یہ فون لو، مجھ سے رابطہ میں رہنا۔اگر کچھ سمجھ میں آجائے تو کال کرلینا۔“

نینا نے فون پکڑ لیا۔پھر اسے دیکھتے ہوئے بولی

”ٹھیک ہے۔“

ساجد اٹھا اور چلا گیا۔نینا وہیں بیٹھی سوچ میں پڑ گئی کہ اگر مٹھن خان باہر چلا گیا تو پھر کیا ہوگا؟

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ اسے خیال آگیا۔وہ معلومات لے سکتی تھی۔اس کے پاس پرانا کوئی فون نہیں تھا لیکن اس نے شعیب والے فون میں اپنے مطلب کے نمبر محفوظ کئے ہوئے تھے۔وہ ان سے کال کرسکتی تھی۔ اس نے رضیہ کا نمبر ملایا۔مگر دوسری طرف سے کوئی رنسپانس نہیں ملا۔اسے لگا جیسے یہ نمبر ہی بند ہوگیا ہو۔کچھ دیر تک کوشش کرنے کے بعد اس کے دماغ میں عجیب وغریب خیال آنے لگے۔اگر رضیہ کی معلومات نہ ہوتیں تو وہ موی کو کبھی اغوا نہیں کرسکتی تھی۔کہیں اس کے بارے میں پتہ تو نہیں چل گیا؟ وہ پکڑی تو نہیں گئی؟ اس کے ساتھ کچھ ہو نہ گیا ہو؟ یہ سوچتے ہی اسے رضیہ پر بہت ترس آنے لگا تھا۔اب وہ جب تک اسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتی یا اس کے بارے میں کوئی حتمی خبر نہ مل جاتی اس نے بے چین ہی رہنا تھا۔اس نے خود ملنے کا ارادہ کرلیا۔لیکن اس کے لئے اُسے شام تک انتظار کرنا تھا۔وہ اپنے دوسرے سورس تلاش کرنے لگی، جن سے اسے معلومات مل سکتی تھیں۔ان میں سے ایک بندہ ملا، جس کے ذمے اس نے یہ کام لگایا۔اس نے بے دلی سے یہ کام لے لیا۔

سہ پہر کے بعد وہ رضیہ کے گھر جانے کے لئے اپنی کار پر نکل پڑی۔ان کی گلیوں میں کار تو جاسکتی تھی لیکن وہ کار کو گلی میں کھڑی کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔اس نے کار مین سڑک پر موجود ایک شاپنگ سینٹر کے پارکنگ میں چھوڑی اور وہاں سے پیدل چلتی ہوئی اس گلی میں جا پہنچی جہاں رضیہ کا گھر تھا۔اس نے شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک بڑی سی چادر اوڑھی ہوئی تھی، جس کے پلّو سے اس نے چہرے کو ڈھانپا ہوا تھا۔اس نے دروازے پر دستک دی اور پھر اندر داخل ہو گئی۔

رضیہ سامنے ہی صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔اس کا بچہ اس کے پاس بیٹھا کھیل رہا تھا۔رضیہ اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں لہرانے لگیں۔ ایک طرف اگر رضیہ کو دیکھنے کے بعد نینا کو اطمینان مل گیا تھا تو دوسری جانب رضیہ کا خوف معنی خیز تھا۔وہ نینا کو دیکھ کر لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

’’تم، یہاں اس وقت؟‘‘

’’کیوں کیا ہوا، تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟‘‘ نینا نے اس سے پوچھا تو ادھر اُدھر دیکھ کر بولی

’’خدا کے لئے تم یہاں سے چلی جاؤ، اگر میرے شوہر نے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔وہ تمہیں پکڑوا دے گا۔‘‘

’’کیوں پکڑوا دے گا مجھے، بات کیا ہے؟ تم اتنا ڈری ہوئی کیوں ہو؟‘‘ نینا نے پوچھا

’’اندر آؤ، میں تمہیں بتاتی ہوں۔ٹھہرو، میں دروازے کی کنڈی لگا آؤں۔‘‘ رضیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔وہ تیزی سے بڑھی ۔اس نیا ہر والے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ پلٹ کر اس نے اپنے بچے کو اٹھایا اور نینا کا ہاتھ پکڑ کر اندرونی کمرے کی طرف چلی گئی۔

’’تمہیں ہوا کیا ہے اتنی خوف زدہ کیوں ہے؟‘‘ بالآخر نینا نے پوچھ ہی لیا۔

’’دیکھ تو جتنی جلدی ہو سکتا ہے، یہاں سے چلی جا۔تمہارا یہاں ہونا، سمجھو تمہارے لئے موت ہے۔‘‘ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی تو نینا نے اسے کاندھوں سے پکڑتے ہوئے کہا

’’صاف بات کرو، پہیلیاں مت ڈالو۔‘‘

’’تم نے جو رقم میرے خاوند کو دی تھی، وہ تو ساری کی ساری جوئے میں ہار گیا۔اب اس نے مجھ سے کہا ہے کہ تم جب بھی آؤ، تمہیں یہاں بٹھا لوں، وہ مٹھن خان کو بتا دے گا، اور.....‘‘ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

’’ایسا کیوں کہا اس نے، میں اسے اس سے بھی زیادہ رقم دے سکتی ہوں؟‘‘ نینا نے پوچھا

’’اب رقم لے کر بھی وہ تمہارے کام نہیں آ سکتا نا، اب ہم وہاں ملازم نہیں رہے، مومی والے حادثے کے بعد انہوں نے سارے ملازمین وہاں سے نکال دیئے ہیں۔‘‘

’’اب کہاں ہو؟‘‘ اس نے پوچھا

’’ہم اب گھر پر نہیں کہیں، دوسری جگہ کام کرتے ہیں۔لیونکہ انہیں ہم پر سب پر شک تھا بلکہ اب بھی ہے۔ہم تمہیں کوئی خبر نہیں دے سکتے، تو رقم کیسے لے سکتے ہیں۔اسے تو ایک لمبی رقم اسی صورت مل سکتی ہے کہ تیرے بارے میں انہیں بتا دے۔‘‘ وہ اپنی ہی جھونک میں کہتی چلی گئی تھی۔

’’سن۔! تو پھر تم کیا زندہ بچ جاؤ گی؟‘‘ نینا نے کہا

’’کیا مطلب؟‘‘ اس نے پوچھا

’’مطلب یہ، وہ سارا مدعا تم پر ڈال دے گا، خود رقم لے کر الگ۔تم نے ایسے نہیں سوچا؟‘‘ نینا نے کہا تو اس کی آنکھیں پھیل گئی۔وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی

''نہیں نہیں۔ وہ تو اپنا دامن صاف کرنا چاہتا ہے، اپنی وفاداری کا ثبوت......'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے رُکی پھر سوچتے ہوئے بولی،'' تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''بے وقوف، تیرا شوہر تجھے مار ڈالے گا، بچ جا اُس سے۔'' نینا نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''اب میں کیا کروں، وہ آ گیا تو......'' رضیہ مزید سہم گئی تھی۔ نینا نے اسے ایک چار پائی پر بٹھاتے ہوئے ڈھارس دی۔ اس کے کاندھو پر ہاتھ رکھ کر بولی

''کچھ نہیں ہوتا، میں تجھے کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ، انہوں نے تم پر شک تو نہیں کیا؟''

''نہیں، انہیں بالکل بھی پتہ نہیں چلا، انہوں نے سبھی ملازمین پر شک کیا تھا، اب بھی وہ اس تلاش میں ہیں۔ میں نے شکر کیا کہ اب وہاں کام نہیں کر رہی ہوں، ورنہ......'' رضیہ کہتے ہوئے اس نادیدہ سزا سے ڈرتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ جو اسے مل سکتی تھی۔ ان دونوں میں خاموشی چھا گئی تھی۔ نینا کو مایوسی ہوئی تھی۔ اُسے بڑی امید تھی کہ رضیہ سے بہت ساری باتیں معلوم ہو جائیں گیں۔ تبھی اس نے پوچھا

''اچھا یہ بتاؤ، مٹھن خان اور اس کا خاندان کیا باہر کے ملک جا رہا ہے ہمیشہ کے لئے؟''

''مجھے نہیں پتہ، اب میں گھر میں نہیں ہوتی، مجھے اس بارے کچھ بھی نہیں پتہ۔'' اس نے خوف زدہ سے آواز میں کہا تو نینا کے ذہن میں ایسے ہی ایک تجسس ابھرا۔ اس لئے پوچھا

''اچھا یہ بتاؤ، مومی کی واپسی بارے پتہ ہے کیسے ہوئی، کس نے اسے چھڑوایا؟''

''مجھے تفصیل سے نہیں پتہ، لیکن اتنا ضرور پتہ ہے کہ کسی عورت سے ڈیل ہوئی تھی ان کی۔'' اس نے یاد کرتے ہوئے کہا تو نینا نے تیزی سے پوچھا

''عورت، کیا نام تھا اس کا؟''

''یہ تو میں بتا نہیں سکتی، عجیب سا نام تھا، جیسے بی بی صاحب، اس نے ڈیل کی تھی لیکن کوئی دوسری عورت تھی جس کی وجہ سے اس نے وہ ڈیل کی، وہ تم ہی تھی؟'' رضیہ نے کہتے ہوئے اس سے تصدیق کی تو نینا نے سوچتے ہوئے پوچھا

''تمہیں بہزاد کے بارے میں پتہ ہے وہ کون تھا؟''

''مجھے اس کے بارے زیادہ پتہ نہیں چل سکا۔ ہمیں تو وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا، کسی کو اندر ہی جانے نہیں دیتے تھے۔'' رضیہ نے جواب دیا پھر اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی،'' اب تم چلی جاؤ خدا کے لئے، وہ آنے والا ہوگا۔''

''اچھا، چلی جاتی ہوں۔ لیکن اپنے خاوند سے پوچھنا، اگر کوئی بات پتہ چلے تو مجھے ضرور بتانا۔''

''میں بتا دوں گی۔'' اس نے کمرے سے باہر کی طرف نکلتے ہوئے تیزی سے کہا ، اس پر نینا کو بھی وہاں سے نکلنا پڑا۔

وہ پارکنگ تک جاتے ہوئے یہی سوچتی رہی کہ بی بی صاحب کو کس وجہ سے مجبور ہونا پڑا؟ کیا وہ اس قدر طاقت نہیں رکھتیں کہ بی بی صاحب کو بھی مجبور ہونا پڑا؟ بی بی صاحب کیوں مجبور ہو گئیں؟ سوال تھے کہ جیسے اس پر برستے ہی چلے جا رہے تھے۔ وہ کار لے کر نکلی تو اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ وہ جس قدر سوچتی چلی جا رہی تھی، اسی قدر اس کی بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اُسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

وہ کار پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد جب لاؤنج میں آئی تو ساجد صوفے پر نیم دراز سیل فون پر کوئی گیم کھیل رہا تھا۔ وہ ساتھ والے صوفے پر بیٹھی تو اس نے فون ایک طرف رکھتے ہوئے کہا

''کچھ پتہ چلا، کب جا رہا ہے مٹھن خان یہاں سے؟ جا بھی رہا ہے کہ نہیں؟''

''نہیں پتہ چلا۔ میرا جو سورس تھا اسے نہیں معلوم، ایک اور ہے، دیکھیں وہ کیا جواب دیتا ہے۔'' اس نے بے دلی سے کہا

''کیا ہم اسی خبر کی انتظار میں بیٹھے رہیں گے؟'' ساجد نے سیدھا ہوتے ہوئے پوچھا

''بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اگر ہمیں پتہ چل بھی جائے تو اس کے بعد کوئی نہ کوئی لائحہ عمل تو بنانا پڑے گا۔ کیوں نہ پہلے ہی کچھ ایسا کر لیا جائے۔'' نینا نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا تو ساجد نے کہا

''مثلاً کیا؟''

''اُسے کسی نہ کسی طریقے سے باہر نکالا جائے۔ اسے مجبور کیا جائے کہ وہ عام عوام میں آئے۔'' اس نے کہا

''وہ کوئی بے وقوف بندہ نہیں ہے۔ ساری زندگی اس نے یہی کھیل کھیلا ہے۔ اپنا اتنا بڑا نقصان کروا لیا اس نے۔ ایک بیٹا مروا لیا، دوسرا اپاہج بن گیا ہے۔ بیٹی مرتے مرتے بچی ہے۔ وہ بہت کائیاں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رُکا پھر کہتا چلا گیا'' جہاں تک میری معلومات ہیں، مٹھن خان پچھلے دو ماہ سے اپنے ڈیرے پر بھی نہیں گیا، وہ اس قدر محتاط ہو چکا ہے۔ اس نے اگر شعیب کو مارا تو بھی اُسے ڈیرے پر نہیں رکھا بلکہ اپنے فارم ہاؤس پر رکھا۔ اتنا محتاط ہونے کے باوجود اس کی بیٹی اغوا ہو گئی۔ وہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔''

''اگر ہم کوشش کریں تو اسے باہر نکال سکتے ہیں، کچھ نہ کچھ تو ایسا کرنا ہو گا۔'' نینا نے اپنی بات منواتے ہوئے کہا

''دیکھو۔! اس طرح کی صورت حال میں صرف دو طرح کے لوگ ہی اسے باہر لا سکتے ہیں۔ یا تو اس کے انتہائی قریبی، لوگ جن پر وہ یقین رکھتا ہے یا پھر اس کے انتہائی دشمن، جو اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کے خلاف مہم چلانے میں بھی دن لگ جائیں گے۔'' ساجد نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''ایک بات ہے ساجد، اگر اس پر سوچ لیا جائے تو......'' نینا نے چونکتے ہوئے کہا

''وہ کیا؟'' اس نے پوچھا

''وہ یہاں سے چلا جاتا ہے۔ اس کے یہاں سے چلے جانے کے بعد سب سے زیادہ فائدہ کس کو ہوتا ہے؟'' نینا نے پوچھا تو ساجد نے سنجیدگی سے کہا

''ظاہر ہے اس کے مخالفین کو، اور سب سے زیادہ اُسے جس نے ایم این اے کی سیٹ لینا ہے۔''

''تو کیوں نا مٹھن خان کے جاں نثار دوستوں کے لئے غضب بن جائیں، پھر تو نکلے گا باہر۔ یا پھر مخالفین کو ماریں، دونوں صورتوں میں اپنا تو کام ہو جائے گا۔'' نینا نے صلاح دی تو ساجد کچھ دیر سوچتا رہا، پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا

''یہ ایک لمبا، اور بہت زیادہ رسک والا راستہ ہے۔ ہم کہیں بھی اور کسی بھی جگہ گھیرے جا سکتے ہیں۔ مقصد پھر درمیان میں رہ جائے گا۔''

'' تو پھر کیا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔'' وہ زچ ہوتے ہوئے بولی

''میرے خیال میں جب تک کوئی ایسا راستہ نہیں مل جاتا جس یقینی ہو، تب تک ہم مٹھن خان تک پہنچنے کے لئے کچھ نہیں کریں گے اور نہ کر سکتے ہیں۔'' اس نے حتمی لہجے میں جواب دیا تو ایک لمحہ کو اسے یوں لگا جیسے یہ ساجد اس کا حوصلہ ختم کر رہا ہے۔ کہیں یہ مٹھن خان کو محفوظ راستہ تو نہیں دینا چاہتا۔ یہ سوچتے ہی اس کا دل اُوب گیا۔ وہ کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہی پھر اٹھ کر واپس چل دی۔ اسے یہاں بیٹھنا بہت بھاری بہت رہا تھا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ خود کو سنبھالا دینا چاہ رہی تھی۔ شعوری طور پر وہ یادوں کی اسی راستے پر ہو لی تھی، جو اس کے اپنے گاؤں کی طرف جاتا تھا۔ اس کی بے چینی اسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ کئی بار اس راستے سے گذری تھی، جہاں سے اس کے گاؤں کو سڑک جاتی تھی۔ وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ وہی دکانیں، وہی لوگ، ویسے ہی بس یا وین کی انتظار میں کھڑے لوگ، سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہ خود تو بدل گئی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قسمت پر لکیر پھیر لی ہوئی تھی لیکن جس کے لئے یہ سب کیا تھا، وہ مقصد ابھی تک حاصل نہیں کر پائی تھی۔ وہ وہیں کھڑی تھی

جہاں سے چلی تھی۔اسی سوچ نے اس کے اندر دکھ کی لہریں پھیلا دیں،جس کا درد اس نے پورے وجود میں محسوس کیا۔اس نے ایک طویل سانس لیا اور ان یادوں سے نکلنے کیلئے کوشش کرنے لگی۔اسے لگا جیسے وہ مایوسی کی انتہا پر پہنچ چکی ہے۔

جب اس نے اپنی زندگی کے بارے میں سوچا تو اُسے پرانا وقت یاد آنے لگا۔وہ اس جگہ پر رک گئی جہاں ایک چلتی ہوئی وین سے اس نے چھلانگ لگا دی تھی۔یادیں یوں دَرآنے لگیں جیسے اس کے سامنے ایک فلم چل پڑی ہو۔ذہن میں پرانی یادیں گردش کر رہی تھیں۔ایسے میں اس کی یادوں سے وہ خاتون کانسٹیبل نے جھانکا،جس نے اس کی مدد کی تھی۔وہ نجانے اب کہاں ہوگی؟اس کیساتھ ہی ایک مزید چہرہ ابھرا،درمیانے قد کا ادھیڑ عمر شخص،وہ اس کے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوا تھا۔ اگر وہ اس وقت اس کی مدد نہ کرتا تو نجانے وہ اب کہاں ہوتی؟ جس وقت وہ پولیس کی نوکری کر رہی تھی،تب اس نے اس محسن کے بارے میں معلومات لی تھیں۔اس کا نام سید قدرت اللہ شاہ تھا۔اس علاقے کے بڑے زمینداروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔لیکن اس میں ایسی کوئی خُو بُو نہیں تھی جو ان زمینداروں میں ہوتی ہے۔وہ نہ تو علاقائی سیاست میں حصہ لیتا تھا اور نہ ہی اسے سامنے آنے کا شوق تھا۔اب پتہ نہیں اس خاتون کانسٹیبل کا اس سے کیا تعلق تھا کہ وہ فوراً ہی اس کی مدد کو آن پہنچا تھا۔وہ جانتی تھی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔لیکن ملی اس لئے نہیں کہ وہ انہیں کیا بتائے گی۔وہ اسی انتظار میں تھی کہ کبھی آمنا سامنا ہوا تو ان کا شکریہ ادا کر دے گی۔ان کے پاس جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ اسے ندامت ہونے لگی،اس نے ٹھان لی کہ وہ اپنے اس محسن سے ایک بار ضرور ملے گی۔انہی سوچوں میں گھری وہ بیڈ پر پڑی رہی۔

سہ پہر ہو چلی تھی۔اسے کمرے کا ماحول بھی اچھا نہیں لگنے لگا تھا۔وہ باہر نکل کر ٹیرس پر آ گئی۔سارے منظر پھیکے ہو گئے ہوئے تھے۔وہ مایوسی کی انتہا پر تھی۔اس کا دل چاہا کہ یہاں سے نکل جائے۔اس نے سوچا کیوں نہ وہ اپنے محسن ہی سے ملنے چلی جائے۔وہ زیادہ دیر ٹیرس میں نہ رک سکی۔وہ نیچے لاؤنج میں آ گئی۔

☆......☆......☆

ابھی رات کا پہلا پہر بھی نہیں گذرا تھا۔وہ مضطرب سی لان میں پڑے ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ یہ بات سوچ چکی تھی کہ آر یا پار،اسے جی کر تو کچھ نہیں کرنا،لیکن مٹھن خان کو مارے بغیر اس کی روح بے چین رہے گی۔جس طرح کوفدائی حملہ کرتا ہے،اسے بھی ایسا ہی حملہ کرنا ہوگا۔وہ سوچ رہی تھی کہ ایک بار مٹھن خان کے گھر میں گھس جائے۔اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر جو راستے میں آتا ہے اسے مار دے۔یہ اس کی آخری کوشش ہوگی۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا سیل فون ہلکی سی آواز کے ساتھ بجنے لگا۔وہ ساجد کا فون تھا

”کہاں ہو؟“ساجد نے تیزی سے پوچھا

”لان میں بیٹھی ہوں،خیر ہے؟“اس بتاتے ہوئے سوال کر دیا،تو اس نے کہا

”یہاں آؤ،ہم نے کہیں جانا ہے۔“

”آرہی ہوں۔“اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں ساجد نہیں تھا،اس احساس ہوا کہ وہ باہر پورچ میں ہے۔وہ اس تک گئی تو ساجد اسے دیکھتے ہوئے بولا

”آؤ چلیں۔“یہ کہہ کر وہ کار کی جانب بڑھ گیا،نینا کوئی سوال کئے بنا پسنجر سیٹ پر آن بیٹھی۔ساجد نے کار بڑھا دی۔کافی دیر تک خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہنے کے بعد ساجد نے اس سے پوچھا

”پوچھو گی نہیں کہاں جانا ہے؟“

”نہیں،اگر تم بہتر سمجھتے ہو تو بتا دو گے،ورنہ منزل پر جا کر پتہ تو چل ہی جانا ہے۔“اس نے ایک زخمی سی مسکان کے ساتھ کہا۔اس کا انداز یوں تھا جیسے وہ ناراض ہو۔

’’ہم اس وقت بی بی صاحب سے ملنے جارہے ہیں۔‘‘اس نے دھیرے سے کہا تو نینا بری طرح چونک گئی۔وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا

’’تم انہیں کیسے جانتے ہو اور......‘‘

’’تمہارے ساری سوالوں کا جواب،ان کے پاس جا کر مل جائیں گے۔‘‘ساجد نے کہا اور ونڈ اسکرین کے پار سامنے سڑک پر دیکھنے لگا۔نینا بے چین ہوگئی تھی۔

ان کے سفر کا اختتام شہر کے پوش علاقے میں ہوا۔وہاں چار کنال سے کم کوئی بھی بنگلہ نہیں تھا۔نینا کئی بار یہاں سے گذر چکی تھی۔ساجد نے ایک بڑے سے گیٹ والے بنگلے کے سامنے کار روک دی۔ہارن دینے پر گیٹ کھل گیا۔وہ کار سمیت پورچ میں جا پہنچا۔

جیسے ہی کار رکی، چند لوگ فوراً ہی وہاں پر آگئے۔کوئی کار کے آگے ہوگیا،کوئی پیچھے کھڑا تھا،ایک نے دروازہ کھولا۔نینا سمجھ رہی تھی کہ یہ پروٹوکول کیوں ہے؟ یہ ان کی عزت افزائی نہیں، بلکہ یہ ایک طرح سے انہیں چیک کرنا تھا۔ساجد اور نینا کو وہ اپنے گھیرے میں لے کر داخلی دروازے سے اندر لے گئے۔لاؤنج پار کرنے کے بعد سبھی ایک جگہ رُک گئے۔سامنے دو لڑکیاں کھڑی تھیں،ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر نینا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا

’’جائیں،بی بی صاحب،آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔‘‘

نینا نے قدم بڑھائے تو وہ دونوں لڑکیاں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔

سامنے لان میں ملجگا اندھیر تھا۔اس میں ایک بڑا سا راتخت پوش سا رکھا ہوا تھا۔جس پر ایک اُدھیڑ عمر خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔اس کا لباس سفید تھا۔بڑا سا سفید آنچل اس نے اُوڑھا ہوا تھا۔اس کا چہرا ملجگے اندھیرے میں بھی چمک رہا تھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔چند قدم کے فاصلے پر جا کر نینا نے دیکھا کہ بی بی صاحب کے چہرے کے نقوش تیکھے تھے۔گول چہرے پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل قریب گئی تو بی بی صاحب نے اسے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھنے کا ہاتھ سے اشارہ کیا۔نینا اس کرسی پر جا بیٹھی تو بی بی صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسی نرم سے لہجے میں کہا

’’نینا۔! مجھے احساس ہے کہ تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتی ہو۔لیکن میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم بہت بڑی بھول میں پڑ چکی ہو۔جس کا تمہیں نقصان ہوسکتا ہے۔‘‘

’’بی بی صاحب۔! یہ جو حالات میرے سامنے ہیں، میں اگر ان پر سوچوں تو نتیجہ کیا ہوگا؟‘‘ وہ اطمینان سے بولی

’’تم ٹھیک کہتی ہو لیکن تمہارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ تم ہوش سے نہیں، جوش سے کام لیتی ہو۔یہ تمہارا قصور نہیں ہے، یہ عورت کی فطرت ہے کہ وہ آدھی بات پر ہی اپنا فیصلہ صادر کر دیتی ہے۔کیا تم نے یہ تحقیق کی کہ میں نے مومی کو مٹھن خان کے حوالے کیوں کیا؟‘‘ وہ نرم لہجے میں بولیں

’’میں کیسے جان سکتی ہوں؟‘‘نینا نے کہا

’’حالات کو صرف ایک ہی رُخ سے نہیں دیکھا جاتا، اس کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔جنہیں دیکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔جیسے کہ تمہارے معاملے میں ہے۔خیر، میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن اس سے پہلے میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہوں گی۔اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں کوئی احسان جتا رہی ہوں۔کیونکہ میری باتیں کچھ سوال پیدا کریں گی۔تمہیں پورا حق حاصل ہوگا کہ تم ان کا جواب چاہو۔‘‘

’’جی میں پوری توجہ سے سنوں گی۔‘‘نینا نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا،جس کے سامنے اس کا اپنا حسن ماند پڑ گیا تھا۔

’’مجھے تمہارے بارے میں سب سے پہلے اس وقت پتہ چلا، جب میڈم سمیرا اور کی بیٹی سائرہ قتل ہوگئیں۔ مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔میڈم

میری بیٹی کی ٹیچر رہی تھیں اور بہت اچھی خاتون تھیں۔کاش وہ مجھ سے رابطہ کر لیتی ۔مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔مٹھن خان کے ظلم بڑھتے چلے جا رہے تھے۔شاید وہ اتنا ظلم نہ کرتا، جتنا اس کا بیٹا فرحان خان کرتا چلا جا رہا تھا۔ان دونوں مجھے کوئی ایسا بندہ نہیں مل رہا تھا جو مٹھن خان کے ظلم کا شکار ہو چکا ہو اور اندر سے اس کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔کوئی نہیں تھا۔ایسے میں تم سامنے آئی تو میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔تم نے میری سوچ سے بھی بڑھ وہ کچھ جو عام بندہ نہیں کر سکتا تھا۔قدم قدم پر تمہاری مدد ہوتی رہی ۔ دو خفیہ والے تمہارے بارے میں جانتے ہوئے بھی تمہیں نظر انداز کر کے چلے گئے۔مٹھن خان نے تمہیں تلاش کرنے کے جو حربے استعمال کئے،ان کے بارے میں تم بھی نہیں جانتی ہو ۔لیکن ایک وقت پر آ کر میں بھی سازش کا شکار ہو گئی۔‘‘

’’سازش،آپ کے ساتھ؟‘‘ نینا نے بے ساختہ پوچھا

’’ہاں سازش، کسی جرات مند دشمن کا مقابلہ کرنا،اس کے ساتھ جیت یا ہار جانے کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن کسی منافق کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔کسی بھی مخلص بندے کو جب بھی نقصان ہوا ہے منافقین سے ہوا ہے، طاقت ور دشمن بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ پایا۔‘‘ نرم لہجے میں دکھ کی ہلکی سی رمق گھل گئی تھی۔

’’کون ہے وہ منافق؟‘‘ نینا نے پوچھا

’’بتاتی ہوں۔‘‘ انہوں نے یوں کہا جیسے خود پر قابو پا رہی ہو۔پھر بولیں،’’میڈم فاخرہ۔‘‘

’’وہ۔!وہ تو آپ کی......‘‘ نینا نے حیرت سے کہنا چاہا تو بی بی صاحب نے یوں انتہائی نرم لہجے میں کہا جیسے وہ خود پر قابو پا چکی ہوں۔

’’وہ جو بھی تھی،لیکن اب منافق ہے۔میں نے ہمیشہ اصول پسند دشمن کو معاف کرنا سیکھا ہے لیکن منافق کو نہیں۔‘‘

’’یہ کیا ہوا، مجھے کچھ بتائیں گی آپ؟‘‘

’’میں نے بتانے ہی کے لئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔‘‘ یہ کہہ کر وہ چند ثانیے خاموش رہیں، پھر کہتی ہی چلی گئیں،’’ تمہاری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ تم مومی کو لے کر عورت منزل چلی گئی۔خیر تمہیں بھی پتہ نہیں تھا،تم نے تو وہ محفوظ جگہ سمجھی تھی لیکن فاخرہ کو پتہ چل گیا کہ تم مومی کو لے کر عورت منزل میں ہو۔فاخرہ نے اسی وقت مٹھن خان سے رابطہ کر لیا۔اور پتہ ہے کیا کہا؟‘‘

’’جی،‘‘ نینا نے سرسراتے لہجے میں کہا

’’کہنے لگی وہ ایم این اے شپ سے استعفی دے کر یہاں سے چلا جائے تو میں مومی اس کے حوالے کر دوں گی۔اگر چاہو تو نینا بھی اس کے حوالے کی جا سکتی ہے اور مٹھن خان مان گیا۔اب اسے درمیان میں ایک ضمانتی چاہئے تھا۔اسی لئے اس نے مجھ سے رابطہ کیا۔اس میں اس کے دو فائدے تھے۔وہ براہ راست میری مخالفت نہیں لینا چاہتی تھی۔دوسرا مومی کی زندگی کی ضمانت چاہتی تھی۔اس نے کہا نینا بے وقوف ہے، مومی کو لئے پھرتی ہے،اسے استعمال کرتے ہوئے مٹھن خان سے بہت بڑی ڈیل کر سکتی ہے،وہ نہیں کر رہی تو میری ڈیل کروا دو۔‘‘ وہ بات نرم لہجے ہی میں کرتے ہوئے بولیں

’’آپ کی کیا مجبوری بن گئی تھی؟‘‘ نینا کے لبوں پر سوال آ ہی گیا تو بولیں

’’تمہاری زندگی،تمہارا اچھا رویہ،تم نے مومی کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔وہ تجھے مٹھن خان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔اس کا مفاد صرف اتنا تھا مٹھن خان استعفی دے دے اور یہاں سے چلا جائے۔اس کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔مجھے ناچار تمہیں کہنا پڑا۔‘‘ اس بار نرم لہجے میں بے چارگی گھلی ہوئی تھی۔

’’مطلب میں نہیں، فاخرہ نے اس کا فائدہ اٹھا لیا۔‘‘ نینا نے سوچتے ہوئے کہا

’’نینا،تم نہیں جانتی ہو، یہ لوگ کہیں نا کہیں اپنا مفاد مشترک رکھتے ہیں۔فاخرہ کا داؤ چل گیا۔حالانکہ کوئی وقت تھا دونوں میں زوروں کا عشق

چلا تھا۔شادی نہیں ہو پائی۔پھر ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے۔"

"مٹھن خان اور فاخرہ؟"نینا نے تجسس سے پوچھا

"جی یہی دونوں، یونیورسٹی کے دنوں میں، خیر ہمارا ان کے تعلقات سے کیا لینا دینا،ہمیں اس وقت سے مطلب ہے جو آج ہماری دسترس سے نکلا جا رہا ہے۔میں جانتی ہوں کہ تم مایوس ہو چکی ہو۔"

"آپ کیسے جانتی ہیں؟"نینا نے تلخ مسکراہٹ سے پوچھا تو نرم لہجے ہی میں بولی

"مجھے معلوم ہے کہ شعیب کے چلے جانے بعد تم تنہا ہو گئی ہو، میں نے ہی اس کے دوست ساجد کو مجبور کیا کہ وہ تمہارا ساتھ دے۔وہ تمہارے ساتھ ہے۔"

"مجھے کیا کرنا ہے؟"نینا نے سوچتے ہوئے پوچھا

"دیکھو، میرا کچھ نہیں گیا،سوائے فاخرہ کے،اب میرا اس کا تعلق نہیں رہا۔کوئی بات نہیں ہوتا رہتا ہے ایسا۔مجھے اب کوئی دلچسپی نہیں۔مجھے تمہاری فکر ہے۔اگر تم انتقام لینا چاہتی ہو تو تمہارے پاس ایک یا دو دن ہیں، مٹھن خان نے چلے جانا ہے۔اگلی ایم این اے فاخرہ ہو گی۔میں مدد دوں گی۔اور اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ اب تم کچھ نہیں کر سکتی ہو تو یہاں رہو،نوریا کے پاس کراچی چلی جاؤ، یا جہاں بھی زندگی گزارنا چاہو۔میں تجھے تحفظ دے سکتی ہوں۔فیصلہ تمہارا ہے۔"

"میں نے انتقام لینا ہے۔آپ یہ سمجھتی ہیں کہ یہی میری زندگی کا واحد مقصد ہے۔"نینا پر عزم لہجے میں کہا تو بی بی صاحب نے بڑے سکون سے کہا

"ٹھیک ہے۔مناسب وقت کا انتظار کرو۔محض ایک یا دو دن، میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گی،اب تم چاہو تو جا سکتی ہو ۔"بی بی صاحب نے اسی نرم لہجے میں کہا اور پہلو بدل لیا۔ایک لمحہ نہیں گزرا وہ دونوں لڑکیاں یوں نمودار ہوئیں، جیسے اُگ آئی ہوں ۔ نینا سمجھ گئی کہ ہو اب مزید نہیں بیٹھ سکتی۔وہ اٹھ گئی اور کوئی لفظ کہے بنا واپسی کے لئے چل دی۔

☆......☆......☆

روشن صبح نے سارے منظر واضح کر دیئے ہوئے تھے۔وہ بہت دنوں بعد سکون سے سو سکی تھی۔اگرچہ وہ رات گئے تک بی بی صاحب کی باتوں پر سوچتی رہی تھی، اب اس کا صرف ایک ہی کام ہے مٹھن خان کو ختم کرنا،جس میں بی بی صاحب نے مدد کا وعدہ کر لیا ہے، بالکل اس طرح جیسے وہ پہلے مدد کرتی چلی آ رہی ہے لیکن اسے صرف ایک ہی بات سمجھ میں آئی تھی اور وہ یہ تھی کہ اب اسے جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا ہے۔وہ سمجھ چکی تھی کہ اب اس نے کیا کرنا ہے۔فریش ہو کر ناشتہ کر لینے کے بعد اسے سکون کرنا چاہئے تھا لیکن اب وہ سکون سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔اس نے اپنی کار لی اور نکل پڑی۔

ایک مصروف مارکیٹ میں اس نے اپنی کار پارکنگ میں لگائی اور مارکیٹ میں گھس گئی۔یہاں اسے ایک آدمی سے ملنا تھا۔وہ اس کے لئے ایک بڑی رقم لئے منتظر تھا جو صاحبزادہ عبدالکریم نے بھیجی تھی۔اس نے کچھ دیر پہلے فون کر کے وہ رقم منگوائی تھی۔کچھ دیر تک وہاں گھومتے رہنے کے بعد وہ وہاں تک جا پہنچی جہاں اس آدمی نے ملنا تھا۔اس کے پاس ایک پیکٹ تھا۔وہ اس نے لیا اور مارکیٹ سے نکلی اور ایک رکشے میں جا بیٹھی۔اس کا رخ عطا ٹوانہ کی حویلی کی طرف تھا۔ اس نے رکشہ حویلی سے کئی گلیاں پیچھے رکوایا اور پیدل ہی حویلی جا پہنچی۔

عطا ٹوانہ برآمدے ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔اسے دیکھ کر ایک لمحہ کو حیران ہوا پھر قریب بیٹھے ایک بندے کو اٹھ کر چلے جانے کا اشارہ کیا تو وہ اس کے پاس جا بیٹھی۔

"یہ اچانک کہاں غائب ہو گئی تھی پتری، میں تو پریشان ہو گیا تھا۔"

’’گیم بدل گئی، جو پلان میں نے دیا تھا اب وہ نہیں رہا۔‘‘ نینا نے کہا تو ٹوانہ بولا

’’مطلب اب کام ختم ہو گیا؟‘‘

’’کام تو ہے، لیکن اب اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔اور دوسری بات، پہلے میں نے رقم کام ختم ہونے کے بعد دینا تھی لیکن اب پہلے دے رہی ہوں اور......‘‘

’’ایسا کیوں پتری، کیا ہو گیا ہے؟‘‘ عطا ٹوانہ نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا

’’بات یہ ہے کہ جو کام اب میں کرنے جا رہی ہوں، ممکن ہے میں اس ماری جاؤں، میں مر گئی تو پھر رقم کون دے گا؟ اس لئے میں......‘‘ اس نے کہنا چاہا لیکن ٹوانہ نے اسکی بات کاٹ کر کہا

’’ایسی بات نہ کر، اگر لکھی اتنی ہے تو اسے کوئی بڑھا نہیں سکتا لیکن کم از کم میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔تمہیں جو چاہئے، مجھے بتا، میں رقم نہیں لوں گا، اسے اپنے پاس رکھو۔‘‘

’’اب بات لڑائی کی تو رہی ہی نہیں ہے۔ مجھے منافقین سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ مجھے ان کے اندر کی خبریں چاہئیں۔‘‘ نینا نے صاف انداز میں کہا

’’ارے یہی تو ہمارے بزنس کی کامیابی ہے، جتنا بڑا بندہ ہوتا ہے، اتنے ہی لوگ اس کے ارد گرد چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔اگر ایسا نہ ہو تو ہم چند دن بھی نہ نکال سکیں۔ہم تو اندھے ہو جائیں ۔ہمیں پتہ بھی نہ چلے اور ہم ہوا میں خاک کی طرح اُڑ جائیں۔یہ الگ بات ہے جب تک ہمیں کوئی کچھ نہیں کہتا، ہم بھی کچھ نہیں کرتے، ضرورت کیا ہے۔تم پلان بولو، کاروائی سب ہو جائے گی۔‘‘ عطا ٹوانہ نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

’’ٹھیک ہے، میں بتاتی ہوں لیکن یہ رقم رکھیں، اب میں اسے کہاں اٹھائے پھروں گی۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے وہ پیکٹ عطا ٹوانہ کے سامنے رکھ دیا، جسے اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔نینا نے دھیرے دھیرے ساری بات اسے سمجھا دی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ساری بات سن کر عطا ٹوانہ نے کہا

’’یہ معمولی کام ہیں، تیرے لئے اس لئے مشکل ہیں کہ تیرے سورس نہیں۔شام تک سب پتہ چل جائے گا۔تم فکر نہیں کرو۔میں تمہیں نیا فون دیتا ہوں تب تک جوس ہی پی لو۔‘‘ عطا ٹوانہ نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بیٹھ گئی۔کچھ دیر بعد جب وہ جانے لگی تو وہ مزید بہت ساری باتیں کر چکی تھی۔

’’اچھا اب میں چلتی ہوں۔‘‘ نینا نے اٹھتے ہوئے کہا

’’جاؤ لیکن یہ یاد رکھ، یہ رقم تمہاری میرے پاس امانت ہے بعد میں دیکھ لیں گے ۔‘‘ اس نے کہا تو نینا باہر کی جانب چل دی۔جو کچھ اس نے سوچا تھا اگر ویسا ہو جاتا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی تھی۔

دوپہر ہونے تک وہ واپس بنگلے میں آ چکی تھی۔لاؤنج میں ساجد بیٹھا ہوا تھا۔

’’کہاں تھی، میں کافی دیر سے آیا بیٹھا ہوں۔‘‘

وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی

’’مجھے ایک فون چاہئے تھا۔ وہ لائی ہوں مارکیٹ سے، کوئی مجھ سے رابطہ ہی نہیں کر سکتا ہے۔‘‘

’’ہاں تمہارے پاس وہ فون ہے، جس سے صرف تم ہی کال کر سکتی ہو۔مجھے کہتی میں لا دیتا۔‘‘

’’میرا دل کر رہا تھا باہر نکلنے کو۔خیر یہ تم میرا نمبر لے لو، رابطے کی ضرورت پڑتی ہے۔‘‘

’’ہاں دو مجھے۔‘‘ ساجد نے کہا اور پھر نمبر لے کر بولا

”اب اگر موڈ ہے تو چلیں آج لنچ باہر کریں۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا

”اب ہو آئی ہوں، اب دل نہیں دل کر رہا باہر جانے کو۔“ اس نے صوفے پر پھیلتے ہوئے کہا

”ٹھیک ہے، آرام کرو، میں بھی ساری رات کا جاگا ہوا ہوں، میں تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا اور اٹھ کر اندر کی جانب چلا گیا، نینا اوپر منزل کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

جس طرح شام کے سائے پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ نینا کے اندر بے چینی اسی قدر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اسے عطاٹوانہ کے فون کا انتظار تھا۔ لیکن اس کی طرف سے ابھی تک کوئی کال کیا پیغام بھی نہیں ملا تھا۔ وہ مضطرب سی کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس کی بے چینی لحہ بہ لحہ بڑھنے لگی تھی ۔اس وقت اندھیرا چھانے لگا تھا جب اس کا فون بجا

”بھئی معذرت کہ تمہیں فون کرنے میں دیر ہو گئی۔ میں ایک خبر کی تصدیق کر رہا تھا۔“ عطاٹوانہ نے خوش کن لہجے میں کہا تو نینا نے بے صبری سے پوچھا

”پر جو میں نے......“

”اس سے بھی بڑی بات ہے۔ خیر پہلے یہ سن لو کہ تم نے جو شک ظاہر کیا تھا، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ دو دن بعد فلائیٹ ہے، ٹکٹ تک کنفرم ہو گئی ہے۔ وہ صرف آج کی رات یہاں ہے، اس کے بعد نہیں ہوگا۔“

”اوہ۔! یہ تو پھر......“

”نہیں اس سے بھی آگے کی بات ہے۔ تم جہاں بھی ہو، وہاں سے نکلو، دس منٹ اسی نمبر پر کال کرنا، سب طے ہو جائے گا۔“ عطاٹوانہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ پورچ میں تھی۔ اُسے ڈر یہی تھا کہ ساجد سے کہیں آمنا سامنا نہ ہو جائے۔ وہ تیزی سے کار میں بیٹھی اور گیٹ پار کرتی چلی گئی۔ بڑی شاہراہ تک جاتے ہوئے اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ کوئی اس کے پیچھے نہیں آ رہا ہے۔ دس منٹ سے بھی اوپر وقت ہو گیا تھا۔ اس نے کال ملائی تو دوسری طرف سے ایک لڑکی کی منمناتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اپنی گاڑی کہیں پارک کر دو، اور اپنی لوکیشن بتاؤ۔“

نینا نے اپنی کار روک دی اور پھر ارد گرد دیکھ کر اسے اپنے بارے میں بتا دیا، اس نے وہیں فٹ پاتھ پر رکنے کو کہا اور فون بند کر دیا۔

دو منٹ سے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا، ایک چھوٹی کار اس کے پاس آن ٹھہری۔ جیسے ہی نینا نے اس میں جھانکا، وہ حیران رہ گئی۔ اس میں زوبی بیٹھی ہوئی تھی، وہی زوبی جس نے عطاٹوانہ کی حویلی میں اسے جوس پیش کیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی تو وہ مسکراتے ہوئے بولی

”اس دنیا میں رہ کر روپ دھارنا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ یہ دنیا جینے نہیں دیتی۔“

”ہاں، کوئی روپ دھارتا ہے اور کوئی چھپ کر رہ رہتا ہے، بولو کیا خبر ہے۔“ نینا نے بے صبری سے پوچھا

”وہ بندہ جو پچھلے کچھ عرصے سے باہر نہیں نکل رہا تھا۔ آج وہ کسی سے ملنے جا رہا ہے۔ اس کی یہ ملاقات، اس شہر میں ایک ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”کہاں، تمہارا مطلب مٹھن خان ہی سے ہے نا؟“ نینا نے تصدیق کے لئے پوچھا

”اسی کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔“ زوبی نے سکون سے کہا

”کہاں ہو گی ملاقات اور کس سے؟“

’’اس نئے ایم این اے کے ڈیرے پر جو مٹھن خان کے بعد بنے گا، تیسرا وہی ہوگا۔ ملاقات ایک خاتون سے ہے۔‘‘

’’خاتون، کون خاتون؟‘‘ نینا نے پوچھا

’’یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ لیکن وہاں تک کے سارے معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں۔ کیسے ہوئے ہیں یہ بعد میں پتہ چلے گا، فی الحال تم میرے ساتھ جا رہی ہو، آگے سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہے۔‘‘ زوبی نے یوں کہا جیسے اسے اطلاع دے رہی ہو۔ نینا یہ سب سن کر خاموش ہو گئی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی بات کا یقین کرے یا پھر نہ کرے۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ ساجد کی فون کال آ گئی۔ اس نے پہلے تو سوچا کہ نہ ہی سنے پھر کال رسیو کر لی۔

’’کہاں ہو تم؟‘‘ اس نے پوچھا

’’یونہی آوارہ گردی، ایک سہیلی کی طرف آئی تھی، اس کے ساتھ ڈنر کے لئے جا رہی ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے ذرا سانس لیا پھر پوچھا۔’’ کیوں خیر ہے جو یوں پوچھ رہے ہو۔‘‘ اس نے جھوٹ بول دیا تو ساجد نے کہا

’’کچھ نہیں، وہ بی بی صاحب تمہارا پوچھ رہی تھیں۔‘‘

’’کیا کہتی ہیں۔‘‘ اس نے پوچھا

’’وہ کوئی اہم بات کرنا چاہ رہی تھیں، تم کال کر لو انہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں کرتی ہوں انہیں کال۔‘‘ نینا نے کہا اور ساجد کی کال بند کر دی۔ پھر چند لمحے سوچ کر اس نے بی بی صاحب کو کال ملا دی۔ چند تمہیدی باتوں کے بعد اس نے کہا

’’سنو۔! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آج رات فاخرہ اور مٹھن خان کی ملاقات ہے۔ یہ ملاقات کہاں پر ہے، یہ میں تمہیں کچھ دیر میں بتاتی ہوں، اگر تم رسک لے سکتی ہو تو تیار رہنا، تمہاری مدد کے لئے میں کچھ لوگ بنگلے پر بھیج رہی ہوں۔‘‘

’’کہاں ہے بس مجھے بتا دیں۔‘‘ نینا نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

’’دو ہی جگہیں ہو سکتی ہیں، فاخرہ کے گھر یا پھر مٹھن خان کی کسی جگہ پر۔ جیسے ہی دونوں ملے میں اطلاع کرتی ہوں۔‘‘ بی بی صاحب نے کہا اور فون بند کر دیا۔

نینا اس فون کال کے بعد منتشر ہو گئی۔ خبر ایک ہی تھی لیکن اس میں تھوڑا سا اختلاف تھا۔ اب وہ کس کی مانے؟ اگلے ہی لمحے اس نے زوبی کی بات ماننے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ اس چھوٹی سی کار میں شہر سے باہر آ گئیں۔ جیسے ہی وہ ایک ڈھابے نما ہوٹل کے پاس سے گزریں۔ ان کے ساتھ ایک فور وہیل گاڑی لگ گئی۔ ذرا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ فور وہیل رُک گئی۔

’’آؤ نکلو۔‘‘ زوبی نے کار روکتے ہوئے کہا۔ وہ بھی اتر کر زوبی کے پیچھے چل دی جو فور وہیل میں جا کر بیٹھ گئی۔ نینا کے بیٹھتے ہی فور وہیل چل پڑی۔ ڈرائیور کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا ایک جوان بیٹھا ہوا تھا۔ ذرا سا سفر کرنے کے بعد وہ پلٹا، اس نے ایک کاغذ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

’’یہ اس ڈیرے کا نقشہ ہے، جہاں ہم نے جانا ہے۔ کیسے جانا ہے، اور کیسے وہاں سے نکلنا ہے، یہ سب سرخ لکیر سے واضح ہے۔ اس کی دوسری طرف ڈیرے کا اندرونی نقشہ ہے۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔‘‘

وہ نقشہ ہاتھ سے بنا ہوا تھا۔ دونوں نے سیل فون کی روشنی میں اسے دیکھا اور ذہن نشین کر لیا۔ زوبی نے وہ کاغذ واپس کرتے ہوئے پوچھا

’’پلان کیا ہے؟‘‘

’’ڈیرے کے چاروں طرف ہمارے لوگ ہوں گے۔ ہم نے ان لوگوں سے پہلے پہنچنا ہے۔ وہاں ان کی بھی سیکورٹی ہوگی، انہیں سنبھالنا ہمارا کام ہوگا۔ تم دونوں کا صرف ایک ہی کام ہے کہ اندر داخل ہو کر اس جگہ تک رسائی لینا ہے جہاں ان کی ملاقات ہوگی۔ مطلب اس جگہ تک پہنچ کر نشانہ ہی کرنی ہے۔ نہیں یاد تو دوبارہ نقشہ دیکھ لو۔‘‘ اس جوان نے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا

’’اندر داخل ہونا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر پہلے ہی کوئی مسئلہ ہوگیا تو؟‘‘ نینا نے کہا

’’کیسا مسئلہ......؟‘‘ نوجوان نے پوچھا

’’راستے میں آنے والا کوئی بھی ختم ہو سکتا ہے۔‘‘ نینا نے کہا تو اس جوان نے کہا

’’ٹائمنگ، ہمارے درمیان سب طے ہوگا، اس سے زیادہ وقت نہیں لگانا۔ ان کے اور ہمارے اندر جانے میں بہت تھوڑا فرق ہوگا۔ ابھی ایک جگہ رکتے ہیں، وہاں ساری تفصیل بتا دوں گا اور کچھ جدید آلات بھی تاکہ ہم سب کا آپس میں رابطہ رہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ نینا نے کہا اور خاموش ہوگئی۔

وہ ایک پرانا سا گیراج تھا۔ جو کسی پرانی بند فیکٹری کے اندر موجود تھا۔ وہاں ایک فور وہیل مزید کھڑی تھی۔ یہ چاروں اُتر کر اس گیراج میں چلے گئے۔ اندر دھیمی روشنی کا چھوٹا سا بلب روشن تھا۔ ایک لمبا سا میز درمیان میں رکھا ہوتھا۔ اس پر لیپ ٹاپ پڑا تھا۔ جس کے ارد گرد تین لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کے چہرے اتنے واضح نہیں تھے۔ وہ بھی ان کے پاس جا کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی ہیلو ہائے نہیں ہوئی۔ ان کے آتے ہی لیپ ٹاپ کی اسکرین ان کی جانب کر دی گئی۔ انہیں میں سے کسی نے کہنا شروع کیا۔

’’یہ ڈیرے کے باہر کا شارٹ ہے۔‘‘ اس نے کہا تو لیپ ٹاپ پر فلم متحرک ہوگئی۔ چاروں طرف سے دکھانے کے بعد ایک جگہ روک دی گئی ۔’’یہ جگہ ہے جہاں سے اندر جانا ہے۔ لڑکیاں فوراً ہی کود جائیں گی۔ لیکن کودنے سے پہلے زہریلے گوشت کے دو پیکٹ اندر پھینکے جائیں گے۔ کیونکہ انہیں سب سے پہلے دو کتوں سے واسطہ پڑے گا۔ یہ تسلی کر لینے کے بعد کہ وہ کتے ختم ہوگئے ہیں، وہ آگے بڑھیں گیں۔ یہ دیکھیں یہاں سے تقریباً پچیس قدم کے فاصلے پر کچن ہے۔ اس کا ایک دروازہ باہر کی طرف ہے۔ یہیں سے اندر جانا ہے۔ اب یہ کھلا ہوگا یا نہیں، یہ پتہ نہیں ہے۔ لیکن امید ہے کھلا ہوا ہوگا۔‘‘ یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا، پھر ایک نئی شارٹ فلم کے شروع ہوتے ہی وہ بولا، ’’یہ اندر کا منظر ہے۔‘‘

وہ سب غور سے دیکھتے رہے۔ جب وہ فلم ختم ہوگئی تو ایک دوسرے جوان نے کہا

’’اگر کسی کے پاس سیل فون ہے تو وہ یہیں رکھ دے۔ میرے پاس پانچ بندوں کے لئے ایک فون ہیں جو سب کے ساتھ منسلک ہوں گے اور سبھی ایک دوسری کی آواز سن سکیں گے، تاکہ رابطہ رہے۔ سب لوگوں کے پاس صرف تین منٹ ہوں گے۔ یہ وقت اسی وقت شروع ہوگا، جب وہ دونوں اندر آجائیں گے۔ صرف ایک بات کا خیال رکھنا ہے۔ کام ہو یا نہ ہو، تین منٹ ختم ہوتے ہی باہر آجانا ہے۔ ورنہ کوئی کسی کا خیال نہ کرے ہوئے واپس پلٹ جائے گا۔‘‘

’’کسی نے کوئی بات پوچھنا ہو؟‘‘ پہلے نے کہا تو زوبی نے پوچھا

’’ڈیرے والا بندہ، اسے پتہ ہے؟‘‘

’’نہیں، اسے بالکل نہیں پتہ، لیکن وہاں پر دو ملازم ایسے ہیں جو ہمارے بندے ہیں، یہ سب انہوں نے ہی بھیجا ہے۔‘‘ اس نے بتایا

’’ٹھیک ہے۔ اب میں بتاتا ہوں ہماری ٹائمنگ کیا ہوگی۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے محض ایک منٹ میں سب بتا دیا۔ اس نے آخر میں کہا، ’’ہتھیار لے لیں، اور باقی سب بھی تیار ہو جائیں۔ سگنل ملتے ہی نکلنا ہے۔‘‘ اس جوان نے بات ختم کی تو نینا نے زوبی کو ساتھ لیا اور وہاں سے باہر نکل گئی۔

’’کیا بات ہے؟‘‘ زوبی نے پوچھا

''مجھے ٹوانہ سے ایک بار بات کرنی ہے۔'' نینا نے کہا

''کیا پوچھنا ہے؟ وہ بولی

''ان کے بارے میں بات کرنی ہے۔'' نینا نے کہا

''جو بھی پوچھنا ہے، مجھ سے پوچھ لو۔'' زوبی نے کہا تو نینا نے پوچھا

''یہ سب دولت کے لئے ہمارے ساتھ جڑے ہیں، کون ہیں؟''

''ہاں، تمہارا ایسا پوچھنا بنتا ہے ، خیر، وہ لڑکا جس نے نقشہ دکھایا تھا، اس کے باپ کو مٹھن خان نے مارا ہوا ہے۔ اس نے بہت کوشش کی بدلہ لینے کی، مگر اب تک نہیں لے سکا۔ یہ اشتہاری ہے۔ نجانے کیا کچھ کر چکا ہے۔ پچھلے دو سال سے ٹوانہ کے جڑا ہوا ہے۔ اس کا یہ گینگ ہے، اور جدید ترین آلات استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر یہ ڈکیتی کے بہت ماہر ہیں۔''

''اوکے۔'' نینا نے کہا اور زوبی کے ساتھ واپس گیراج میں پلٹ گئی۔ تبھی اس جوان کی نگاہ نینا پر پڑی اس نے آگے بڑھ کر پوچھا

''کوئی خاص بات؟''

''نہیں، ایک بات کنفرم کی تھی۔'' نینا نے کہا

''میں جانتا ہوں، ہمارے درمیان بہت سارے سوال اٹھ سکتے ہیں لیکن جس کسی کا کوئی مقصد ہو، ان باتوں پر بعد میں ڈسکس ہو جائے گی۔ سب سن لیں میرا کوڈ ہو گا، لیڈر ڈن؟'' اس نے نینا کی طرف دیکھ کر پوچھا تو نینا نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''ڈن۔''

''ہتھیار لے لیں۔'' یہ کہہ کر وہ مڑ گیا۔

نینا ہتھیار لیتے ہوئے من ہی من میں دعا کر رہی تھی کہ بی بی صاحب اسے یہاں سے نکلنے سے پہلے ہی بتا دے کہ مٹھن خان کی ملاقات کہاں ہونے والی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہاں ڈیرے پر پہنچ جائیں اور ان کی ملاقات کہیں دوسری جگہ پر ہو۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ نوجوان نے چلنے کے لئے کہا۔ نینا نے اپنا فون بند کیا، اس میں سے سم نکالی اور فون اس کی جانب بڑھا دیا۔ ایسا ہی زوبی نے کیا۔ سب نے اپنے فون وہیں رکھ دیئے۔ اگلے چند منٹ میں وہ گیراج سے نکل کر گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔

☆......☆......☆

نینا اور زوبی ڈیرے کی پشت اور دائیں جانب والے کونے تک جا پہنچی تھیں۔ دو دونوں طرف موجود جوانوں کو دیکھ رہی تھیں جو وہاں تک آ گئے تھے۔ تبھی نینا نے آہستگی سے کہا

''ہم پہنچ گئی ہیں۔''

اس کے یوں اطلاع دیتے ہی زوبی نے تیزی سے پیکٹ کھولا اور اندر پھینک دیا۔ اس کے بعد دوسرا پیکٹ بھی اندر اچھال دیا۔ وہ وہیں کھڑی انتظار کرنے لگیں۔ کچھ دیر بعد ایک جوان کی آواز ان کے کانوں میں گونجی

''وہ لوگ گیٹ پر آ گئے ہیں۔''

'' سیکورٹی چیک کریں۔'' لیڈر کی آواز گونجی

''سب دیکھ لی ہے، قابو کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے الرٹ ہو جائیں۔ جیسے ہی اندر جائیں۔'' لیڈر نے کہا تو آواز آئی

''وہ پورچ میں ہیں۔ اندر جا رہے ہیں۔''

’’سٹارٹ۔‘‘لیڈر کی آواز کے ساتھ ہی دونوں نے لمبے پھل والا خنجر نکالا اور اگلے ہی لمحے وہ دیوار پر چڑھ گئیں۔اندر جھاڑیاں نما پودے تھے جو دور عمارت پر لگے مدقوق بلب کی روشنی میں دکھائی دے رہے تھے۔انہی جھاڑیوں نما پودوں میں دو کتے یوں لوٹ رہے تھے جیسے اٹھنا تو چاہتے ہوں لیکن اٹھ نہیں پا رہے ہوں۔ وہ انہیں نظرانداز کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئیں۔جیسے ہی وہ کچن کے پاس پہنچیں۔ایک آواز گونجی

’’وہ اندر کمرے میں نہیں،اوپر چھت پر جا رہے ہیں۔‘‘

’’او کے،میں دیکھ لیتی ہوں،ڈونٹ وری۔‘‘ نینا نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔وہ اپنی منزل کے انتہائی قریب آ چکی تھی۔چند منٹوں کا فاصلہ تھا۔اس نے اوپر کی طرف دیکھا۔پائپ نیچے کی جانب آ رہا تھا۔اس نے زوبی سے پوچھا

’’تم چڑھ سکتی ہو؟‘‘

’’بالکل،کیا میں پہلے......‘‘

’’بعد میں آنا۔‘‘ یہ کہتے ہوئے اس نے خنجر پہلو میں رکھا اور اوپر چڑھنے لگی۔یہاں تک کہ وہ منڈھیر تک چلی گئی۔اس نے احتیاط سے اپنا سر ذرا سا اوپر کرکے دیکھا۔کافی دور تین کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ابھی تک ان پر کوئی آ کر بیٹھا ہی نہیں تھا۔گھومتی ہوئی صحن کی منڈھیر کی وہ آڑ لے سکتی تھی۔اسے یہ اپنی زندگی کا سب سے سنہری موقع لگا۔وہ منڈھیر سے دوسری جانب کود کر لیٹ گئی۔ پھر سرکتے ہوئے آڑ میں چلی گئی۔ تبھی اس نے اپنی پوزیشن کے بارے میں بتا دیا۔لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ تین لوگ وہاں آ گئے۔ان میں سے ایک تو مٹھن خان تھا،جسے اس نے صرف ایک بار دیکھا تھا،دوسرا شخص ایسا تھا جیسے وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی،جیسے ہی اس کی نگاہ خاتون پر پڑی،اسے دیکھتے ہی نینا کے ہوش اُڑ گئے۔اسے خود پر یقین نہیں آ رہا تھا۔وہ آنکھیں پھاڑے اُس طرف دیکھ رہی تھی۔اس کے سامنے بی بی صاحب بیٹھی ہوئی تھی۔

’’نینا کیا ہوا؟بولو؟‘‘لیڈر کی آواز گونجی تو اسے ہوش آیا۔لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی وحشت عروج پر چلی گئی۔

’’وہ تینوں میرے سامنے ہیں۔میں اٹیک کرنے لگی ہوں۔‘‘وہ تیزی سے بولی تو لیڈر نے کہا

’’میں منڈھیر پر ہوں،زوبی فائر ہوتے ہی کودنا۔ڈن۔‘‘

یہ سنتے ہی نینا نے پہلے ایک پسٹل نکالا،پھر دوسرا نکال کر انتہائی سرعت سے کھڑی ہوئی اور پھر ایک قلابازی کھاتے ہوئے ان کے سر پر پہنچ گئی۔وہ ہڑبڑا گئے۔

’’تم۔!‘‘مٹھن خان کی بجائے بی بی صاحب نے کہا

’’آواز نہیں۔‘‘نینا نے یوں غراتے ہوئے کہا جیسے صدیوں کی نفرت اس کے لہجے سے امنڈ آئی ہو۔

’’تمہیں تو میں بعد میں پوچھتی ہوں،پہلے اس مٹھن خان کا حساب چکا دوں۔‘‘نینا نے خوف زدہ مٹھن خان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا پھر اس پر پسٹل تانا ہی تھا کہ لیڈر چھت پر آ گیا۔دوسری طرف سے زوبی سیڑھیوں میں آ کر کھڑی ہو گئی۔اس نے پسٹل تانا ہوا تھا۔

’’نہیں تم نہیں،اسے میں نے مارنا ہے۔میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔‘‘لیڈر نے کہا

’’اور میں نے اس کے بھیجے میں گولی مارنے کی قسم کھائی ہے۔‘‘نینا نے دانت پیستے ہوئے کہا

’’ایک بار سوچ لو لڑکی۔تم بھی زندہ بچ کر نہیں جاؤ گی۔‘‘بی بی صاحب کی نرم آواز نجانے کہاں گم ہو گئی تھی۔یہ لفظ اس نے کرختگی میں کہے تھے۔

’’میں تمہیں جان گئی ہوں،تم نے بہت بڑی غلطی کی مجھے مہرہ بنانے کی نہیں جانتی ہو کچھ مہرے نہیں بنتے،شاطر کو مار دیتے ہیں۔‘‘

’’تمہیں شدید غلط فہمی ہو گئی ہے۔میں تمہیں بتاتی ہوں۔‘‘ یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ وہ بولی

’’تم اب نہیں سمجھی ہو لیکن میں مار دیتی ہوں،یوں.....‘‘ یہ کہتے ہی اس نے فائر جھونک دیا۔سناٹے میں فائر کی آواز گونج کر رہ گئی۔اگلا فائر

لیڈر نے مٹھن خان پر کر دیا۔ نینا تیزی سے مڑی اور گرتے ہوئے مٹھن خان تک جا پہنچی۔

”یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے بھیجے میں گولی نہیں اُتار سکی، یہ لو۔“ یہ کہہ کر اس نے مٹھن خان کے ماتھے پر پسٹل کی نال رکھی اور فائر کر دیا۔ بی بی صاحب چھت پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ ایسے میں نیچے سے بھگدڑ مچنے کی آوازیں آنے لگیں۔ نینا نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا، دستی بم نکالا، اس کی پن کھینچی اور نیچے اچھال دیا۔

”آؤ نکلو۔“

یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ کر بھاگ گئی۔ جس وقت خوف ناک دھماکا ہوا وہ منڈھیر سے پائپ تک آن پہنچی تھی۔ نیچے زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ جیسے ہی اس کے پاؤں زمین پر لگے، اس کے پیچھے ہی زوبی آن پہنچی۔ وہ دونوں بھاگتی ہوئی اسی دیوار کی جانب چلی گئی۔ تبھی ایک فائر نینا کی ٹانگ پر آ لگا، دیوار پر چڑھتے ہوئے وہ گر گئی۔ زوبی اس جانب فائر کرنے لگی تو نینا نے کہا

”تم نکلو، میں آتی ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ سامنے فائر کرنے لگی۔ زوبی نے دیوار پر چڑھتے ہوئے سب کو اطلاع کر دی کہ نینا کو فائر لگ گیا ہے۔ سامنے سے ہونے والی فائرنگ رُک گئی تو نینا اٹھی اور انتہائی مشکل سے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ زوبی نے اسے پکڑا اور اوپر کھینچنے لگی۔ دونوں نے کوشش کی تو وہ دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئی۔ دوسری طرف دو نوجوان کھڑے تھے۔ انہوں نے سہارا دیا اور بھاگنے لگے۔ فائرنگ مسلسل ہو رہی تھی۔ وہ ایک فور وہیل تک جا پہنچے۔ وقت کم ہونے میں چند سیکنڈ تھے۔ وہ نکل پڑے۔ پھر اسی طرح لمحہ بہ لمحہ وہ ڈیرہ دور ہوتا گیا، جس طرح نینا کے حواس اس کا ساتھ چھوڑتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

اسے ہوش آیا تو وہ ایک کمرے میں پڑی تھی۔ اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔ کافی دیر تک وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ اسے ہلکا ہلکا یاد آ رہا تھا کہ اس نے مٹھن خان کو قتل کیا تھا۔ پھر بی بی صاحب کا مسخ چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے جو چہرہ آیا، وہ میڈم فاخرہ کا تھا۔

”شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔ گھبراؤ مت، تم میرے پاس ہو پوری حفاظت سے۔ تمہاری طرف کوئی جھانک بھی نہیں سکتا۔“

”کتنی گولیاں لگی تھیں۔“ اس نے سپاٹ چہرے سے پوچھا تو میڈم فاخرہ نے کہا

”دو، وہ بھی ٹانگ پر، خون زیادہ بہہ جانے سے تم بے ہوش رہی ہو، پھر ڈاکٹر نے تمہیں بے ہوش رکھا۔ اب تم ٹھیک ہو۔ تمہیں ہوش آ گیا۔“

”وہ دونوں......“ نینا نے پوچھنا چاہا تو وہ بولی

”دو نہیں تین مرے تھے وہاں پر۔ شہر میں کہرام مچا ہوا ہے۔ دونوں پارٹیاں آپس میں لڑ رہی ہیں۔ ایک دوسرے کو قاتل کہہ رہی ہیں۔ جبکہ بے چاروں کو پتہ ہی نہیں، دونوں ایک ہی تھے۔“

”ایک تھے۔“ اس نے پوچھا

”ہاں ایک، تم ٹھیک ہو جاؤ، میں سب بتا دوں گی تمہیں۔“ میڈم فاخرہ نے کہا

”نہیں ابھی بتائیں۔“

”مٹھن خان اور بی بی، دونوں کبھی عشق کرتے تھے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ یہی بات میرے بارے میں بھی کرتی تھی۔ اس نے اپنا کھیل کسی کو بھی سمجھ میں نہیں آنے دیا۔ وہ نئے سے نیا بندہ پالنے کا شوق رکھتی تھی۔ وہ جو تیسرا بندہ مرا، وہ اس کا تازہ شکار تھا۔ اس کے لئے اس نے ساری محنت کی تھی۔ تمہیں پوری طرح استعمال کیا۔ جس دن اس نے تمہیں کراچی بھیجا تھا، اور اس کے بعد شعیب کو اغوا کیا گیا، یہ سب اسی کی سازش

تھی۔ مجھے غلط اطلاع دے کر ایک بار تمہیں مروانے کی سازش کی۔ خیر۔! چھوڑو، وقت گزر گیا۔ اب تم جلدی سے تندرست ہو جاؤ۔ پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔"

"یہی بات اگر آپ کے بارے میں کہی جائے کہ یہ سب آپ نے کہا، تو......؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی

"بات یہ نہیں، بات نیّت کی ہوتی ہے۔ جس کی نیّت اچھی ہوتی ہے، قدرت بھی اس کی مدد کرتی ہے۔" میڈم نے سنجیدگی سے کہا

"میں نے یہ اس لیئے کہا، کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں......" اس نے پوچھنا چاہا تو وہ ہنستے ہوئے بولیں

"ساجد، وہ بی بی کا کارندہ نہیں، میرا بھتیجا ہے۔ اسی کا گینگ تمہارے ساتھ تھا۔ وہ ڈکیتی نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ ملک کی بہترین فورس کے لوگ ہیں۔ یہ چھاپہ تھا جو انہوں نے ملک دشمن عناصر کے خلاف مارا تھا۔ انہوں نے تمہارا ذکر ہی نہیں کہیں آنے دیا۔ وہی تمہیں میرے پاس لائے ہیں اور نہیں کے دو ڈاکٹر تمہارا علاج کر رہے ہیں۔"

"تو زوبی بھی......"

"ہاں، وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ عطا ٹوانہ کوئی مجرم نہیں ایک اچھا انسان ہے۔ میرے دوستوں میں سے ہے۔' خیر تم زیادہ پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ کہتی ہیں تو۔" نینا نے کہا اور آنکھیں موند لیں۔ اس کا من بھر آیا تھا۔ اسے شعیب یاد آ گیا تھا۔ کاش وہ آج اس کے ساتھ ہوتا۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا کب آنسو اس کے گال بھگو گئے۔

وہ کھل کر رو دی۔

☆......☆......☆